جلن
ایم اے راحت

ایم اے راحت

25 سی لوئر مال لاہور
فون: 7325418
wasishah786@[illegible]mail.com
wasishah786@yahoo.com

1

میرا نام منصور ہے مجھے نہیں معلوم کہ میرے لئے یہ نام کس نے تجویز کیا تھا۔ اسے مجھ سے کیا دشمنی تھی کیونکہ اس نام سے منسوب ہونے کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی میرے لئے "سولی" تیار ہوگئی۔ یہ صرف سنی ہوئی بات ہے کہ میرے والد محترم کو شاید نمونیہ ہوا' اور ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ بات اس وقت مجھے معلوم ہوئی تھی جب میرا میٹرک کا رزلٹ نکلا تھا۔ اور میں اچھے گریڈ میں پاس ہوا تھا۔ امی نے خوشی سے روتے ہوئے کہا تھا:

"میں تجھے زندگی کی اس پہلی سیڑھی پر قدم رکھنے کی مبارکباد دیتی ہوں منصور! یوں سمجھ لے تونے میرے ارمانوں کی تکمیل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا ہے۔ اب مجھے امید ہوگئی ہے کہ تو میرے خوابوں کو پورا کرلے گا۔"

"آپ بھی خواب دیکھتی ہیں امی۔"

"خواب کون نہیں دیکھتا باؤلے۔ یہ تو انسان کے دماغی عمل کا ایک حصہ ہوتے ہیں مگر تونے "بھی" کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ تو بھی خواب دیکھتا ہے کیا؟"

"یہ انسانی دماغ کے عمل کا حصہ ہوتے ہیں امی۔" میں نے امی کے الفاظ دہرائے اور وہ ہنس پڑیں۔

"تو کیا خواب دیکھتا ہے۔"

"بڑی ورائٹی ہے میرے خوابوں کی امی۔ ان میں' سیاہی ہے سفیدی ہے' شفق ہے ابر باراں ہے۔"

"شاعری بھی آگئی ہے' لیکن میں خوش ہوں۔"

"میری شاعری سے؟"

"نہیں۔ تیری چرب زبانی سے' تیری برجستگی سے' کیونکہ مستقبل میں تجھے ایک

کامیاب بیرسٹر بننا ہے۔ اور جب تو وکیل بن جائے گا تو میں غاصبوں سے اپنا حق وصول کروں گی۔"

امی اس سے پہلے بھی کئی بار یہ الفاظ کہہ چکی تھیں میں نے نہ تو کبھی ان غاصبوں کے بارے میں سوچا تھا نہ اس حق کے بارے میں۔ لیکن آج میں نے پوچھ ہی لیا۔

"امی۔ وہ کون غاصب ہیں۔ وہ کونسا حق ہے؟" اور امی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

"یہ میں تجھے وقت آنے پر بتاؤں گی۔ بس یہ سمجھ لے یہ میری جاگتی آنکھوں کا خواب ہے۔"

"اس کا کوئی تعلق ابو سے ہے۔" میں نے سوال کیا۔ لیکن امی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے دوبارہ پوچھا۔ "امی اگر ابو زندہ ہوتے تو کیا وہ بھی اتنا ہی خوش ہوتے میرے کامیاب ہونے سے۔" امی پھر بھی کچھ نہ بولیں تو میں نے کہا "ویسے اتنا تو بتا دیں امی انہیں کیا ہوگیا تھا۔"

"ایں" امی جیسے اس وقت بھی کسی خواب سے چونکی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا: "انہیں۔ انہیں نمونیہ ہوگیا تھا۔"

امی بہت اچھی تھیں' ہماری کائنات ایک دوسرے کے سوا کچھ نہیں تھی۔ امی ایک یوٹیلٹی اسٹور کے کیش کاؤنٹر پر کام کرتی تھیں۔ ہم کرائے کے گھروں میں رہتے تھے۔ میں نے گھروں کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ گیارہ ماہ پورے ہونے پر مکان مالکان کرایہ بڑھانے کی بات کرتے اور ہمارے بجٹ میں اس کی بالکل گنجائش نہیں تھی چنانچہ امی اس رینج کا گھر تلاش کرتیں اور ہم اس میں شفٹ ہوجاتے۔

بہرحال ہر ماں عظیم ہوتی ہے۔ میری ماں بھی بہت عظیم تھی۔ امی کی آمدنی کا ساٹھ فیصد حصہ مجھ پر خرچ ہوتا تھا۔ میں اب بھی نہیں جانتا تھا کہ میری ماں مجھے وکیل اور پھر بیرسٹر کیوں بنانا چاہتی ہے۔ لیکن میں نے بڑے جذباتی انداز میں سوچا تھا کہ میں امی کی اس خواہش کی تکمیل ضرور کروں گا۔ اور اس کے لئے لگن سے پڑھنا ضروری تھا۔ لیکن آخر کار منصور سولی چڑھ گیا۔

میں اس دن کو منحوس کہتا رہوں گا جب میری ماں مجھ سے بچھڑ گئی۔ صبح کو معمول

کے مطابق تمام تیاریاں کرنے کے بعد میں کالج کے لئے نکل جاتا تھا اور امی یوٹیلٹی اسٹور چلی جاتی تھیں۔ جہاں ان کی ڈیوٹی نو بجے سے پانچ بجے تک ہوا کرتی تھی۔ میٹرک میں میرے نمبر اتنے عمدہ تھے کہ مجھے میرٹ کی بنیاد پر ہی داخلہ مل گیا تھا لیکن اس کے باوجود امی نے ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور اس کے بعد مجھے ایک اکیڈمی میں بھی داخلہ دلوادیا تھا میرے ساتھ صبح کو ایک چھوٹا سا ٹفن باکس کردیا جاتا تھا۔ دوپہر کو میں کھانا کھاتا اور پھر تھوڑے سے انتظار کے بعد اکیڈمی چلا جاتا پھر اکیڈمی سے ساڑھے چار بجے چھٹی ہوتی تھی جس یوٹیلٹی اسٹور میں امی کی ڈیوٹی ہوتی تھی وہ اس اکیڈمی سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے فارغ ہو کر امی کے پاس پہنچ جاتا اور ہم ماں بیٹا اس کے بعد گھر آجاتے۔ ہماری دنیا ایک دوسرے تک محدود تھی اور بس۔ ہم زندگی کے خواب بنا کرتے تھے میں کسی کا قصور نہیں کہوں گا اس دن کو میرا دل منحوس سمجھتا ہے لیکن اللہ کا بنایا ہوا کوئی بھی دن منحوس نہیں ہوتا۔ ہاں انسان کی زندگی سے اگر کوئی واقعہ منسلک ہوجائے تو اس کی یادیں اسے طرح طرح کے احساسات میں مبتلا کردیتی ہیں بس اس کے سوا اور کچھ نہیں اس دن ذرا پیریڈ لمبا ہوگیا تھا۔ اور مجھے اکیڈمی میں دیر ہوگئی تھی۔ پانچ بج کر دس منٹ ہوگئے جب مجھے چھٹی ملی مجھے اندازہ تھا کہ امی پریشان ہوں گی۔ یہ بالکل پہلا موقع تھا جب اس طرح مجھے دیر ہوگئی تھی میں کتابیں سنبھال کر برق رفتاری سے باہر نکلا۔ اور تیز قدموں سے سڑک طے کرنے لگا لیکن یوٹیلیٹی اسٹور سے ابھی بہت زیادہ فاصلہ نہیں تھا کہ مجھے اچانک ہی تیز بریکوں کی ایک بھیانک چرچراہٹ سنائی دی اور اس کے بعد کوئی اچھل کر دور جاگرا۔ شاید جو بھی اس حادثے کا شکار ہوا تھا گرنے کے بعد بچ جاتا لیکن جس کار سے حادثہ ہوا تھا اس کے ڈرائیور نے اپنی جان بچانے کے لئے کار برق رفتاری سے دوڑا دی۔ اور اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ مضروب جو سڑک پر گرا تھا کار کے نیچے کچل گیا۔ لوگ شور مچا رہے تھے لیکن آس پاس کوئی اور ایسی گاڑی موجود نہیں تھی جس سے اس کا تعاقب کیا جاتا۔ بس میں بھی دوڑ گیا اور پھر یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے کہ وہ امی تھیں۔ میرے ہاتھ سے کتابیں گر پڑیں۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے سڑک پر اس کچلے ہوئے بدن' کرب سے پھیلے ہوئے چہرے اور سینہ پر سمٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ امی نے وہیں سڑک پر دم توڑ دیا تھا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کررہے تھے

اور کوئی بھی اپنے آپ کو اس لاش کو اٹھانے کے لئے تیار نہیں کرپا رہا تھا۔

"بابا یہ مرچکی ہے اب لاش اٹھا کرلے جاؤ گے تو پولیس خود دھرلے گی آدھی زندگی پہلے تھانوں اور پھراس کے بعد عدالت کے چکر کاٹتے ہوئے گزر جائے گی۔"

اور پھروہ کار دیکھی تم نے کوئی بہت بڑا آدمی بیٹھا ہوا تھا اس میں۔ سوٹ پہنے ہوئے منہ میں پائپ دبا ہوا' یہ کام چھوٹے موٹے آدمیوں کا نہیں ہوتا۔"

نمبرتو نوٹ کیا گیا ہے نا۔"

"کیوں نہیں۔ لیکن پڑوگے کیا چاچا جی اس چکر میں۔"

"ارے کچھ تو کرنا ہی ہو گا" پھرپولیس موبائل آگئی اور پولیس والے نیچے اتر آئے۔ لاش کو دیکھا گیا' میں سکتے کے عالم میں کھڑا تھا پولیس افسران تفتیش میں مصروف ہوگئے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اپنی ماں کی لاش کو میں کس طرح اور کہاں لے جاؤں؟ میں سرد نگاہوں سے سکتے کے عالم میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ پھرشاید ایمبولینس طلب کی گئی اور جب میری ماں کی کچلی ہوئی لاش ایمبولینس میں رکھی گئی تو میں بھی ایمبولنس میں چڑھ گیا۔

"ارے کون ہو بھائی تم؟ اترو نیچے۔ ہم لے جارہے ہیں اسے۔ کوئی ایک لفظ تو بتانے کے لیے تیار نہیں ہے لیکن ویسے ساتھ دے رہے ہیں۔" غالباً یہ شخص ہسپتال کا ملازم تھا جس نے یہ الفاظ کہے تھے۔ میں نے غم آلودہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر آہستہ سے کہا:

"میں ان کا بیٹا ہوں۔"

"ہیں۔" وہ اچھل پڑا اور اس کے بعد پھر اس نے کچھ نہ کہا۔ لاش ہسپتال پہنچ گئی۔ امید کا دامن ہی نہیں تھا جسے پکڑا جاتا۔ جو دیکھا تھا وہ نگاہوں کے سامنے تھا زندگی کا کوئی وجود اب اس بدن میں نہیں تھا لیکن اس شخص نے ڈاکٹر صاحبان کو اور پھر پولیس کو بتا دیا کہ میں اس عورت کا بیٹا ہوں۔ پولیس انسپکٹر نے نرم لہجے اور ہمدردی سے میرا بیان لیا تھا۔ اس کار کا نمبر پوچھا تھا جس سے یہ حادثہ ہوا تھا۔ پورا واقعہ پوچھا تھا مجھ سے۔ میں نے بتایا تھا کہ مجھے اکیڈمی میں کچھ دیر ہوگئی تھی اور یقیناً میری ماں میرے دیر ہوجانے سے بدحواس ہو کر میری تلاش میں دوڑ پڑی ہوگی۔ نتیجے میں یہ حادثہ پیش آگیا۔ انسپکٹر نے کار

کا نمبر نوٹ کیا تھا اور ایس آئی کو حکم دیا تھا کہ رجسٹریشن آفس سے کار کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ ساری معلومات حاصل کی گئیں۔ پولیس نے کیا کیا کارروائی کی۔ یہ میں نہیں جانتا۔ ہسپتال میں موجود ڈاکٹروں نے کہا:

"پوسٹ مارٹم ہوچکا ہے اب اگر تم لاش کو لے جانا چاہو تو لے جاسکتے ہو۔" میں سکتے کی کیفیت میں تھا۔ کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آرہی تھی۔ کیا ہوا ہے؟ اور اب اس کے بعد کیا ہوگا؟ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ہاں! جب ایک شخص نے مجھ سے کہا:

"بیٹے میں ایک خیراتی ادارے کا کارکن ہوں۔ اگر تم لاش نہیں لے جاسکتے اور تمہارے پاس وسائل نہیں ہیں تو بیٹا ہونے کی حیثیت سے ہمیں اجازت دو کہ ہم لاش کی تدفین کرا دیں۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا تھا۔ ماں کی قبر بنا دی گئی۔ میں نے بہت سے قبرستان دیکھے تھے کبھی کسی قبرستان میں داخل نہیں ہوا تھا۔ پہلی بار قبرستان میں قدم رکھا اور جب گورکن نے اپنے فرائض پورے کردیئے تو میں خاموشی سے ماں کی قبر کے کنارے بیٹھ گیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ کیا کہتا ماں سے؟ بس آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ آنسو ہی میری آواز تھے یہ آنسو ہی میری شکایت تھے۔ "یہ کیا ہوا؟ ایسا کیوں کر ڈالا امی۔ ہمارا تو سارا شیرازہ ہی منتشر ہوگیا۔ اب یہ بتاؤ میں کہاں جاؤں؟ واپس اسی گھر میں جہاں تم نہیں ہوگی۔" پھر دو پولیس والے وہاں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا:

"تمہیں اپنا بیان لکھانا ہے۔ ہم تمہارے گھر گئے تھے لوگوں سے معلومات کی تھیں۔ تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو؟" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انسپکٹر نے تھانے میں بھی مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا:

"دیکھو! جو کچھ کہو پورے اعتماد کے ساتھ کہنا۔ کار کا نمبر تم نے ٹھیک طور پر دیکھا تھا۔"

"ہاں۔"

"اور اس شخص کو بھی جو اس وقت کار میں بیٹھا تھا۔"

"ہاں۔"

"چلو اپنا بیان لکھوا دو۔"

"بیان لکھا گیا اور اس کے بعد مجھے واپس جانے کی تلقین کی گئی۔ گھر کے سوا اور کہاں جاتا؟ آج یہ گھر تنہا تھا ہر طرف سے ماں کی آہیں آ رہی تھیں لیکن شکل کھو گئی تھی۔ بدن کھو گیا تھا وجود کھو گیا تھا اور اس کھوئی ہوئے شے کو میں تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ بس آنسو تھے جو ساتھ دے رہے تھے ایک مونس اور غمگسار کی حیثیت سے یہ آنسو ہی میرے ہمنوا تھے۔ پڑوس میں یہاں بھی زیادہ شناسائی نہیں تھی لیکن حادثے کے بارے میں لوگوں کو علم ہو گیا تھا کچھ لوگوں نے آکر دلجوئی بھی کی تقریباً چار یا پانچ دن کے بعد تھانے میں پھر طلب کیا گیا۔ یہاں وہ منحوس شخص بیٹھا ہوا تھا جس کی کار سے یہ حادثہ ہوا تھا کار بھی تھانے میں لے آئی گئی تھی۔ بھاری سے بدن کا ایک آدمی تھا جو اپنے لباس اور اپنی شخصیت سے خاصا صاحب حیثیت معلوم ہوتا تھا مجھے دیکھ کر اس نے کہا:

"دیکھو بیٹے! جو حادثہ ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔ میں نے سنا ہے تم پڑھتے ہو؟ اپنی تعلیم جاری رکھو میں تمہارے تعلیمی اخراجات اٹھاؤں گا تم اپنے بیان میں کچھ تبدیلیاں کر دو۔ انسپکٹر صاحب بھی یہی چاہتے ہیں میں تمہیں بہت سی آسانیاں فراہم کروں گا۔"

"ہاں۔ یہ دوسرا بیان لکھ لیا گیا ہے تم یہ کہہ دو کہ حادثہ دیکھ کر تم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ اور کار کا نمبر صحیح نہیں دیکھ پائے تھے بات ختم ہو جاتی ہے۔"

"لیکن میری ماں کار کی ٹکر سے دور جا گری تھی۔ اس کتے نے بعد میں گاڑی بھگانے کی غرض سے میری ماں کے اوپر ہی گاڑی چڑھا دی۔ یہ میری ماں کا قاتل ہے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا تو پولیس والے نے ڈنڈے سے میرے سینے پر طاقت لگا کر مجھے روک لیا۔ اس شخص نے کہا۔

"آپ دیکھ لیں انسپکٹر صاحب یہ ساری جذباتی باتیں ہوتی ہیں لیکن میری پیشکش برقرار ہے۔ ہاں کیس اگر عدالت تک پہنچ گیا تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری ساری پیشکش ختم ہو جائیں گی۔"

"آپ جائیے جناب ہم کوشش کرتے ہیں۔" پھر انسپکٹر نے مجھے ڈرایا دھمکایا بہت سی باتیں ہوئیں یہ بھی کہا اس نے کہ وہ مجھے بند کر دے گا۔ ایک بہت بڑے سے آدمی کی بات ہے۔ کوئی معمولی آدمی ہوتا تو ٹھیک تھا کوئی بات نہیں تھی لیکن! سیٹھ صاحب بہت

بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ تمہیں بیان بدل دینے سے فائدے ہی فائدے ہیں۔"

"میں نے کہا۔ "مجھے تھانے میں بند نہ کرو بلکہ میرے لئے پھانسی کا بندوبست کر دو ورنہ میں وہی کہوں گا جو مجھے کہنا ہے۔" اور میں نے عدالت میں مجسٹریٹ کے سامنے وہی کہا جو مجھے کہنا تھا۔ انسپکٹر نے اپنے بیان میں کہا:

"جناب والا! یہ لڑکا جذباتی ہو گیا ہے۔ مکمل تحقیقی رپورٹ آپ کے سامنے ہے۔ سیٹھ صاحب اس وقت تو شہر میں تھے بھی نہیں۔ وہ باہر گئے ہوئے تھے۔ اس کے ثبوت فائل میں منسلک ہیں۔ ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا حصہ اور اس کے بعد اس شہر کی تصدیق دوسری بات یہ کہ سیٹھ صاحب خود ڈرائیونگ کرتے بھی نہیں ہیں۔ ڈرائیور گاڑی چلاتا ہے۔ مسٹر منصور کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ سیٹھ صاحب خود اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ حادثہ ان کے ہاتھوں ہوا۔ ایسے حالات میں جناب والا میں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہ سب کچھ غلط فہمی تھی۔"

"نہیں۔ یہ غلط فہمی نہیں تھی یہ سچ ہے اس شخص سے پوچھو؟ اگر یہ غلط فہمی تھی تو پھر اس نے مجھے مالی امداد دینے کی پیشکش کیوں کی تھی؟ آپ سوال کیجئے اس شخص سے۔"

"انسانی ہمدردی کی بنیاد پر لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ میں نے غلطی کی تھی۔"

بہرحال مجسٹریٹ صاحب نے اس آدمی کو باعزت بری کر دیا۔ میرے علاوہ اور کوئی عینی گواہ نہ مل سکا تھا۔ جو اس مجرم کو مجرم قرار دیتا۔ غالباً اس کا بھی پہلے سے بندوبست کر لیا گیا تھا۔ وہ شخص رہا ہو گیا اور میں اس رات اپنے تنہا گھر میں پڑا یہ سوچتا رہا کہ اس دنیا میں سب مکار اور فریبی ہیں سارے کے سارے قابل نفرت، وہ لوگ جنہوں نے حادثہ دیکھا تھا آس پاس کے دکاندار تھے۔ سب ہی نے کار کا نمبر بھی دیکھا تھا اور اس شخص کو بھی جس سے یہ حادثہ ہوا تھا لیکن کوئی گواہی دینے کے لیے تیار نہیں تھا یا تو اسے کچھ رقم مل گئی تھی یا پھر وہ خوف زدہ تھا۔ جب حق کہنے کا رواج ہی نہیں ہے تو پھر اس دنیا سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ مجھے دنیا سے نفرت ہو گئی۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ دولت کے بل پر بڑے سے بڑے جرم کئے جا سکتے ہیں اور چھوٹے آدمی دلوں میں اپنے جیسوں کے لیے ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں رکھتے ورنہ میری ماں کے قاتل کو ضرور سزا

ہوتی۔ بس اس دن سے میرے دل میں انسانوں سے ہمدردی ختم ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ پھر زندگی کے دوسرے مسائل نگاہوں کے سامنے آئے۔ میں تو طالب علم تھا۔ اکیڈمی کی فیس بھی اچھی خاصی تھی۔ گھر کا کرایہ' کھانے پینے کے اخراجات' دودھ کا بل' پہلی تاریخ کے بعد یہ سارے ہولناک مناظر میری نگاہوں کے سامنے آئے۔

البتہ فیصلہ مجھے کرنا تھا اور میں نے فیصلہ یہ کیا کہ اس گھر کو چھوڑ دوں۔ یہ سارا سامان بیچ دوں کوئی بھی نہیں ہے میرا اس دنیا میں۔ سڑکوں کے فٹ پاتھ' پارک' دکانوں کے وہ تختے جہاں راتوں کو انسان سوتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہ سب ایسے ہی دوست تھے جن کا دنیا میں کوئی نہیں تھا اور وہ یہاں مزے سے زندگی گزارتے تھے۔ میں بھی یہیں زندگی گزاروں گا۔ مزے کی زندگی اور جو مزہ مجھے اس زندگی میں آیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ سینے میں گھٹن آنکھوں میں نفرت' دل میں ہر وقت ایک ریل سی چلتی رہتی تھی۔ میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پھر ایک رات اپنی جگہ سے اٹھا۔ قبرستان میں جا کر ماں کی قبر پر بیٹھ گیا۔ رات کے حصے میں بڑے بڑے مضبوط دل قبرستانوں میں اس طرح جا کر نہیں بیٹھ سکتے لیکن یہاں میری ماں تھی۔ مجھے بھلا کیا ڈر تھا؟ ماں کے پاس پہنچ کر میں اس سے باتیں کرنے لگا اور وہ خواب جو کبھی صرف رات کی تنہائیوں میں دیکھا کرتا تھا؟ اس وقت میری آنکھوں میں آبسے۔ ماں! سفید لباس میں لپٹی ہوئی میرے سامنے آبیٹھی تھی۔

"دیکھو منصور! تمہیں پڑھنا ہے۔ وکیل اور بیرسٹر بننا ہے بس سمجھ لو یہی میری جاگتی آنکھوں کا خواب ہے۔" میں جاگ گیا۔ میں نے بھی تو جاگتی ہوئی آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھا تھا اور اس نے مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ میں اب اس جذبے کو لے کر دنیا کے سامنے آگیا۔ میں نے فٹ پاتھوں پر پارکوں میں زندگی گزارنا شروع کردی۔ زندگی گزارنے کے لئے کچھ ضرورتیں بھی ساتھ ہوتی ہیں جو کچھ بیچا تھا اس کے پیسے ختم ہوگئے اور میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ ماں سے مشورہ کرنا ضروری تھا چنانچہ میں قبرستان چلا گیا۔ اور ماں کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔

"امی! اب سارے پیسے ختم ہوگئے ہیں پڑھنا تو ہے مجھے سال بھر کی فیس ادا کرنی

تھی۔ اب امتحان کی فیس ادا کرنی ہے اور میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ کتابیں بھی چاہئیں لیکن بہرحال کام چلالوں گا۔ مگر امتحانی فیس اور اس کے آگے کی فیس کا مسئلہ ہے۔ بتایئے! میں کیا کروں؟ جواب دیجئے۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں ہے۔ راتوں کو فٹ پاتھوں پر سوتا ہوں دیکھئے مچھروں نے کس طرح طرح کاٹ کر میری شکل بدل دی ہے لیکن مجھے اس بدلی ہوئی شکل کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں یہ خیال ہے مجھے کہ آپ کی جاگتی آنکھیں تو بند ہو چکی ہیں لیکن پھر یہ خواب دھوئیں کی شکل کی صورت میں آپ کی قبر سے کیوں نکلتے رہتے ہیں؟ بتایئے میں کیا کروں؟ تب ایک ہاتھ میرے شانے پر آٹکا۔ اس نے مجھے تھپکی دی اور ایک آواز مجھے سنائی دی۔

"جو لوگ زمین کی گہرائیوں میں چلے جاتے ہیں نا بیٹے! انہیں اس طرح دکھ نہیں دینا چاہیے۔ تمہاری ماں تمہارے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ اسے کیوں پریشان کررہے ہو؟ چلو اٹھو آؤ میرے ساتھ چلو۔" میں نے پلٹ کر اس شخص کو دیکھا۔ دبلے پتلے بدن کا ایک دراز قد آدمی تھا۔ بدن پر میلا کچیلا لباس تھا اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں فیس کے پیسے دوں گا۔ تم بے فکر رہو۔ میرا نام اکبر شاہ ہے ایک چھوٹا سا موٹر گیراج ہے بیٹے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ تمہیں پتہ ہے کہ تمہاری اس پریشانی سے تمہاری ماں کی روح کس طرح تڑپ رہی ہوگی۔ چلو دنیا سے جانیوالوں کو اس طرح پریشان نہیں کرتے۔" میں وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اکبر شاہ مجھے لئے ہوئے قبرسان سے باہر نکل آیا۔ راستے میں اس نے کہا:

تمہاری ماں کی قبر کے پیچھے ہی میری ماں کی قبر بھی ہے۔ فاتحہ پڑھنے آجاتا ہوں کبھی کبھی۔ اس سے پہلے بھی تمہیں دو تین بار دیکھا ہے میں نے۔ آج تمہاری باتیں بھی اتفاق سے سن لیں۔ بیٹے دنیا میں یہ سب کچھ ہوتا ہے آج تمہاری ماں نہیں ہے کل تم نہیں ہوگے تمہارے بچے تمہیں اسی طرح یاد کررہے ہونگے۔ صدیوں سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ آؤ۔" اکبر شاہ مجھے اپنے گیراج پر لے گیا۔ گیراج بند ہوچکا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "رہتے کہاں ہو؟ میرا مطلب ہے۔ یہ تو میں سن چکا ہوں کہ فٹ پاتھوں وغیرہ پر زندگی گزارتے ہو۔ سامان کہاں ہے تمہارا؟"

"کوئی سامان نہیں ہے میرا اکبر چچا۔ بس یہی جو نظر آرہا ہے آپ کو۔ یہ میرا ہے۔ کتابیں ہیں۔"

"ہاں! ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں ہے دیکھو یہ چارپائی ہے۔ یہ چادر ہے۔ یہاں چارپائی بچھاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔ میں صبح نو بجے آتا ہوں اس کے بعد دوسرے لڑکے بھی آجاتے ہیں کام پر۔ تم یہیں سو جایا کرو۔ صبح ذرا جلدی اٹھ کے دروازہ کھول دیا کرو۔ کالج کتنے بجے جانا ہوتا ہے؟"

"امتحان ہونے والے ہیں۔ اس لئے آج کل صبح آٹھ بجے چلا جاتا ہوں۔"

"اچھا۔ اچھا تو پھر ایسا کرو کل کی چھٹی مارو کالج سے۔ پرسوں چلے جانا کوئی ہرج تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"چلو آرام سے سو جاؤ۔ ویسے میرا گھر بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ موقع ہوا تو تمہیں گھر تک لے جاؤں گا۔ دیکھو ڈرو گے تو نہیں؟" جواب میں میں ہنسنے لگا۔

"نہیں۔ اکبر چچا۔ میں ڈرتا نہیں ہوں کسی سے۔"

"اکبر چچا واقعی بہت عظیم شخص تھے۔ میں عظیم اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ نفسانفسی کے اس دور میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے؟ کون کسی کے غم کو اپنے سینے سے لگاتا ہے؟ لیکن اکبر چچا نے مجھے سینے سے لگالیا تھا۔ انہوں نے مجھے ہر سہولت فراہم کی تھی۔ امتحان دے دیا۔ کچھ عرصے کے لیے فراغت حاصل ہوگئی۔ اکبر چچا نے گیراج پر ہی میرا کام لگا دیا تھا۔ میں بڑی محنت سے موٹر میکینک کا کام بھی سیکھ رہا تھا۔ مجھے چند ہی روز کے اندر اندر گاڑی چلانا بھی آگئی تھی۔ تین اور لڑکے تھے جو کام کرتے تھے لیکن ان کے گھر تھے اکبر چچا انہیں تنخواہیں دیا کرتا تھا اور وہ ہنس بول کر زندگی گزار رہے تھے۔ میں نے اکبر چچا کو اپنی ساری داستان سنادی تھی اور اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں اپنی ماں کا خواب ضرور پورا کروں۔ پڑھتا رہوں۔ تعلیم حاصل کروں بہرحال وقت گزر گیا اور میں اپنی پوری محنت سے اپنے خواب اپنی ماں کے خواب پورے کرنے لگا۔ کافی دن تک میں اکبر چچا کے ساتھ کام کرتا رہا لیکن پھر ایک گڑبڑ ہوئی جو بہت بعد میں مجھے معلوم ہوئی۔ اس گڑبڑ کو برداشت نہیں کرسکا۔ اکبر چچا اپنے گیراج میں ٹھیک ہونے

والی گاڑیوں کا نقص دور کردیا کرتا تھا اور اس کا بھاری معاوضہ لیتا تھا لیکن ایک نقص ٹھیک کرتے ہوئے دوسرا نقص جان بوجھ کر پیدا کیا جاتا تھا تاکہ گاہکوں کا اکبر چچا سے زیادہ فاصلہ نہ رہ سکے۔ کچھ عرصے کے بعد یہی ذمہ داری مجھے سونپی گئی اور میں نے بھی کئی بار ایسا کیا لیکن ایک بار جب ایک گاڑی کے بریک پائپ کو ڈھیلا کرکے چھوڑ گیا اور تھوڑی ہی دور جاکر اس گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور گاڑی چلانے والے کو اچھی خاصی چوٹیں آئیں تو میرا دماغ خراب ہوگیا۔ میں جانتا تھا کہ بریک پائپ کے نٹ ڈھیلے کئے گئے تھے جن کی وجہ سے اس شخص کو نقصان ہوا ہے اور اس دن میں نے اکبر شاہ سے کہا:

"وہ حادثہ دیکھ لیا ہے تم نے اپنی آنکھوں سے۔"

"ہاں۔ نٹ کچھ زیادہ ڈھیلا ہوگیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تین چار دن میں اسے اندازہ ہوجائے گا کہ بریک زیادہ بگڑ گئے ہیں لیکن آئل نکل جانے کی وجہ سے یہ حادثہ ہوگیا۔"

"اور تم یہ بھی جانتے ہو اکبر چچا کہ میری ماں بھی حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ میں اب یہ سب کچھ برداشت نہیں کرسکتا۔ میں آج سے تمہارا گیراج چھوڑ رہا ہوں۔"

"ارے بیوقوف! بات تو سن جذباتی فیصلے نہیں کیا کرتے۔ دنیا میں اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اب تو تونے میرا گھر بھی دیکھ لیا ہے چھ بچے ہیں میرے' بیوی ہے باپ ہے جنہیں گردوں کی صفائی کے لئے ہر مہینے ہسپتال لے جانا پڑتا ہے۔ جانتا ہے۔ کیا اخراجات ہیں ان تمام باتوں کے؟"

"اور وہ جو حادثے کا شکار ہو کر ہسپتال پہنچے گا اکبر چچا۔ آپ نے اپنے باپ کے گردے صاف کرانے کے لئے اس کی زندگی کو کہاں پہنچا دیا۔"

"بیٹا! اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہوگا۔ تو چاہے تو جاکر پولیس اسٹیشن میں شکایت کردے میں مجبور ہوں۔"

"ہو سکے اکبر چچا تو اُس طرح روزی کمانے کی کوشش نہ کرو۔ زندگی اتنی معمولی چیز نہیں ہے کہ اپنے تھوڑے سے مفاد کے لئے اسے خطرے میں ڈال دیا جائے۔ البتہ میں اب یہاں نہیں رہ سکوں گا" میں نے اکبر چچا کا گیراج چھوڑ دیا۔

اس دنیا میں ہر شخص جرم کرتا ہے میرے نزدیک وہ بھی مجرم تھے۔ جنہوں نے اس بڑے آدمی کے خلاف گواہی نہیں دی یہ دنیا ہر جگہ اپنے مفاد ہی کے لئے سوچتی اور عمل

کرتی تھی۔ ایک اکبر چچا ہی کا کیا معاملہ تھا لیکن بہرحال زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ اکبر چچا کے خلاف تو خیر کوئی عمل کیا ہی کرتا۔ اس شخص نے میری زندگی کو بہت بڑا سہارا دیا تھا اور میں اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں اس دوران چونکہ ڈرائیونگ سیکھ لی تھی اور اکبر چچا نے میرا لائسنس وغیرہ بھی بنوا دیا تھا چنانچہ اخبار میں اشتہار دیکھ کر میں نے کئی جگہ ملازمت کی کوشش کی۔ لیکن پھر ایک جگہ سے مجھے ٹیکسی چلانے کے لئے آفر مل گئی۔ یہ ملازمت سے اچھا پیشہ تھا۔ مالک نے کہہ دیا تھا کہ میں جتنی دیر چاہے ٹیکسی چلاؤں اور اسے وہ معاوضہ ادا کروں جو اس حساب میں بنتا ہے چنانچہ اب میں یوں کرتا تھا کہ چار بجے کالج سے نکلنے کے بعد رات تک ٹیکسی چلاتا تھا۔ میں نے اب ایک چھوٹی سی رہائش گاہ بھی حاصل کرلی تھی۔ ایک بہت ہی چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں زندگی کی سہولتوں کے سوا سب کچھ تھا۔ مکھی، مچھر، کھٹمل لیکن کوئی تو تھا جو میرا ساتھی تھا پڑوسیوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں کسی کو بھی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی کوئی پڑوسی مجھے جانتا تھا بس میں خاموشی سے اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا حالانکہ مجھے اب بھی نہیں معلوم تھا کہ میری ماں مجھے وکیل کیوں بنانا چاہتی ہے ٹیکسی ڈرائیور کی زندگی میں بھی ایسے ایسے انوکھے واقعات آتے ہیں کہ شاید کسی اور کو اپنی زندگی میں یہ تجربات حاصل نہ ہوتے ہوں۔ مجھے بھی طرح طرح کے مسافر ٹکراتے تھے کچھ اچھے کچھ برے۔ ویسے دنیا سے نفرت کا سا احساس اب بھی میرے دل میں اسی طرح منجمد تھا اور میں موڈی آدمی بن چکا تھا۔ اپنی پسند کے لوگوں کو ٹیکسی میں بٹھاتا۔ ویسے تو یہ کام سارے ہی ٹیکسی ڈرائیور کیا کرتے ہیں لیکن ان میں سے زیادہ تر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسی جگہوں کے مسافر اٹھائے جائیں جہاں سے انہیں میٹر سے دگنا یا تگنا کرایہ ملے عموماً وہ لوگ میٹر کے بغیر کرایہ طے کرکے ٹیکسی چلاتے تھے لیکن مجھے بہت زیادہ پیسوں کی ضرورت نہیں تھی جتنا وقت ٹیکسی چلاتا تھا اتنے وقت میں اتنا کمالیتا تھا کہ مالک کو اس کے مطلوبہ پیسے ادا کرکے اپنے معاملات بخوبی چل سکیں۔ چنانچہ اگر کبھی دل نہ چاہا تو مسافر کی مطلوبہ منزل کی جانب جانے سے انکار کردیا۔ لاتعداد دلچسپ واقعات زندگی میں آئے تھے۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ صبح ہی موسم ابر آلود تھا۔ ایک نوجوان لڑکے نے مجھے اشارہ کیا بس اسٹینڈ سے کچھ فاصلے پر ایک سائبان کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ میں اس کے اشارے پر

اس کے قریب پہنچ گیا تو وہ جلدی سے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور بولا:

"بھائی منع مت کرنا پیسے میں تمہیں تمہاری مرضی کے مطابق دوں گا۔" میں نے غور سے اسے دیکھا۔ اچھی شکل و صورت کا بنا سنورا نوجوان تھا۔ لباس خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی اور اس کے بعد پوچھا:

کہاں جاؤ گے ---- ؟" اس نے مجھے ایک گرلز کالج کا پتہ بتایا تھا۔ نہ جانے کیوں طبیعت میں ایک الجھن سی پیدا ہو گئی۔ گرلز کالج پہنچا تو سفید یونیفارم میں ملبوس ایک لڑکی کو چھوٹی سی چھتری اٹھائے کھڑے پایا۔ نوجوان کہنے لگا:

"بس ٹیکسی اس کے برابر روک دینا۔" میں نے ٹیکسی روک دی تو نوجوان نے دروازہ کھولا اور لڑکی چھتری سمیت ہی اندر گھسنے لگی۔ لیکن چھتری پھنس گئی تو نوجوان ہنس کر بولا:

"چھتری تو بند کرلیجئے محترمہ۔ یہ ٹیکسی کا دروازہ ہے کوئی ----" اس کے بعد اس نے جملہ ادھورا چھوڑدیا۔ لڑکی ایک کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا اور چھتری بند کرلی پھر بولی:

"کمال کا موسم ہے ذرا بارش تو دیکھو۔ لیکن اب جناب عالی آپ مجھے گھر پر ہی چھوڑدیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"کیا بات کررہی ہو؟ یعنی وہ جو کہتے ہیں نا کہ سیاہی ہے، شفق ہے، ابر باراں ہے، آپ ہیں، میں ہوں اور یہ موسم، اب بھلا اس کا کیا سوال ہے۔ میرا دوست انتظار کررہا ہوگا میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ہم مطلوبہ وقت تک پہنچ جائیں گے اس نے بھی اپنی گرل فرینڈ کو بلالیا ہو گا اور اس موسم کا ہم صحیح لطف لیں گے اور آپ فرما رہی ہیں کہ آپ کو آپ کے گھر چھوڑدیا جائے۔"

"دیکھو نوید! موسم ہی کا معاملہ ہے ویسے تو میں نے امی سے کہہ دیا تھا کہ میں اپنی دوست کے ہاں جاؤں گی اور شاید ایک ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہوجاؤں لیکن اب امی بہت پریشان ہونگی تم نہیں جانتے وہ دروازے پر کھڑی رہتی ہیں۔ اگر مجھے دیر ہوجائے تو اب تو بارش ہورہی ہے دعائیں مانگ رہی ہوں گی کہ مجھے بس مل جائے اور میں وقت پر گھر پہنچ جاؤں۔ پلیز یہ پروگرام پھر کسی دن کے لئے ملتوی کردو۔"

"نہیں! میں تو کہتا ہوں کہ یہ موسم ہمارے لئے ایک تحفہ ہے۔ ایسا کرتے ہیں

ٹیکسی کو رکوا لیں گے بس ایک آدھ گھنٹہ وہاں گزاریں گے اور اس کے بعد۔" لیکن نوجوان کا جملہ پورا نہیں ہوا۔ میں نے تیز بریک لگائے تھے۔ چرچراہٹ کے ساتھ ٹیکسی رکی تھی اور وہ دونوں آگے والی سیٹوں سے ٹکرائے تھے۔

"کیا ہوا؟" نوجوان خوف زدہ لہجے میں بولا اور میں چہرہ گھما کر اسے خونی نگاہوں سے دیکھا پھر غرائی ہوئی آواز میں بولا:

"نیچے اتر جاؤ۔"

"ارے بھائی! کیا ہو گیا کیا بات ہے؟"

"نیچے اترتے ہو یا پولیس اسٹیشن لے چلوں تمہیں۔" میں نے خونی لہجے میں کہا۔ مجھے یاد آ گیا تھا ایک بار امی نے مجھ سے کچھ کہا تھا۔ شاید خوابوں کی بات ہو رہی تھی۔ تو میں نے امی کو جواب دیا تھا کہ میرے خوابوں میں بڑی ورائٹی ہے ان میں سیاہی سفیدی شفق اور ابرباراں ہیں۔ کسی شعر کا یہ آدھا ٹکڑا میں نے اپنی ماں کے سامنے پڑھا تھا۔ ایک تقدس تھا ان الفاظ کا میرے ذہن میں اور اس تقدس کو اس طرح مجروح کیا جا رہا تھا۔ نوجوان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا:

"یار جتنے چاہو پیسے لے لینا۔ ایک آدھ گھنٹہ انتظار بھی کرنا پڑے گا۔" لیکن جواب میں، میں نے ٹیکسی سائیڈ کر کے اس کا انجن بند کیا اور پھر غرائے ہوئے لہجے میں بولا:

"زندگی چاہتا ہے تو نیچے اتر جا ورنہ ٹکڑے کر دوں گا تیرے اسی جگہ۔" نوجوان گھبرا کر ٹیکسی کا دروازہ کھولنے لگا حالانکہ بارش برق رفتاری سے ہو رہی تھی۔ اس بار میں نے لڑکی سے کہا:

اور تم خاموش بیٹھی رہو ورنہ تم دونوں کو سڑک پر اتنا رسوا کروں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ لڑکی کے ہوش و حواس تو پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے۔ نوجوان نیچے اترا تو میں نے انجن اسٹارٹ کیا۔

"ارے اسے تو اترنے دو۔" اس نے کہا۔ لیکن میں نے ٹیکسی جھٹکے سے آگے بڑھا دی تھی۔ لڑکی آہستہ آہستہ رونے لگی تھی۔

"میں، میں تو اس کے جال میں پھنسی ہوئی ہوں۔ یہ مجھے بلیک میل کرتا ہے میں

بری لڑکی نہیں ہوں۔ ہم کسی غلط ارادے سے کہیں نہیں جا رہے تھے۔ بس وہ اصل میں۔"

"شٹ اپ۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور لڑکی کی آواز بجھ گئی۔

"کہاں رہتی ہو؟" اور لڑکی نے جواب میں مجھے اس علاقے کا پتہ بتایا جہاں وہ رہتی تھی۔ میں ٹیکسی اس علاقے میں لے گیا۔ میں نے اس سے کہا:

"گھر کہاں ہے تمہارا؟"

"وہ سامنے والے اسٹاپ کے پاس اتار دو۔ بس وہاں سے پیدل چلی جاؤں گی۔ چھتری ہے میرے پاس۔" میں نے اس اسٹاپ کے سامنے ٹیکسی روکی تو لڑکی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا:

"میرے پاس پیسے۔"

"نیچے اترو۔" میں غرا کر بولا اور وہ نیچے اتر گئی میں نے ایک جھٹکے سے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ اس میں کوئی انسانی ہمدردی نہیں تھی۔ کوئی نیک جذبہ نہیں تھا۔ اگر وہ سیاہی، سفیدی اور شفق والا مصرع نہ پڑھتا تو شاید میرے ذہن میں کوئی تصور بھی نہ آتا لیکن اس مصرعے نے میرے اندر کوئی کوئی حس جگا دی تھی۔ وہ چھتری کھول کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی اور اس کے بعد خوب بارش کے مزے لیتا ہوا ایک ایسے سڑک چھاپ ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا تھا جو گھاس پھوس سے بنا ہوا تھا چھت ٹپک رہی تھی۔ کام کرنے والے لڑکے لکڑی کی میزوں کو ایسی جگہوں سے ہٹا رہے تھے جہاں پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں جس میز پر جا کر بیٹھا اس پر بھی پانی ٹپک رہا تھا کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے لڑکے سے کہا:

"چائے۔ اور کم از کم چار پیالیاں کیتلی میں لے آؤ۔"

"میز یہاں سے ہٹا دوں صاحب؟ پانی میز کے بیچ میں ٹپک رہا ہے۔"

"نہیں رہنے دو۔" میں نے کہا۔ لڑکے نے ایک لمحے مجھے دیکھا پھر گردن ہلاتا ہوا چلا گیا۔ البتہ اس نے اپنے طور پر ایک کام ضرور کیا تھا چار چائے کی پیالیوں والی چائے دانی سامنے رکھ کر اس نے میرے سامنے چار ہی کپ بھی رکھے تھے۔ پانی کا ایک بھرا ہوا گلاس اور ایک خالی گلاس۔ اور خالی گلاس میز پر اس نے اس جگہ رکھا تھا جہاں پانی کا

ایک ایک قطرہ ٹپک رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرکے اسے اپنے مطمئن ہونے کا احساس دلایا۔ اور پھر گلاس میں ٹپکتے ہوئے قطرے کو دیکھنے لگا۔ چائے کی پیالی بھری اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ پانی کے قطرے کی ٹپ ٹپ لڑکی کے الفاظ، لڑکا جو دھوکا دے کرلے جارہا تھا جہنم میں جائے، اگر وہ اسے بلیک میل کررہا تھا تو بلیک میل ہونے کو جواز لڑکی نے اسے خود ہی پیش کیا ہوگا۔ خیر! سب قابل نفرت ہیں۔ کسی میں اتنی انسانیت نہیں کہ کوئی اور ان کے لئے انسانیت کے راستے تلاش کرے۔ ماں انتظار کررہی ہوگی۔ بے غیرت کالج آتی ہے ماں سے یہ کہہ کرکہ پڑھنے جارہی ہے اور اس طرح گرم گرم چائے میرا سینہ جلاتی ہوئی معدے میں پہنچ گئی اور میں چائے دانی سے دوسرا کپ بھرنے لگا تھا۔ سب کے راستے غلط ہیں۔ سب کی سوچیں غلط ہیں۔ کوئی کسی کا ہمدرد نہیں۔ میں ابھی اتنا ہی سوچنے پایا تھا کہ عقب سے آواز آئی:

"اور کچھ کیا بھی تو نہیں جا سکتا۔" "آؤ بیٹھو۔ بیٹھ جاؤ مگر تم نے مجھے پہچان کیسے لیا!"

"وہ سر میں کئی دنوں سے انٹرنیشنل کے چکر لگا رہا ہوں مجھے پتہ چلا ہے کہ انٹرنیشنل اسٹوڈیو میں آج کل کئی فلمیں زیر تکمیل ہیں۔ سر بس مجھے ایک چانس مل جائے تو زندگی میں تو آپ دیکھئے میں کیا کرکے دکھاتا ہوں۔ میں نے آپ کو کئی بار انٹرنیشنل اسٹوڈیو سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اسکرین چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ میری تو بس ایک خواہش ہے کہ ایک بار پرفارم کرکے دنیا سے اپنا لوہا منواؤں۔ سر آپ یقین کیجئے میرے اندر بڑی صلاحیتیں ہیں۔ لیکن مجبوری تو یہ ہے کہ یہاں کوئی کسی کی اہمیت کو نہیں سمجھتا۔ حالانکہ میں۔"

"سمجھتا ہوں، سمجھتا ہوں، جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے خیر تقدیر ہر انسان کا ساتھ دیتی ہے دنیا کے لاتعداد بڑے آدمی ایسے ہیں جنہیں کہیں نہ کہیں سے سہارا ملا ہے اور انہوں نے اپنی زندگی میں پہلا قدم رکھنے کے بعد بڑا نام کمایا ہے اور اس دنیا میں کون ہے جسے گناہ ثواب کا عمل معلوم نہ ہو ہم بھی کبھی اسی طرح انڈسٹری میں آئے تھے اور ہمیں بھی کسی نے سہارا دیا تھا اور اب بس عزت کی روٹی مل جاتی ہے تم میرا نام نہیں جانتے ہوگے۔"

"جی سر بس میں نے دیکھا ہے کہ لوگ آپ کا بڑا احترام کرتے ہیں آپ کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ آپ انڈسٹری کی کوئی بڑی شخصیت ہیں۔ باقی میں زیادہ نہیں جانتا۔"

"ہاں بھئی چائے لے آؤ۔" ایک بھاری آواز گونجی۔ میں سن رہا تھا، سمجھ رہا تھا، مکھی مکڑی کے جالے کے پاس تھی اور بس کچھ ہی وقت جارہا تھا کہ پھنسنے والی تھی۔ ابھی چند لمحوں کے بعد وہ بھن بھن کرکے چیخ رہی ہوگی اور اس کے ہاتھ پاؤں مڑتے جارہے ہوں گے لیکن قصور کس کا ہے مکڑی کا یا مکھی کا۔

دل میں ایک نفرت بھرا احساس ابھرا۔ یہ لوگ دنیا میں آکر اپنے بارے میں اتنے غلط فیصلے کیوں کرتے ہیں۔ کیوں نہیں سمجھتے کہ ساری کائنات میں مکڑیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ہر طرف جالے بنے ہوئے ہیں۔ خود ان جالوں کی طرف لپکتے ہیں اور پھر بھن بھن کرتے ہیں ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہیں اور مکڑی انہیں نگل لیتی ہے اور میری عدالت نے فیصلہ کیا۔ مکھی کو مکڑی کے جالے میں پھنسنا چاہیے اسکرین پر آنے کا شوق ہے۔ نہ جانے کہاں سے آیا ہوگا اور بھی تو بہت کچھ ہے اس دنیا میں۔ ماں نے چاہا ہوگا وکیل بنے، بیرسٹر بنے لیکن وہ خود کو چھوٹے اور بڑے اسکرین پر دیکھنا چاہتا ہے گھر سے رقم لے کر بھاگا ہوگا اور اب

گرم چائے نے ایک بار پھر معدے میں تھوڑی سی تکلیف کا احساس دلایا تھا لیکن یہ تکلیف بڑی لذت آمیز تھی۔ میں نے ابھی تک گردن گھما کر اسے نہیں دیکھا تھا لیکن اندازہ تھا کہ کیسی شکل و صورت کا مالک ہوگا مجھے اس سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔

"دیر ہو رہی ہے۔ اسٹوڈیو پہنچنا ضروری ہے۔ وہاں پر ہاشمی صاحب انتظار کررہے ہوں گے۔ بے چارے میرے بغیر کچھ نہیں کرتے۔ بارش تو رکنے کا نام نہیں لے رہی تمہیں بھی اسی وقت ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔"

"سر ٹیکسی سے چلتے ہیں۔"

"یہی تو مشکل ہے، ٹیکسی ڈرائیور اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ موڈ ہوا تو چل پڑیں گے ورنہ انہیں مجبور کرنے والا کون ہے"

"ٹرائی کریں سر۔۔۔"

"ہاں۔ کرنا پڑے گا۔"

مجھے چونکہ مستقبل کے اس ہیرو سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی میں اس کا انجام دیکھنا چاہتا تھا اس لئے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ کاؤنٹر پر چائے کے پیسے دیئے اور باہر جا کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا میٹر پر "کرایہ کے لیے" کا سائن اونچا کردیا اور چند لمحات کے بعد ان دونوں کو دیکھا۔ نوجوان کی عمر چوبیس سال کے لگ بھگ ہوگی' خوبصورت تھا۔ نہایت جدید انداز کے کپڑے پہنے ہوئے تھا ساتھی ایک جسیم آدمی تھا۔ چہرے پر خباثت بکھری ہوئی تھی۔ گولڈ لیف کا پیکٹ ہاتھ میں تھا۔ آنکھوں سے مکاری جھلک رہی تھی۔ مکمل سائز کا مکڑا تھا۔ مکڑا اور مکھی کا یہ تماشا یقیناً دلچسپ ہوگا۔ میرے اندازے کے مطابق دونوں میری طرف لپکے تھے۔

"چلو گے؟" مکڑے نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ انداز میں عاجزی تھی۔

"بیٹھو" میں نے خشک لہجے میں کہا اور جیسے چند لمحوں کے لئے اس یقین نہ آیا لیکن جب میں نے میٹر ڈاؤن کیا تو وہ جلدی سے پچھلی سیٹ پر چڑھ دوڑا۔ نوجوان بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"کہاں ---- ؟" میں نے پوچھا۔

"انٹرنیشنل اسٹوڈیو۔" وہ بولا۔

"نہیں جانا۔" میں نے کہا۔

"وہ دیکھو۔ بہت ضروری ہے جو کرایہ مانگو گے دیں گے۔ اس کی فکر نہ کرنا۔" مکڑے نے عاجزی سے کہا۔ اور میں نے سیلف لگا کر ٹیکسی اسٹارٹ کردی۔ دونوں نے سکون کی سانسیں لی تھیں۔

"کونسے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" مکڑے نے پوچھا۔

"مہران میں۔"

"قریب ہی تاج محل ہے۔ مہران بھی اچھا ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔"

"انٹریئر سے۔ ابا مرچکا ہے بھائی زمینوں کو سنبھالتا ہے۔ اللہ سائیں کا شکر ہے روزی روٹی مل جاتی ہے۔"

"ہوں۔ گھر سے اجازت لے کر آئے ہو!"

"نہیں سر۔ اجازت کے بغیر آگیا ہوں۔ اصل میں گھر والے اس کام کو برا سمجھتے ہیں لیکن میرے اُندر ایک فنکار تڑپ رہا ہے۔"

"سمجھتا ہوں ---- سمجھتا ہوں ---- لیکن یہی لوگ کامیابی کا راستہ بنتے ہیں ان کی مخالفت فنکار کو جنون بخشتی ہے اور یہ جنون آخر کار اسکرین کا سب سے بڑا ستارہ بن جاتا ہے۔ تمہاری پیشانی کی اسی چمک نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا ہے۔"

"تھینک یو سر' تھینک یو۔" نوجوان کی عاجزانہ آواز سنائی دی اور میرے ہونٹ بھنچ گئے میں نے ٹیکسی کی رفتار تیز کردی میں مستقبل کے اس فنکار کو جلد از جلد بلندیوں تک پہنچانا چاہتا تھا فن کی ---- یا آسمان کی ----

ستارہ سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اور اسے بلندی پر پہنچانے والے نے گولڈ لیف کا سگریٹ سلگا لیا تھا۔ پھر اسے کچھ خیال آیا اور اس نے ستارے سے پوچھا۔

"سگریٹ پیتے ہو۔"

"جی وہ - نہیں سر۔" ستارے نے ہچکچاتی آواز میں کہا۔

"حالانکہ پیتے ہو۔ لیکن اچھی بات ہے۔ بزرگوں کا احترام کرنے والے خوش نصیب ہوتے ہیں۔" مکڑے نے دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

ڈیڑھ روپیہ صاف بچا گیا میں نے دل میں سوچا۔

"فلم میں کام کرنے والے کسی شخص سے ملاقات کی ہے۔"

"بہت کوشش کی ہے' لیکن۔ بس کیا بتاؤں چوکیدار کو خاصی رقم دے کر کئی بار اندر جا چکا ہوں۔ لیکن نہ کسی پروڈیوسر سے ملاقات ہوسکی اور نہ ڈائریکٹر سے۔ ویسے مسعود' شان اور کچھ دوسرے اداکاروں کو میں نے دیکھا ہے۔ وہ تو بڑی افراتفری کا شکار نظر آتے ہیں۔ لگتا ہے دوڑ رہے ہوں۔"

"انڈسٹری میں یہی ہوتا ہے۔ یہ دوڑ ہی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے تمہیں بہت سے بڑے فنکاروں کے حالات زندگی معلوم نہیں ہوں گے یہ تو کراچی ہے اور یہاں فلم پر بہت کم کام ہورہا ہے لاہور کے اسٹوڈیوز دیکھو تو تمہیں اس دوڑ کا صحیح اندازہ ہو۔"

"پہلے میں لاہور جانے کے بارے میں ہی سوچا تھا لیکن ہمت نہیں کرسکا۔"

"کیوں۔"

"لاہور کبھی پہلے نہیں گیا جبکہ کراچی دو تین بار آچکا ہوں۔ تھوڑا بہت اندازہ ہے کراچی کے بارے میں' اس لئے سوچا یہیں قسمت آزماؤں گا۔" ستارے نے کہا۔

"یہاں بہت دن کے بعد کام شروع ہوا ہے اور اس کا سہرا نیئر ہاشمی کے سر ہے۔ کہنے لگے لاہور کے اسٹوڈیوز میں بڑا رش ہے اس بار کراچی میں فلم بنا کر ریکارڈ قائم کرونگا وہ بھی نئی ٹیم کے ساتھ جو لڑکی انہوں نے تلاش کی ہے بس یوں سمجھ لو۔ اف۔"

"کیا ہوا ستارہ۔" ستارہ چونک پڑا۔

دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ اور پھر اتنا اچھا پرفارم کررہی ہے کہ ہمیں یقین نہیں آتا کہ یہ اس کی پہلی فلم ہے۔ ہاشمی صاحب کہہ رہے تھے کہ یار شہریار خان لڑکا بھی اسی ٹکر کا تلاش کرو۔ تمہیں دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے وہ میری نگاہ کے بڑے قائل ہیں کہتے ہیں تجھ سے بڑا جوہری دوسرا نہیں دیکھا۔"

"آپ پتھروں کا کام کرتے ہیں۔" بے دم کے ستارے نے پوچھا۔

"ایں۔ کیا مطلب۔"

"وہ جوہری' یعنی جواہرات۔ یعنی قیمتی پتھر۔"

ٹکڑا کچھ دیر بے دم کے ستارے کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ سمجھا تو قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ بہت سادہ لوح ہو تم۔ چمکدار پتھر کے ٹکڑے انسانوں سے قیمتی نہیں ہوتے۔ میں تمہاری بات کررہا ہوں۔ ہاشمی صاحب کو نئی فلم کے لئے نیا جوڑا چاہیے لڑکی تو مل گئی ہے اب تمہیں ان کے سامنے پیش کروں گا تو دنگ رہ جائیں گے۔"

"اوہ۔" نوجوان کا چہرہ عقب نما آئینے میں چکا چوند پیدا کررہا تھا۔ وہ بے حد پرجوش ہوگیا تھا۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ شادی مرگ نہ ہو جائے۔ بارش بہت ہلکی ہوگئی تھی۔ انٹر نیشنل اسٹوڈیو سامنے تھا۔ اس کے سامنے پانی بھر گیا تھا' چوکیدار اندر تھا۔

"ڈرائیور۔ ہارن بجاؤ۔" ٹکڑے نے کہا۔ اور میں نے ہارن بجایا۔ تیسری بار ہارن بجانے پر چوکیدار نے ذیلی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ٹکڑے نے گردن نکال کر کہا۔ "ارے کھولو نہ جمعہ خان۔ کائے کو بارش میں بھگو رہے ہو۔" جمعہ خان نے گیٹ کھول دیا۔ اور میں ٹیکسی کو اندر لے کر چلا گیا۔ ٹکڑے نے ایک جگہ ٹیکسی رکوا دی۔ پھر دروازہ کھولتا ہوا بولا:

"تم ابھی دو منٹ بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں کونسے فلور پر کام ہورہا ہے۔" اس کے بعد وہ اتر کر ایک جانب بڑھ گیا۔ نوجوان شدید اضطراب کا شکار نظر آرہا تھا۔ وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں امیدوں کے چراغ جل رہے تھے۔ میری نگاہیں باہر کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انسانوں سے مختلف انسان ادھر سے ادھر گردش کررہے تھے۔ نوجوان لڑکیاں یا نوجوان بننے کی کوشش کرنیوالی لڑکیاں ہنسی مذاق کرتی ہوئی ادھر سے ادھر آجارہی تھیں۔ مجھے ان سب کے چہروں پر تھکن کے آثار نظر آتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ زندگی سے ہی تھک گئی ہوں اور بس اس کے چیلنج کا مقابلہ کررہی ہوں' کسی کی آنکھوں میں خوشی کے آثار نہیں تھے۔ ادھر یہ نوجوان اپنے آپ کو اسٹائل بنا بنا کر سنوار رہا تھا۔ ٹکڑے کی واپسی کوئی پندرہ منٹ کے بعد ہوئی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے گردن جھٹکی' دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ نوجوان ٹکڑے کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ سنانے والا ہو' آخر کار اس نے کہا:

"کیا ہوا سر؟"

"میرا سر ہوا' سمجھا میرا سر ہوا۔"

"جی میں سمجھا نہیں۔" وہ بولا۔

"بس انڈسٹری کے ماحول میں اگر یہ خرابی نہ ہو تو سچی بات ہے کہ یہ بھی ایک باعزت ادارہ ہو' عجیب افراتفری ہے یہاں' عجیب افراتفری ہے۔ کبھی کبھی بہت معمولی سا آدمی اتنا بڑا نقصان پہنچا دیتا ہے کہ بات سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی' حالانکہ پورا سیٹ لگا ہوا ہے ساڑھے چھ لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں اس سیٹ پر۔ نیئر ہاشمی صاحب تو سر پکڑے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ ہوا یہ ہے کہ اپنا ولن ہے نا' بس یوں سمجھو کہ آج کل اس کی گڈی چڑھی ہوئی ہے' بیس ہزار روپے دینے تھے اسے' لیکن اب ہاشمی صاحب کو ہزار کام کرنے ہوتے ہیں' کوئی معمولی کام تو ہے نہیں' پیسے نکالنا بھول گئے بینک سے' اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔"

"کک ---- کس نے؟"

"یار اسی ولن کی بات کر رہا ہوں' بہانے کر رہا ہے' اگر اس وقت شوٹنگ نہیں

ہوتی ہے تو کل صبح یہ سیٹ توڑنا پڑے گا' کیونکہ کل سے اس فلور پر دوسری فلم کا سیٹ لگنا ہے' جس کے لئے یہ بک ہے۔ مسعود اور کاشان اس کے لئے لاہور سے یہاں آئے ہوئے ہیں' فرض کرو اس وقت اگر ہم اس سیٹ پر کام نہیں کرتے تو یہ سیٹ دوبارہ لگانا پڑے گا اور نیرّ ہاشمی صاحب کو پورے ساڑھے چھ لاکھ روپے کا نقصان ہوگا' ایسا ہوتا ہے' کبھی کبھی بس بیچارے پریشان بیٹھے ہوئے مجھ سے کہنے لگے کہ یار شہریار تم تو پورے شہر کے یار ہو کچھ کرو اس وقت اس کمینے کو کچھ دینا ضروری ہے۔"

"اوہو' لیکن جناب بیس ہزار روپے کی رقم۔"

"یار وہ جو کہتے ہیں نا کہ تل کی اوٹ پہاڑ ہوتا ہے' اب اتنے بڑے پروڈیوسروں کے گھروں میں رقمیں تو ہوتی نہیں ہیں اور پھر آج کل کراچی کے حالات باپ رے باپ' گھر میں رقم رکھو تو سمجھ لو کہ رقم تو رقم زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی ہیں' اس لئے بس لوگ اپنی رقمیں بینکوں میں ہی رکھتے ہیں اب بتاؤ میں کیا کروں' ہاشمی صاحب کہہ رہے ہیں کہ شہریار' کہیں سے بیس ہزار روپے پکڑ کر لاؤ' بیس کے تیس لے لینا' لیکن اس وقت ساڑھے چھ لاکھ روپے کے نقصان سے بچاؤ مجھے۔"

"اوہو! بیس ہزار تو میرے پاس بھی موجود ہیں' بس یہ سمجھ لیں کہ یہی رقم لے کر گھر آسکا ہوں' باقی جو پیسے تھے وہ ہوٹل وغیرہ کا کرایہ دے چکا ہوں' یہ بیس ہزار روپے میں اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے' ہوٹل میں تو چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ سنا ہے ہوٹل کے بیروں کے پاس ڈپلی کیٹ چابیاں ہوتی ہیں اور کبھی کبھی وہ اچھا خاصا سامان نکال لیتے ہیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے' اس وقت تو تم نے اتنا بڑا بوجھ اتار دیا میرے سر سے کہ بتا نہیں سکتا' ذرا نکالو جلدی' جب میں ہاشمی صاحب کو بتاؤں گا تو سمجھ لو کہ تمہارے تو وہ احسان مند ہو جائیں گے' میں ان سے کہوں گا کہ بھائی ساڑھے چھ لاکھ روپے تو بچے نے اپنی جیب سے ادا کردیئے ہیں تمہیں۔ اگر یہ ٹاپ ہیرو نہ بنا تو سمجھ لو کہ تم نے زندگی میں کچھ نہ کیا۔"

نوجوان نے پرس نکالا اور ہزار کے بیس نوٹ نکال کر مکڑے کے حوالے کردیئے۔ میرے ہونٹوں سے ایک سرد آہ نکل گئی' میں نے مکھی کو جالے میں پھنسے ہوئے

دیکھا تھا' بھنبھنا رہی تھی' اور آہستہ آہستہ اس کے پاؤں سکڑتے جارہے تھے مکڑا جلدی سے ٹیکسی سے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا کافی فاصلے پر بنے ہوئے ایک دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔

میں اطمینان سے سیٹ سے ٹک گیا تھا' میں جانتا تھا کہ کیا ہونا ہے اور کیا ہورہا ہے پھر تقریباً آدھا گھنٹہ اور گزر گیا تو میں نے گردن گھما کر نوجوان کو دیکھا۔

"سائیں کتنی دیر اور انتظار کرنا ہے' آپ کو پتہ ہے میٹر کا کرایہ کتنا بن گیا ہے اور پھر مجھے بھی ٹیکسی بند کرنی ہوگی۔ سڑکوں پر پانی بھرا ہوا ہے۔ ٹیکسی خراب نہیں کرسکتا۔"

"ہاں وہ پتہ نہیں' مم ---- میں' تم ذرا انتظار کرو میں دیکھتا ہوں۔" نوجوان کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ وہ نیچے اتر کر آگے بڑھا' میں جانتا تھا کہ اس کی واپسی کس انداز میں ہوگی۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہی واپس آیا تھا' اس کے ہونٹ سوکھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ رو پڑے گا' چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا:

"وہ ڈرائیور صاحب ان کا تو کہیں پتہ نہیں ہے اور میں نے سارا معلوم کرلیا' پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں نیرّ ہاشمی نامی کوئی پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کام ہی نہیں کررہا' میں نے ایک آدمی سے معلومات کی تو اس نے بتایا کہ وہ بندہ جو میرے ساتھ ٹیکسی سے نیچے اترا تھا اس کا اسٹوڈیو سے کوئی تعلق نہیں ہے' بس وہ یہاں چکر لگاتا رہتا ہے اور لوگوں کو چکر دیتا رہتا ہے' یہاں کوئی اسے منہ نہیں لگاتا اور شہریار تو اس کا نام ہی نہیں ہے' سب لوگ اسے شاہ جی کہتے ہیں' لگتا ہے میرے ساتھ کوئی دھوکہ ہوگیا۔"

یہ بتاؤ اب کدھر جانا ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"وہ مم ---- میں ہوٹل مہران میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"آپ ایسا کریں' آپ کو پتہ ہے ہوٹل مہران یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے میں آپ کو زیادہ سے زیادہ باہر تک لئے چلتا ہوں باہر جاکر آپ دوسری ٹیکسی لے لیں' مجھے ٹیکسی بند کرنی ہے' اب تک کا کرایہ چار سو ستر روپے ہوگیا ہے آپ چار سو ستر مجھے دے دیجئے۔"

"مم ---- مگر بات تو سنئے' میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ سب کچھ آپ کے سامنے ہی ہوا ہے لگتا ہے میرے ساتھ دھوکہ ہوگیا' میں تو بے موت مارا گیا۔"

میں نے نوجوان کے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور آگے بڑھ کر اس سے کہا۔

"گھڑی اتارو۔"

"یہ --- یہ گھڑی تو بہت قیمتی ہے۔"

"تو پھر پیسے دے دو' کیا سمجھے ورنہ اتنا ماروں گا کہ گوٹھ واپس نہیں جاسکو گے۔"

میرے لہجے میں کچھ ایسی خونخوار کیفیت تھی کہ نوجوان نے جلدی سے گھڑی اتار دی پھر بولا:

"دیکھو' تمہارے چار سو ستر روپے ہیں' مگر یہ گھڑی بہت قیمتی ہے' اگر تم مجھے موقع دو تو میں اسے بیچ کر تمہارے پیسے دے دوں گا۔"

"گھڑی میرے پاس رہنے دو اور یہ میرے پاس چھ سات سو روپے پڑے ہوئے ہیں یہ تم رکھ لو' اب اس وقت بارش میں تمہاری اس گھڑی کے خریدار سڑکوں پر نہیں کھڑے ہونگے' کل میں آؤں گا تمہارے پاس یہ پیسے چار سو ستر روپے اور اس کے علاوہ میرے ساتھ تم جتنا سفر کرو گے وہ پیسے سارے کے سارے وصول کرکے باقی جو بچیں وہ تم اپنے قبضے میں کرلینا۔"

"یہ سات سو روپے دے رہا ہوں تمہیں میں بالکل تمہارے ساتھ ہوٹل نہیں جاؤں گا' کل صبح ساڑھے دس مجھے مہران کے گیٹ پر مل جانا' اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔"

نوجوان کی گھڑی جیب میں ڈال کر میں نے اپنی جیب سے نوٹ نکالے' انہیں گنا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیئے پھر اس کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا اور ریورس کرتا ہوا گیٹ تک آیا کہ اندر سے اسے گھمانے کے لئے جگہ نہیں تھی' میں اطمینان سے وہاں چل پڑا' لطف آجائے گا بسرے کو' گوٹھ سے دھوکہ دے کر بھاگا ہے اسٹار بننے کے لئے' اب یہاں سے ٹیکسی کی تلاش میں مارا مارا پھرے گا' کوئی بھی ٹیکسی

ڈرائیور دو تین سو روپے سے کم نہیں لے گا اس سے' اور اس کے بعد --- اس کے بعد لطف آجائے گا اسے' سوچے گا تو سہی' کوئی فائدہ نہیں کسی کے ساتھ ہمدردی کرنے سے' کیونکہ کوئی کسی کے ساتھ ہمدردی نہیں کرسکتا' میرے ساتھ کس نے ہمدردی کی تھی' میں تو بہت چھوٹا تھا' ماں کے سوا میری زندگی میں اور کچھ نہیں تھا اور ماں وہ زندگی کے ہزاروں خواب آنکھوں میں سجائے زمین کی گہرائیوں میں چلی گئی تھی' مجھے دنیا سے ہمدردی کرنے کے بجائے ماں کی خواہش کی تکمیل کرنی ہے' وکیل بننا ہے مجھے اس دنیا سے اپنی ماں کا حق دلوانا ہے' ٹائروں کے نیچے پانی کے چھینٹے اڑ رہے تھے اور بہت لوگ برا سا منہ بنا بنا کر مجھے دیکھ رہے تھے ایک دو جگہ پریشان کھڑے ہوئے لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے رکنے کا اشارہ بھی کیا' لیکن اب مجھے پڑھنا تھا وکیل بننا تھا مجھے' اور وکیل بننا آسان نہیں ہوتا' چنانچہ اپنے معمول کے مطابق میں نے ٹیکسی اس کی جگہ کھڑی کی اور پھر اطمینان سے ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ گیا بارش بند ہوچکی تھی۔

دوسری صبح میں اپنے معمولات میں مصروف ہوگیا لیکن دن کو ساڑھے دس بجے اس ہیرو کا خیال آیا' اسے ہوٹل کا بل بھی ادا کرنا ہوگا۔ انسانوں سے بیزاری بے شک میری فطرت میں شامل ہوگئی تھی لیکن بے ایمانی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ مہران پہنچ گیا۔ وہ گیٹ سے باہر کھڑا ہوا تھا آنکھیں اس طرح متورم تھیں جیسے رات بھر روتا رہا ہو۔ مجھے دیکھ کر آنکھیں صاف کیں اور میرے قریب آگیا۔

"اب کیا کروں؟" اس نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"بیٹھو" میں نے کہا اور اس کے بیٹھ جانے کے بعد میٹر ڈاؤن کرکے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

"میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔ اگر تم نہ آتے تو میں کیا کرتا۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پھر بولا۔ "مجھے سبق مل گیا ہے' بڑی غلطی ہوگئی ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ میرے گھر والے کتنے پریشان ہونگے میں اب سیدھا گھر جاؤں گا اور۔"

"مجھے تمہاری بکواس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس لئے براہ کرم خاموش رہو۔" میں نے کھردرے لہجے میں کہا اور وہ خاموش ہوگیا۔

"گھڑی فروخت ہوگئی' میں نے کل کا بل' نقد ادا کئے جانے والی رقم اور اس وقت

کا پورا بل اسے واپس مہران ہوٹل تک چھوڑنے کا وصول کیا۔ اس نے نیچے اتر کر نیاز مندی سے مجھ سے مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ زندگی کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ انسان کسی ایک واقعے کو کتنی دیر یاد رکھ سکتا ہے۔ ہر قدم پر زندگی بالکل مختلف انداز میں ملتی ہے اور پرانی یادیں نئے واقعات میں ڈوب جاتی ہیں۔ پھر ایک ٹیکسی ڈرائیور کو زندگی کے جو تجربات ہوتے ہیں دوسروں کو شاید اتنی برق رفتاری سے نہ ہوتے ہونگے۔ ہر نئے واقعے' نئے حادثے کو جلد از جلد بھولنا ہوتا ہے۔ رات گزری اور بس۔ میرے لئے یاد رکھنے والی صرف تین باتیں تھیں۔ پڑھائی' ماں اور یار محمد۔ جو ٹیکسی کا مالک اور بے حد کنجوس انسان تھا۔ لیکن کنجوس ہونا چاہیے تھا۔ وہ خاندانی منصوبہ بندی والوں سے جنگ لڑ رہا تھا ایک بھرپور جنگ خاندانی منصوبہ بندی والے اتنے عرصے میں کوئی بھی اشیاء نہ تیار کرپاتے ہوں گے جتنے عرصے میں وہ ایک نئے بچے کا باپ بن جاتا تھا۔ اب اس جنگ کو جاری رکھنے کے لیے اخراجات تو درکار ہوتے ہی ہیں کیا مجال کہ ٹیکسی میں دو روپے کا فیوز بھی ڈلوا دے۔ میں خود اس کا برا حال دیکھ چکا تھا۔ جب میں اسے پیسے دینے جاتا تھا تو بچوں کی پوری فوج پہلے تحقیق کے لئے آتی تھی اور قسم کھاتا ہوں کہ ایک بار بھی میں انہیں گن نہیں سکا تھا۔ پھر یار محمد نمودار ہوتا تھا۔ اور ہمیشہ اس کے منہ سے ایک ہی طرح کی آوازیں نکلتی تھیں۔

"او خدا کے بندو۔ او تم سب مرجاؤ' اور تمہارا بیڑا غرق ہو۔ او تمہیں ہیضہ ہوجائے۔ او مجھے بات تو کرنے دو۔"

دوسری ذمے داری ماں کی قبر' یہاں بیٹھ کر میں ماں سے ایک ہی سوال کرتا تھا۔ میں وکیل اور پھر بیرسٹر بن جاؤں گا امی مگر مجھے یہ تو بتا دو کہ تم کس سے اپنا کونسا حق حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ بس مجھے یہ بتا دو میں پڑھائی میں یہ محنت صرف تمہاری آنکھوں میں سجے ہوئے خوابوں کی تکمیل کے لئے کررہا ہوں۔ اور جب میں وکیل بن جاؤں گا تو تمہیں یہ بتانا پڑے گا' جیسے بھی بتاؤ' بس مجھے بتاؤ گی ضرور۔ ورنہ زندگی میں مجھے کسی شے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور مجھے یقین تھا کہ امی ایک دن مجھے یہ سب ضرور بتا دیں گی۔ یہ یقین میرا راہبر تھا ورنہ شاید میں کتابوں کو چھو کر بھی نہ دیکھتا۔

وہ انمول ستارہ شاید گوٹھ واپس چلا گیا تھا۔ اس دن میں نے ایک چھوٹے سے

خاندان کو اسٹیشن پر اتارا تھا۔ اور وہیں رک کر کسی پسنجر کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک لڑکی ایک چھوٹے سے ہینڈ بیگ کے ساتھ میرے پاس آئی۔

"طارق روڈ چلنا ہے۔"

"بیٹھیے۔" میں نے میٹر گراتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ عقب نما آئینہ میں لڑکی کے سراپا کا جائزہ لیا۔ کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ لیکن اس احساس کا کوئی نام نہیں تھا۔

"سنو۔" لڑکی نے پکارا۔

"جی۔"

"طارق روڈ پر ایک لبرٹی ریسٹورنٹ ہے۔"

"جی' بالکل ہے۔"

"اس کے آس پاس ٹوسوا سنیک بار ہے کیا تم اس کے بارے میں جانتے ہو۔"

"جی۔"

"جانتے ہو؟" وہ چیخنے والے انداز میں بولی' یہ خوشی کا انداز تھا۔

"جی جانتا ہوں۔"

"بس مجھے وہیں چلنا ہے۔ ایم سن پروڈکشن۔ ٹوسو اسنیک بار کے بالکل سامنے ہے۔ دیکھو یہ پتہ ہے اگر پڑھنا جانتے ہو تو پڑھ کر دیکھو۔" اس نے اخبار کی ایک کٹنگ" جو ایم سن پروڈکشن کے ایک لیٹر اور لفافے سے پن کی ہوئی تھی' میری طرف بڑھا دی میں نے گہری سانس لے کر لفافہ لے لیا۔ صورتحال کچھ کچھ میری سمجھ میں آرہی تھی۔ پتہ نہیں لیٹر میں کیا لکھا تھا لیکن اخبار کی کٹنگ بتا رہی تھی۔ میں نے لفافہ واپس کرتے ہوئے کہا:

"میں یہ جگہ جانتا ہوں۔"

"گڈ۔ وہیں چلو۔" وہ پر مسرت لہجے میں بولی۔ اور پھر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی' حالانکہ مجھے اپنی سواریوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی لیکن بعض چہرے اور بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ذہن ان کی جانب راغب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ لڑکی یقیناً کسی دوسرے شہر سے یہاں آئی تھی' کسی اچھے گھرانے کی فرد دکھائی دیتی تھی' لیکن تنہا سفر اور

پھروہ بھی اس انداز میں کچھ مشکوک سا لگ رہا تھا' لیکن میری طرف سے جہنم میں جائے' مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی' کینٹ اسٹیشن سے طارق روڈ تک کا فاصلہ ہی کتنا۔ البتہ ٹوسواسنیک بار پہنچ کر لڑکی بولی:

"میں ابھی تمہیں بل ادا کرتی ہوں' ذرا وہ جگہ تلاش کرنے میں میری مدد کرو پلیز۔"

"کیا لکھا ہے اخبار کی کٹنگ میں' ذرا دکھایئے۔"

ایم سن پروڈکشن

"میں معلوم کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور ٹیکسی سائیڈ کرکے تو سو اسنیک بار کے سامنے دیکھنے لگا' وہاں کوئی بورڈ نہیں لگا ہوا تھا بلکہ تالا لگا ہوا تھا۔ اور میری تیز نگاہوں نے اس تالے پر سرکاری سیل بھی دیکھ لی تھی اور یہ سیل ایسی جگہوں پر تالوں پر لگائی جاتی تھی جو پولیس نے اپنی تحویل میں لے لئے ہوں۔ میرے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی ایک دو افراد سے معلوم کرلینا مناسب سمجھا' ٹو سو سے تھوڑے فاصلے پر پان کی ایک دکان نظر آرہی تھی' اور چند افراد یہاں اپنے معمولات میں مصروف تھے' میں ان کے پاس پہنچا اور میں نے ان سے کہا:

"یہ سامنے والی عمارت میں ایم سن پروڈکشن ہوا کرتا تھا کیا یہ لوگ کہیں اور منتقل ہوگئے ہیں۔"

"میرے اس سوال پر ایک شخص جو پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا اور پڑھا لکھا آدمی نظر آرہا تھا پر مزاح انداز میں بولا:

"ہاں یہ لوگ یہاں سے پہلے تھانے اور پھر جیل میں منتقل ہوگئے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"فراڈ تھے۔ دفتر کھول رکھا تھا' اخبارات میں اشتہار دے رہے تھے اور سیدھے سادے لوگوں کو پھانس کر رقمیں بٹور رہے تھے۔ لیکن قصور ان کا بھی کہاں۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں آج کل کچھ اور بننے کے بجائے اداکار بننے کو ترجیح دیتے ہیں ساری لڑکیاں ہیروئن بننا چاہتی ہیں اور لڑکے اپنے آپ کو ہیرو سمجھتے ہیں۔ معاشرے پر یار نجانے کیا دھند چھاگئی ہے میرا ٹیلرنگ کا کاروبار ہے' زنانہ کپڑے سیتا ہوں' اخبارات میں

لان کے اشتہارات آتے ہیں' ماڈل لڑکیاں لان کی پبلسٹی کرتی ہیں ان کی تصویریں چھپتی ہیں اور ڈھائی ڈھائی سو پونڈ کی خواتین آکر وہ ڈایزئن مجھے دکھاتی ہیں اور کہتی ہیں اس ڈیزائن کے کپڑے سی دو' میرے بھائی ڈیزائن تو بے شک وہی ہوا ہے لیکن ڈھائی سو پونڈ پر وہ چھب کیسے آسکتی ہے جو ایک سو دس پونڈ پر ہوتی ہے۔ آپ بتایئے۔"

میں واپس مڑا۔ لڑکی امید بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"ڈرائیور صاحب پتہ چلا؟"

"جی ہاں پتہ چل گیا۔"

"کیا مطلب۔ یہی کہ سامنے والی عمارت ہے۔"

"جی بالکل یہی ہے۔"

"لیکن اس پر تو تالا پڑا ہوا ہے۔"

"ہاں۔ ایم سن پروڈکشن والے جیل میں بند ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دے کر روپیہ بٹور رہے تھے اور سنا ہے کہ لوگوں کی اچھی خاصی رقمیں مار چکے ہیں۔ چھاپہ پڑا اور پکڑے گئے' اب وہ جیل میں ہیں' کیا خیال ہے جیل چلوں۔"

لڑکی کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اسٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی' میں جانتا تھا کہ اس پر یہ سکتہ کچھ دیر طاری رہے گا۔ پھر وہ ہوش میں آکر بولے گی۔ اس دوران انتظار کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور میرا اندازہ حرف بہ حرف درست نکلا۔ دو تین بار عقب نما آئینے میں' میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا' پھر وہ اچانک ہی چونکی تھی اور بولی تھی:

"ڈرائیور صاحب' ذرا ٹیلی ویژن اسٹیشن چلئے۔" بڑی نرمی اور بڑی لجاجت سے اس نے مجھے مخاطب کرکے یہ الفاظ کہے تھے' میں نے ٹیکسی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ وہ کہنے لگی:

"اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ فراڈ تھے۔ اخبار میں اشتہار چھپا تھا۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے فوراً ہی مجھے جواب بھیجا اور طلب کرلیا میرے اور ان کے درمیان خط و کتابت چلتی رہی میں نے اپنی تصویریں بھی انہیں بھیجی تھیں اور انہوں نے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ۔ کہ۔ کہ ----" لڑکی کی آواز بھرا گئی۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' مجھے ان کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' جانتا تھا کہ کہانی کیا ہوگی۔"

ٹیلی ویژن اسٹیشن پہنچا تو لڑکی نے کہا۔ "میں ذرا معلومات حاصل کرلوں۔ تھوڑا سا انتظار کرلیں گے آپ۔"

"اپنا یہ ہینڈ بیگ یہیں چھوڑ جائیے' اور اندر چلی جائیے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

لڑکی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر مجھے دیکھا پھر مدھم لہجے میں بولی:

"ٹھیک ہے' لیکن یہ پرس لے جاؤں میں۔"

"ہینڈ بیگ میں ٹائم بم تو نہیں ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"اتنی دیر سے میں ٹائم بم لئے پھر رہی ہوں کیا؟" وہ بولی اور پھر گیٹ کے راستے ٹی وی اسٹیشن میں داخل ہوگئی بہت دیر تک میں انتظار کرتا رہا' ہیرو اور ہیروین آجارہے تھے' باہر ریڑھی والے کھڑے ہوئے مختلف اشیاء بیچ رہے تھے۔ خریداریاں ہورہی تھیں۔ سامنے ہی اسپتال تھا اور دیکھنے والی نگاہوں کو متضاد مناظر صاف محسوس ہوجاتے تھے۔ لڑکی کوئی پندرہ منٹ کے بعد واپس آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہورہا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے رو دے گی۔ وہ ٹیکسی کے پاس آئی۔ پھر تھکے تھکے انداز میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

"جی اب کہاں چلنا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں' میں تو سخت پریشان ہوگئی ہوں۔ اصل میں ایم سن پروڈکشن کا معاملہ تو خیر اپنی جگہ تھا' کچھ عرصہ پہلے ایک ڈرامہ پروڈیوسر ڈائریکٹر رضوی صاحب ہمارے علاقے میں پہنچے تھے۔ وہ وہاں شوٹنگ کررہے تھے' میرے والد نے انہیں ہر سہولت مہیا کی یہاں تک کہ کھانے پینے کا انتظام بھی ہم ہی لوگوں نے کیا تھا پورے یونٹ کا رضوی صاحب بہت متاثر ہوئے اور پھر انہوں نے مجھ سے کہا۔ کہ سیما جب بھی کبھی کراچی آؤ ٹی وی اسٹیشن آکر مجھ سے ضرور ملنا' اگر تمہیں اسکرین پر آنے کا شوق ہو تو میں تمہیں کہیں کسی بھی ڈرامے میں شوٹ کرلوں گا۔"

"اس وقت تو میں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن درحقیقت میری تمام دوستوں کا

خیال ہے کہ میں ہیروئن بننے کی صلاحیتیں رکھتی ہوں۔ میں نے مشورہ بھی کیا تھا ان سے تو انہوں نے کہا کہ بڑی اسکرین کی بات ہی اور ہوتی ہے چھوٹی اسکرین سے انسان اتنی شہرت نہیں پاتا۔ مجھے خود بھی اس کا شوق تھا' لیکن ایم سن والے تو دھوکے باز نکلے اور رضوی صاحب کا۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"تم نے اندر سے معلوم کیا۔" میں نے نجانے کیوں اس سے یہ سوال کرڈالا۔

"ہاں' ریسپشن پر جو بیٹھا ہوا وہ انسانوں کو انسان نہیں سمجھتا' بڑی مشکل سے متوجہ ہوا تو میں نے رضوی صاحب کے بارے میں پوچھا۔ کہنے لگا ایک درجن رضوی ہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ آپ کون سے رضوی صاحب کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔ مگر مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا۔ میں نام نہیں بتاسکی تو وہ بڑی بدتمیزی سے بولا۔ جاؤ بی بی جاؤ اپنا کام کرو' بلاوجہ جھک نہ مارو' ہمیں اور بھی بہت سے کام ہوتے ہیں۔ اب بتاؤ میں کیا کروں' میں تو بہت پریشان ہوگئی ہوں' کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"اپنا یہ ہینڈ بیگ اٹھائیے اور تلاشی لے لیجئے کہ میں نے اس میں سے کچھ لیا تو نہیں ہے' بل کی رقم مجھے ادا کیجئے اور کہیں بیٹھ کر فیصلہ کرلیجئے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔"

"ارے ایک منٹ انتظار اور کرلیجئے آپ۔ مجھے ایک بات یاد آگئی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ جو ڈرامہ اور سیریل بنا رہے تھے' اس کا نام شاید "فریب" تھا اس حوالے سے میں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتی ہوں' میں تمہیں میٹر سے زیادہ رقم دوں گی' فکر مت کرو ذرا سی میری مدد کردو۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جائیے' فریب کے بارے میں معلومات حاصل کیجئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ پھر ٹیکسی سے اتر کر اندر چلی گئی۔ مجھے ہنسی آگئی تھی۔ اور صورتحال سے میں مکمل واقف تھا۔ میں کوئی مبلغ نہیں تھا اور نا ہی مجھے فضول باتوں سے دلچسپی تھی۔ یہ خود کو برباد کرنے والے اگر اس طرح برباد نہ ہوں تو بہت سے لوگوں کے دھندے ٹھپ ہوجائیں۔ ایک کاروبار یہ بھی ہے کہ انسان مختلف طریقوں سے دوسرے انسانوں کو بے وقوف بنائے۔

ایک بار پھر میں نے اسے منہ لٹکائے واپس آتے دیکھا ٹیکسی کے قریب پہنچی ہی

تھی کہ اچانک ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے اسے آواز دی۔

"بے بی۔ بے بی۔ بات سنو، بات سنو" وہ رک کر اسے دیکھنے لگی، میں نے بھی اس مخاطب کرنے والے کو دیکھا اور دوسرے لمحے میری آنکھوں میں ہلکی سی سرخی چھا گئی۔ میں نے اس شخص کو پہچان لیا تھا وہی مکڑا تھا۔ جس نے اس دن اس معصوم سے لڑکے کو اپنے جال میں پھانس کر بیس ہزار روپے لوٹ لئے تھے اور بعد میں اس کی گھڑی بکوا دی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لڑکی کے پاس پہنچا تھا پھر اس نے دونوں ہاتھ سیدھے کئے اور ان سے لڑکی کے چہرے کے گرد فریم بنانے لگا۔ لڑکی پریشانی سے اسے تکنے لگی تھی اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ادھر ادھر۔ میں خاموشی سے مکڑے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ آج بھی اسی سج دھج میں تھا، بڑے جھومنے والے انداز میں بولا۔

"خدا کی قسم وہ جو کہتے ہیں ناں۔ بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک، بی بی معاف کرنا، کسی ڈرامے میں کام کرتی ہو یا کچھ اور کر رہی ہو۔"

"جی مم میں وہ۔" لڑکی بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"اگر ٹی وی اسٹیشن میں کام کی تلاش میں آئی ہو تو یہ خیال ایک منٹ کے اندر دل سے نکال دو، تم چھوٹی اسکرین کی نہیں بڑی اسکرین کی ہیروئن ہو اور ہیروں کی قدر صرف جوہری جانتا ہے، کیا نام ہے تمہارا۔"

"جی سیما"

"میرا نام شاکر خان ہے۔ اگر فلموں سے دلچسپی رکھتی ہو تو شاکر خان کا نام ضرور معلوم ہو گا تمہیں، شاکر خان کے بارے میں بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہما ہے ہما، جس کے سر پر بیٹھ جائے اسے بادشاہ بنا دے، لڑکی تمہاری تقدیر کمال کی ہے، تمہیں پتہ ہے نیرّ ہاشمی صاحب ایک بڑے سرمائے کی فلم بنا رہے ہیں اس وقت اس کی دھوم مچی ہوئی ہے بولو فلم میں کام کرنا پسند کرو گی۔"

"جج، جی ہاں۔" لڑکی بولی۔

"گڈ ویری گڈ، تقدیر بعض اوقات کس طرح صحیح راستوں پر لے آتی ہے، نیرّ ہاشمی صاحب نے مجھ سے کہا ہے کہ اس فلم میں وہ کسی نئی لڑکی کو پیش کرنا چاہتے ہیں، ارے بادشاہ گر ہیں وہ بادشاہ گر، ایک بار کسی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو سمجھ لو اس کی تقدیر

بن گئی، لیکن سنو ہر انسان اپنا فائدہ چاہتا ہے، میں تمہیں اسٹوڈیو لے کر چلتا ہوں۔ لیکن تم نیرّ ہاشمی صاحب سے یہی کہو گی کہ تم شاکر خان کی بھتیجی ہو، کیا سمجھیں!"

"جی"

"تو پھر تیار ہو نا؟"

"آپ کا شکریہ جناب آپ کا شکریہ۔" لڑکی نے کہا۔

"بس وہ جو کہتے ہیں ناں کہ کر بھلا سو ہو بھلا اور ہم اس نظریے کے قائل ہیں۔ اور پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ انسان کا کام انسان سے ہی ہوتا ہے تقدیر بھی کوئی چیز ہوتی ہے، اس وقت تم یقین کرو کہ میں صرف اس لئے ٹیلی ویژن اسٹیشن آیا تھا کہ نیرّ ہاشمی کے کہنے کے مطابق مجھے کوئی نیا چہرہ مل جائے کیا بات ہے، تم دیکھنا تو سہی کہ کیا ہو گا۔ بہرحال تم فکر مت کرو یہ ٹیکسی تم نے روکی ہوئی ہے۔"

"جی۔"

"تو پھر آؤ، میں تمہیں نیرّ ہاشمی کے دفتر لے چلتا ہوں بس سمجھ لو کام بن گیا۔ شاکر خان کسی سے کسی کی سفارش کرے اور کام نہ بنے۔"

"شاکر خان لڑکی کے ساتھ اندر بیٹھ گیا لڑکی کا رنگ گلاب کی طرح کھل گیا تھا اور آنکھیں کنول کی طرح نظر آنے لگی تھیں، راستے میں شاکر خان کہنے لگا:

"جو کچھ میں اس سے کہوں گا تمہیں وہی کرنا ہو گا میں اسے بتاؤں گا کہ یہ لڑکی میری بھتیجی ہے، لاہور میں رہتی ہے بلکہ لاہور نہ کہنا کہیں قریب ہی بات کر لینا کیونکہ لاہور انڈسٹری تو سب سے بڑی ہے۔ تم کہنا کہ تم سکھر سے آئی ہو میں نیرّ ہاشمی کو بتاؤں گا کہ بچی زیادہ تر ملک سے باہر رہی ہے تمہیں انگریزی بولنا آتی ہے!"

"جی میں بڑی آسانی سے انگریزی بول لیتی ہوں میں تھرڈ ایئر میں پڑھ رہی تھی لیکن ہیروئن بننے کا شوق۔ بس ایک لمبی کہانی ہے یہ۔"

"ساری کہانیاں لمبی ہی ہوتی ہیں، تم بے فکر رہو۔ ذرا دیکھو میں کرتا کیا ہوں۔"

اس نے کہا اور میں نے ٹیکسی نیو ٹاؤن پولیس اسٹیشن کے احاطے میں داخل کر کے روک دی اور اس کا انجن بند کر کے سکون سے نیچے اتر آیا۔ پھر میں پچھلے دروازے کے پاس پہنچ کر دروازہ کھولتا ہوا شاکر خان سے بولا:

"تشریف لائیے۔"

"این۔ کیا۔ کیوں۔" شاکر خان گڑبڑا کر بولا۔

"سسرال تشریف نہیں لے چلیں گے سسرال والے انتظار کر رہے ہیں۔"

"ایں کیا بکواس کر رہے ہو، تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے، تم ہمیں نہیں جانتے، ہماری اپروچ کہاں سے کہاں تک ہے۔ ہم اگر چاہیں تو تمہیں جیل میں سڑوا سکتے ہیں تم نے یہاں لا کر ہماری توہین کی ہے، دیکھا بے بی تم نے یہ نچلی سطح کے لوگ اپنی سطح سے اونچا بڑھنے کے لئے کس طرح کوششیں کرتے ہیں۔"

جواب میں، میں نے شاکر خان کے گریبان پر ہاتھ ڈالا اور کھلے دروازے سے اسے باہر کھینچ لیا۔ شاکر خان وزنی آدمی تھا اوندھے منہ نیچے آگرا۔ گھٹنے زمین پر ٹیکے اور دونوں ہاتھ بھی۔ تب وہ زمین سے ٹکرانے سے بچا تھا لڑکی وحشت زدہ نظر آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی تو میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا:

"اگر تم نے ایک قدم بھی اس تھانے کی باؤنڈری سے باہر نکالا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ ادھر آؤ۔" لڑکی باقاعدہ رونے لگی۔

"لیکن میں نے کبھی عورت کے آنسو پر غور نہیں کیا تھا" میں نے اسے دوسری جھڑکی دی تو وہ برابر میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس دوران شاکر خان بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ قرب و جوار میں بکھرے ہوئے کئی کانسٹیبل ہمارے گرد آ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں ایک جیپ گیٹ میں داخل ہوئی اس میں تھانہ انچارج موجود تھا۔ تھانہ انچارج نے نیچے اترتے ہوئے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"کیا ہے۔ کیا ہو رہا ہے یہ۔"

کانسٹیبلوں نے اٹین شین ہو کر سلوٹ کیا تھا، تھانہ انچارج نے پہلے لڑکی کو دیکھا پھر شاکر خان کو اور اس کے بعد مجھے۔ پھر بولا:

"بات کیا ہے۔"

"صاحب یہ لڑکی ٹرین سے اتری تھی میری ٹیکسی میں بیٹھی، طارق روڈ پہنچی اسے ایم من پروڈکشن نامی ایک ادارے کی تلاش تھی۔ نو سو اسنیک بار کے سامنے، ایم من

پروڈکشن کے لوگ آج کل جیل میں ہیں لوگوں سے فراڈ کے الزام میں انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے، یہ لڑکی وہاں سے ٹیلی ویژن اسٹیشن پہنچی جہاں اسے کسی کی تلاش تھی اور پھر یہ آدمی اسے ملا اور اسے شیشے میں اتار کر کسی نیئر ہاشمی کے پاس لے جا رہا تھا۔ اصل میں بات یہ ہے سر کہ یہ مجھے نہیں پہچان سکا لیکن میں نے اسے پہچان لیا، تھوڑے دن پہلے اس نے ایک نوجوان لڑکے سے فراڈ کر کے بیس ہزار روپے اس کی جیب سے نکلوائے تھے اور پھر وہ بے چارہ اپنی گھڑی بیچ کر اپنے گھر واپس جا سکا۔ وہ تو خیر لڑکا تھا صاحب، لیکن یہ لڑکی ہے، یہ بدمعاش اس معصوم لڑکی کو بہلا پھسلا کر نجانے کہاں لے جا رہا تھا آپ خود سوچ لیجئے اس کی عزت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"اندر آؤ۔ اندر آؤ۔ ظہور خان ان سب کو لے کر اندر آجاؤ۔" تھانہ انچارج نے کہا۔ اور میں نے مسکراتے ہوئے شاکر خان کو اور پھر لڑکی کو دیکھا اور اس کے بعد تھانہ انچارج کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔

"ہاں بیٹھ جاؤ تم لوگ بیٹھ جاؤ۔" تھانہ انچارج نے اپنے آفس میں پہنچ کر کہا۔

"جی سر" میں بینچ پر بیٹھ گیا۔ شاکر خان نے کہا۔

"انچارج صاحب یہ آدمی جھوٹ بول رہا ہے، مجھ پر کیچڑ اچھال رہا ہے، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہو گا میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں میری اپروچ منسٹروں تک ہے۔"

"آپ خود تو منسٹر نہیں ہیں تشریف رکھئے۔" تھانہ انچارج نے زہریلے لہجے میں کہا اور شاکر خان بیٹھ گیا لڑکی بھی بیٹھ گئی تھی۔

"ہاں بی بی تو اصل بات کیا ہے۔" تھانہ انچارج نے نرم لہجے میں لڑکی سے پوچھا اور لڑکی بے اختیار رو پڑی۔ اس کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔

"نہیں، نہیں گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ جو بات ہے بتاؤ۔ کہاں رہتی ہو۔"

"میں، میں سکھر سے آئی ہوں۔"

"کہاں سے۔" تھانہ انچارج چونک پڑا۔

"سس سکھر سے۔"

"کونسے محلے سے۔" انچارج نے پوچھا۔ اور لڑکی نے اپنے محلے کا نام بتایا۔

انچارج کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ "کس کی بیٹی ہو' باپ کا نام بتاؤ۔"

"وہ میں۔" لڑکی بدستور کانپتی ہوئی بولی۔

"کیا نام ہے تمہارے باپ کا۔" انچارج غصیلے لہجے میں بولا۔

"حیات علی شاہ۔" لڑکی نے کہا۔

"بیڑہ غرق! تمہارے بھائی کا نام رحمت علی شاہ ہے' وہ جو الیکشن میں کھڑے ہوئے تھے۔" لڑکی نے روتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"او خدا تمہیں نیکی دے۔ کس کے ساتھ آئی ہو۔"

"اکیلی" لڑکی نے جواب دیا۔

"مگر کیوں۔" انچارج بولا۔ لڑکی اب سسکنے لگی تھی انچارج نے اپنے ساتھی ایس آئی سے کہا۔ "ظہور خان حیات علی شاہ کو جانتے ہو ارے ہم نے ساتھ پڑھا ہے۔ بی بی میں بھی سکھر کا ہوں۔ تیرے پورے خاندان کو جانتا ہوں او خدا تجھے نیکی دے۔ او کچھ بول بتا' عزت ہے تو ہماری۔"

"میں بتاؤں انچارج صاحب' یہ اخبار میں ایم ن پروڈکشن کا ایک اشتہار پڑھ کر سکھر سے چلی آئی ہے۔ وہ لوگ فراڈ تھے پکڑے گئے اور آج کل جیل میں ہیں پھر اسے ٹی وی اسٹیشن یاد آیا جس کا کوئی ڈائریکٹر سکھر میں شوٹنگ کرنے گیا تھا۔ وہاں گئی ---" میں نے پوری کہانی انچارج کو سنائی اور آخر میں انچارج کو شاکر خان کے بارے میں بتایا کہ کس طرح اس نے ایک نوجوان لڑکے کو لوٹا تھا اور نوسربازی کرکے اس کے بیس ہزار لے کر غائب ہوگیا تھا۔

"بی بی یہ سب سچ ہے۔"

"ہاں۔" لڑکی نے گردن ہلا دی۔

"اوئے منسٹر۔ تجھے تو میں تین گھنٹے الٹا لٹکاؤں گا بہت کچھ اگلوانا ہوگا تجھ سے۔ اور تیری اپروچ کو تو میں دیکھوں گا تیرا کیا نام ہے بھئی۔"

انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"منصور۔"

"اپنا پتہ وغیرہ لکھوا دو۔ لوگ ٹیکسی ڈرائیوروں کو برا کہتے ہیں تمہاری مثال دوں گا

کہ تم جیسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ تمہاری گواہی کی ضرورت پڑے گی آجانا جب میں بلاؤں۔ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے یہ میرے دوست کی بہن ہے۔ یوں سمجھو میری بہن ہے۔ او پاگل لڑکی اتنے بڑے خاندان کے چہرے پر داغ لگایا ہے تو نے۔ مگر بے فکر رہ اسے چھپا جاؤں گا۔ اللہ نے مجھے سرخ رو کیا ہے' اس کا---- اس کا تو میں پورا معدہ خالی کراؤں گا۔" انسپکٹر نے شاکر خان کو دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ شاکر خان اب نروس ہوگیا تھا انسپکٹر نے لڑکی سے کہا: "تو میری بیٹی ہے۔ فکر نہ کر عزت سے تجھے تیرے گھر پہنچاؤں گا بس جو میں کہوں وہی بیان لکھوانا۔ تو نے اپنا کیا نام بتایا دوست۔" انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"منصور۔" میں نے جواب دیا۔

انسپکٹر نے جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکالا اور اسے میری طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"میں تجھے ہمیشہ یاد رکھوں گا میرے دوست نیوٹاؤن تھانے میں اگر کبھی کوئی کام ہو تو میرے پاس آجانا' تیرا کام ہوجائے گا' تو نے اس لڑکی کی نہیں میری عزت بچائی ہے' تجھ جیسے لوگ اگر ہوں تو بڑے بڑے چیٹر گرفتار ہوسکتے ہیں' تیرا بڑا شکریہ' یہ میری طرف سے ایک حقیری رقم قبول کرلے۔"

"میں جاؤں صاحب۔"

"ہاں بے فکر رہ' یہ میری بہن ہے' میں عزت سے اسے اس کے گھر پہنچا دوں گا' پتہ لکھوا دیا ہے تو نے اپنا' او ظہور خان بندے کا پتہ لکھ لو۔" ظہور خان نے رجسٹر میں میرا پتہ وغیرہ لکھا' میں باہر آیا' میٹر میں ایک سو چورانوے روپے بنے تھے۔ میں نے تین سو چھ روپے نکالے' واپس انسپکٹر کے پاس پہنچا اور پیسے اس کے سامنے رکھتا ہوا بولا:

"صاحب میرا بل ایک سو چورانوے روپے بنا ہے اور میرا میٹر بالکل ٹھیک ہے۔"

"ارے نہیں۔ یہ میں نے بل نہیں انعام دیا تھا تجھے' کیا سمجھا' رکھ لے رکھ لے۔"

"ایک بات کہوں صاحب۔ انعام لینے کا مقصد یہ ہے کہ انسان نے اپنے ضمیر کے ساتھ انصاف نہیں کیا' آپ ایک شریف آدمی کا ضمیر قتل نہ کریں۔ ہاں اگر کبھی مشکل

پیش آئی اور ایسی مشکل ہوئی جس کا حل مجھے نہ مل سکا تو شاید آپ کو تھوڑی بہت تکلیف دینے کے لئے آجاؤں۔" میں نے پیسے اس کے سامنے رکھے اور اسے سلام کرکے اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

ایک نگاہ لڑکی کی طرف اٹھی تھی۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو' لیکن مجھے اس کی کوئی بات سننی تھی اور نہ انسپکٹر سے اپنے لئے تعریف کے الفاظ سننا چاہتا تھا' البتہ جو دوسرے الفاظ انسپکٹر نے ادا کئے تھے وہ میرے لئے دلچسپی کا باعث تھے؛ کیونکہ اکثر پولیس یہ نہیں دیکھتی کہ کون گناہ گار ہے اور کون بے گناہ اگر اس علاقے میں ایسا کوئی مسئلہ میرے ساتھ پیش آیا تو مجھے امید تھی کہ انسپکٹر مجھے پہچاننے سے انکار نہیں کرے گا' بس اتنا کافی تھا۔

زندگی کے شب و روز ایک مخصوص انداز میں چل رہے تھے اور میں اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں چاہتا تھا میرا محور کراچی کی سڑکیں اپنا کالج اور ماں کی قبر' جہاں جاکر زندگی کے سارے مسائل ماں کو بتاتا تھا اور اس سے صرف ایک ہی سوال کرتا تھا۔

"کونسا دن ہوگا وہ' جب تم مجھے اپنا وہ راز بتاؤ گی امی' کس سے اپنا حق وصول کرنا چاہتی تھیں تم' دیکھو میں تمہارے اس مقصد کے لئے اس خواہش کے لئے جو محنت کررہا ہوں اسے رائیگاں نہ جانے دینا' اگر تم نے مجھے نہیں بتایا تو پھر یہ سمجھ لو کہ میں بھی ضدی ہوں' تنہا ہوں اس دنیا میں' بیکار زندگی گزار رہا ہوں' سمجھ لینا بیکار چیزوں کو ختم کردیا جاتا ہے' پھینک دیا جاتا ہے۔"

اور نجانے کیوں مجھے یہ یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ماں جو منوں مٹی کے نیچے گل سڑ چکی ہے کم از کم مجھے یہ ضرور بتا دے گی کہ وہ مجھے وکیل بنا کر کس سے اپنا حق وصول کرنا چاہتی تھی۔ یہ ایک میزان تھا' ایک ترازو تھی اپنے یقین کی' اور نجانے کیوں یہ یقین میرے لئے ایک کامیابی کا ایک بلند ستون تھا۔

زندگی کے وہی رنگ وہی انداز' مزے مزے کے لوگ ملتے تھے' مجھے نہیں معلوم کہ شاکر خان کے ساتھ کیا کیا گیا' لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ وہ بیچارہ لڑکا جو ہوٹل مہران میں ٹھہرا ہوا تھا اور اپنی راڈو گھڑی بیچ کر واپس گھر گیا تھا اور یہ لڑکی جسے نجانے یہ کمبخت کس کے حوالے کردیتا اور جو اپنی نادانی کی بنا پر ایک اچھے خاندان کی عزت گنوا بیٹھتی نجانے

اس خاندان کے ساتھ کیا کیا المیے پیش آتے' نجانے کون کون خودکشی کرتا کم از کم ایسی باتوں سے دل کو تھوڑا اطمینان ضرور ہوتا تھا۔

اس دن بھی میں نے ٹیکسی نکالی اور معمول کے مطابق چل پڑا' جو پہلی سواری مجھے ملی وہ ایک آدمی تھا جو تیز تیز چلتا ہوا آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔

"چلو جلدی چلو۔" میں نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور بولا:

"کہاں جانا ہے؟"

"میریٹ چلو میریٹ۔" میں نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ لگ بھگ بیس منٹ کے سفر کے بعد ٹیکسی میریٹ کے سامنے رکی اور وہ جلدی سے اترتا ہوا بولا:

"بس ایک منٹ میں آیا میں' ذرا مینجر سے بات کرلوں۔"

"اس کے بعد وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اندر چلا گیا' میں خاموشی سے انتظار کرتا رہا کوئی پندرہ سولہ منٹ ہوگئے تو دفعتاً ہی مجھے ایک دم احساس ہوا کہ یہ تو کچھ زیادہ ہی وقت ہوگیا ایسے بھی لوگ ملتے تھے' پھر بھی میں نے مزید کچھ دیر انتظار کیا اور اس کے بعد ٹیکسی سے اتر گیا۔ شیشے کے دروازے پر کھڑے ہوئے باوردی شخص سے اجازت لے کر میں اندر داخل ہوا اور سامنے بنے ہوئے ریسپشن کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

"تھوڑی دیر پہلے ابھی ایک صاحب یہاں اندر داخل ہوئے تھے کہنے لگے کہ ذرا مینجر سے ملاقات کرنی ہے' کیا وہ ابھی تک مینجر صاحب کے کمرے میں ہیں۔"

"کون صاحب۔"

"ڈارک گرے سوٹ اور بلیو ٹائی میں ملبوس تھے' ذرا بھاری بدن کے مالک۔"

"اوہو' وہ تو نہیں جس کے دائیں رخسار پر ایک موٹا سا مسہ ابھرا ہوا ہے؟"

"بالکل وہی۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہیں کیا کام ہے اس سے؟"

"میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں اور وہ میری ٹیکسی میں آیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور ساتھ کھڑی ہوئی دو ریسپشنسٹ لڑکیاں میری جانب متوجہ ہو گئیں۔ نوجوان ریسپشنسٹ نے پوچھا:

"کتنا بل بن گیا تھا اس کا۔"

"اب تک تقریباً ستر روپے بن چکا ہیں۔"

"بھول جاؤ اور دوسری سواری تلاش کرو۔" ریسپشنسٹ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"ارے باس وہ چیٹر آدمی ہے کسی سے فراڈ کرنے کے لئے یہاں آیا ہوگا جس سے فراڈ کرنا ہوگا اس سے فراڈ کرڈالا ہوگا یا اگر وہ نہیں ملا ہوگا تو پچھلے علاقے سے باہر نکل گیا ہوگا' چاہو تو اسے تلاش کرلو' ورنہ جاؤ' روزی کماؤ وہ بڑا چیٹر آدمی ہے۔"

میں ایک لمحے کے لئے کھڑا رہا اور پھر بڑبڑاتا ہوا وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ ستر پچھتر روپے کی کوئی بات نہیں تھی' بس ایسی چوٹ دل کو دکھا دیتی تھی' کبھی کبھی طبیعت میں اتنی سختی پیدا ہوجاتی تھی کہ واقعی دنیا میں کسی کے ساتھ رحم اور انصاف کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا' میں باہر آیا' میٹر سیدھا کیا اور ٹیکسی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔

بات ایک چھوٹی سی رقم کی نہیں تھی' یار محمد کو اپنی جیب سے بھی پیسے دے سکتا تھا لیکن جھنجلاہٹ اس بات پر تھی کہ کوئی مجھے دھوکہ دے جائے۔ میں نہ کسی کو دھوکہ دینا چاہتا تھا نہ کسی سے دھوکہ کھانا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی مجھے دھوکہ دے گیا تھا۔ میں جھنجلاہٹ کے عالم میں سڑکوں پر چکراتا رہا۔ پیٹرول پھونکتا رہا کئی سواریوں کو میں نے نظر انداز کردیا۔ آج کا دن نقصان کا دن تھا۔ لیکن ایسے نقصان کی میں پروا نہیں کرتا۔ چاہتا تو اسٹینڈ پر کھڑے ہوکر سواری کا انتظار کرسکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور پھر ایک جگہ ٹیکسی روک کر میں نیچے اترا۔ پیاس لگی ہوئی تھی سامنے گنے کا رس والا کھڑا تھا اور اس سے دو گلاس گنے کا رس پیا' واپس پلٹا تو ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک لڑکی کو بیٹھے پایا۔

"ٹیکسی خالی نہیں ہے۔" میں نے بگڑے ہوئے موڈ میں کہا۔

"پلیز مجھے یونیورسٹی چھوڑ دو۔ تمہارا احسان ہوگا اگر میں وقت پر نہ پہنچی تو۔" لڑکی کی آواز رندھ گئی میں نے اس پر ایک نگاہ ڈالی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ٹیکسی آگے بڑھا دی پھر زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ اچانک ایک تیز چیخ میرے کانوں میں ابھری اور میرا ہاتھ اسٹیرنگ پر بہک گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ چیخ ٹیکسی کی عقبی سیٹ سے ابھری تھی۔ بمشکل تمام میں نے ٹیکسی روکی پر رونق جگہ تھی دروازہ کھولا اور بری طرح نیچے چھلانگ لگادی۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ لوگوں نے ٹیکسی کو گھیرلیا۔

"یہ یہ کمینہ۔ یہ کمینہ مجھے زبردستی کہیں لئے جارہا تھا۔ میں' میں اپنے دفتر سے گھر جارہی تھی لیکن اس نے مجھ سے بدتمیزی کی اور اور۔ لڑکی زاروقطار رونے لگی۔

"ماں بہن نہیں ہے تیری' بدمعاش' کمینے۔ مارو۔ ہڈیاں توڑ دو۔" اور لوگ میری ہڈیاں توڑنے لگے خیر میری ہڈیاں تو اتنی کمزور نہیں تھیں۔ لیکن ہر شخص اپنا فرض پورا کررہا تھا اور میں صرف اپنا چہرہ بچا رہا تھا۔ لوگوں نے مل کر حسرت پوری کرلی تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے لڑکی کہاں گئی۔ اوہو۔ لڑکی کہاں گئی۔" لڑکی کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اور جب لڑکی نہ نظر آئی تو کیس ہی ختم ہوگیا۔ لوگ ایک ایک کرکے کھسکنے لگے۔ میں نے خونی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ میرے ہونٹوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ تب کسی نے ایک ٹشو پیپر میرے ہاتھ میں دیا اور بولا:

"لو' خون صاف کرلو۔ اور سنو' زندگی بڑی قیمتی چیز ہے اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ یہ تمہارے لئے پہلا سبق ہے۔ کوشش کرنا کہ دوسرے سبق سے بچو۔"

میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا اور اگر اس وقت مجھے چکر نہ آگیا ہوتا تو شاید میں قاتل بن جاتا۔ خون ہوجاتا میرے ہاتھوں سے۔

اچھی خاصی پٹائی ہوئی تھی بدن میں کپکپاہٹ تھی۔ میں شکست خوردہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ شاکر خان تھا۔ مطمئن مسرور۔ تھوڑا سا قریب آکر بولا:

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے۔ اب اگر چاہو تو انسانوں کی طرح سوچو موقع کی نزاکت کو سمجھو۔ کیا میں تمہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلوں---؟"

میں نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پھر بولا۔ "اور اگر ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے تو آؤ تھوڑا سا وقت مجھے دو۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھو دوست! وہ جو کہتے ہیں نا کہ دشمن بنا لینا' دنیا کا سب سے آسان کام ہے اور دوست بنانا بہت مشکل۔ تم نے جوانی کے جوش میں مجھ سے دشمنی مول لے لی۔ دیکھو پہلے بندے کے بارے میں جان لینا چاہیے کہ خود اس کے ہاتھ پاؤں کتنے لمبے ہیں؟ اب وہ تمہارے ایس ایچ او صاحب دو گھنٹے نہیں روک سکے مجھے۔ بس ایک فون کرنے کی اجازت مانگی تھی

میں بنے۔ غلطی کر بیٹھے تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے چھوڑنا پڑگیا۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا تم سے میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ چلیں کسی ہوٹل۔"

میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا۔ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اس شخص کو اس کی تمام خباثتوں کے ساتھ اس دنیا سے رفو چکر کردوں۔ لیکن ہوش و حواس اب بھی قائم تھے میں جانتا تھا کہ اس کے بعد کے نتائج کیا ہوں گے؟ دو ہی باتیں ہیں یا تو اسے ختم کرکے خودکشی کرلوں یا جیل چلا جاؤں۔ مگر فائدہ؟ محنت کررہا تھا میں جانتا تھا کہ ماں کبھی زندہ نہیں ہوگی۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی آواز مجھے کبھی دوبارہ نہیں سنائی دے گی۔ وہ مجھے یہ نہیں بتائے گی کہ وہ حق کون سا تھا جسے حاصل کرکے وہ سرخرو ہونا چاہتی تھی اور جس کے حصول کے لیے دنیا پر اعتبار نہ کرتے ہوئے وہ اپنے بیٹے کو وکیل یا بیرسٹر بنانا چاہتی تھی۔ مرنا تو بہت آسان تھا۔ ماں کی وکیل بنانے کی آرزو پوری کرکے اس کی پوری زندگی کی کہانی معلوم کرکے خود اپنے آپ سے سوال کیا جائے کہ اس کا حق کونسا تھا؟

"ارے بھائی کیا زبان سے محروم ہوگئے؟ کچھ تو بولو منہ سے' ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ وہ لڑکی جو تمہاری ٹیکسی میں بیٹھی تھی میری کارکن تھی۔ اب یہ اسے اپنی بدقسمتی کہو یا میری خوش قسمتی کہ اس وقت وہ میرے ساتھ تھی۔ جب تم مجھے نظر آئے۔ میں نے اسے صورتحال سمجھائی اور خود آڑ میں ہوگیا۔ پھر وہ تمہاری ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ بات بھی صرف اتنی تھی کہ میں تھوڑی سی دھنائی کرانا چاہتا تھا تمہاری۔ کوئی بڑی دشمنی نہیں تھی تم سے اب نہ جانے کیوں افسوس ہو رہا ہے خیر وہ تو گئی۔ تم اسے کبھی تلاش نہیں کرسکو گے۔ لیکن تم اگر چاہو تو میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں۔ دیکھو کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ لاکھوں افراد یہاں اس طرح روپوش ہوسکتے ہیں کہ ان کا نام و نشان نہ ملے۔ لیکن منہ چھپا کر کام کرنے کا کوئی مزہ نہیں ہے۔ میں بھی کھلے دن سے کام کرنا چاہتا ہوں اور کرتا ہوں۔ تمہارا میرا دو دفعہ واسطہ پڑ چکا ہے۔ اب ایسا کرو دوستی کا ہاتھ ملا لو مجھ سے۔ میں خود بھی بہت دنوں سے یہ سوچ رہا تھا کہ کسی ایسے جواں مرد سے رابطہ قائم کروں جو ٹیکسی چلاتا ہو۔ اصل میں یہ شعبہ بڑا کارآمد ہے۔ ہر طرح کے مرغے ٹیکسی میں بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی ان میں سے کچھ مرغے بڑے کام کے ہوتے ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور کو تو وہ انسان ہی نہیں سمجھتے۔ اور ان کے دل کی باتیں کھل جاتی ہیں۔ ایسے

مرغے یا مرغیاں پھانسو اور انہیں مجھ تک لے آؤ۔ حلال کرنا میرا کام ہے چھری میں پھیروں گا اور تمہارا معاوضہ پچیس فیصد۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لکھ پتی بنا دوں گا لکھ پتی۔ اگر یہ ٹیکسی تمہاری اپنی نہیں ہے تو سمجھ لو ایسی چھ ٹیکسیوں کے مالک ہوگئے۔ ہم سے دوستی کرلو۔ شاکر خان کے دوستوں کی حیثیت معمولی نہیں ہوتی۔ بولو کیا خیال ہے؟"

مجھے بس اتنا ہی وقت چاہیے تھا۔ کم بخت لڑکی کے لئے جان کی بازی لگا دینے والوں نے میری جان لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بدن اچھا خاصا کوٹ کر رکھ دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی تھی۔ لڑکی بھی بھاگ گئی تھی لیکن مرکز کا پتہ چل گیا تھا۔ میں نے آنکھیں بھینچ کے گردن جھٹکی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو یہ گیم کھیلا تم نے شاکر خان؟"

"ہاں۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہماری دشمنی کا اس وقت سے خاتمہ ہوگیا۔ اصل میں تم ہو اور ناتجربہ کاری میں مار کھا گئے۔ لیکن اچھا ہے انسان اگر حقیقتوں کا تجربہ ہونے کے بعد کسی صحیح لائن پر آتا ہے تو پھر اس کے بھٹکنے کے امکانات ذرا کم ہوتے ہیں۔"

"یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو شاکر خان۔ اچھی خاصی چوٹیں لگ گئی ہیں میرے بدن کو۔ اور تم نے بڑی بڑی تنظیموں کی طرح میری پٹائی کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔ چنانچہ اب میرے تم پر کچھ حقوق قائم ہوگئے ہیں۔ ہے کہ نہیں؟"

"بالکل! بالکل۔ انکار کون کرتا ہے" شاکر خان نے کہا۔ اور دوسرے لمحے میں نے اس کی گردن پکڑلی۔ شاکر خان بری طرح چونک پڑا۔

"کک کیا بدتمیزی ہے؟" اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔ میرا زوردار ہاتھ اس کے رخسار پر پڑا اور کیا مزیدار ہاتھ تھا وہ شاکر خان کا جبڑا ٹیڑھا ہوگیا۔ لیکن میں نے اسے جبڑا سیدھا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسری طرف پڑنے والے ہاتھ نے اس کے ہونٹوں کا زاویہ اور ٹیڑھا ہو جانے والا جبڑا اپنی جگہ پہنچادیا۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھٹنے میں لات ماری اور پھر اسے زمین پر گرا کر اس کی دھنائی کرنے لگا۔ میں دل کی ساری بھڑاس نکال لینا چاہتا تھا۔ بے شمار لوگوں نے مل کر جتنا مجھے مارا تھا۔ میں شاکر خان کو اتنا ہی مارنا چاہتا تھا۔ شاکر خان کی دھاڑیں گونج رہی تھیں۔ اور آس پاس کے لوگ

ایک بار پھر ہماری جانب دوڑ پڑے تھے۔ وہ چیخ چلا رہے تھے۔ یہ معلوم کرنا چاہ رہے تھے کہ اس شریف آدمی کا آخری وقت کیوں آگیا ہے؟ کچھ نے میرے جسم کو ہاتھ لگانے کی کوشش بھی کی تھی تو میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا تھا:

"اگر کسی نے قریب آنے کی کوشش کی تو میرے پاس پستول ہے۔ چھ آدمیوں کو ہلاک کردوں گا۔ ورنہ پیچھے ہٹ جاؤ۔" میں نے اس طرح جیب میں ہاتھ ڈالا جیسے پستول نکال رہا ہوں۔ اور بہادر افراد پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن اتنی دیر میں پولیس گاڑی کا سائرن سنائی دیا۔ نیلے رنگ کی روشنی گردش کرتی ہوئی ہمارے قریب آکر رک گئی اور اس میں سے کئی پولیس والے کود کر باہر نکل آئے۔ پھر انہوں نے مجھے گھسیٹ کر اوپر اٹھایا اور شاکر خان کی جان چھوٹی تھی۔

"کیا ہوا ----؟" کیا بات ہے؟ کیا ہوگیا۔"

"ایک اے ایس آئی نے پوچھا اور شاکر خان بری طرح کراہتے ہوئے بولا:

"دن دھاڑے ڈاکہ زنی۔ میں اس کی ٹیکسی میں آرہا تھا کمبخت نے یہاں مجھے پستول دکھایا اور بولا کہ جو کچھ ہے نکال کر اسے دے دوں۔ ٹیکسی روک لی تھی اس نے۔ میں اتر کر بھاگا تو اس نے ٹانگ مار کر مجھے گرا لیا اور اس کے بعد یہ مجھے مارنے لگا۔ حد ہوگئی ہے یہ دیکھو بھرے پرے بازاروں میں اب یہ ہونے لگا ہے۔ آہ مجھے اٹھاؤ ہسپتال پہنچاؤ۔ ہمارے ہاں کی پولیس بالکل ناکارہ ہے۔ میں کیس کروں گا پولیس پر بھی۔"

"پھر اچانک ہی مجھے ایک آواز سنائی دی۔ "ہاں۔" تمہارا پولیس پر کیس کرنا ضروری ہوگیا ہے شاکر خان۔ "اٹھا اس کتے کو۔ ہتھکڑی ڈال دو اس کے ہاتھ میں۔" یہ الفاظ میرے لئے اجنبی تھے۔ لیکن آواز شناسا تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا اور ایک لمحے کے لئے دل میں خوشی کی لہر پھوٹ اٹھی۔ نیو ٹاؤن تھانے کا وہی ایس ایچ او تھا جس کے پاس میں اور شاکر خان دونوں جاچکے تھے۔ ایس ایچ او نے مجھے دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

"پہچان لیا؟"

"جی سر۔" میں نے جواب دیا۔

"چلو پھر۔ لے چلو اسے۔ تھانے چل کر بات کریں گے۔ تم بھی کافی زخمی معلوم ہورہے ہو؟ ٹیکسی چلا کر لاسکو گے؟ اگر نہ لاسکو تو میں کسی سپاہی کو تمہاری ٹیکسی میں بٹھا

دوں۔ تم میرے ساتھ کار میں آجاؤ۔"

"نہیں سر۔ میں ٹھیک ہوں۔ میں ٹیکسی لے کر تھانے آرہا ہوں۔" میں نے کہا۔

اس غیر متوقع افتاد پر شاکر خان کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ تقدیر خراب تھی کہ پولیس والا بھی ملا تو وہ جو اسے پہچانتا تھا۔ بہرحال میں نے اپنی ٹیکسی لی اور ایس ایچ او نے شاکر خان کو پولیس کار میں ٹھونس لیا۔ اور اس کے بعد پولیس کار اسٹارٹ ہوکر چل پڑی۔ اور میں یہ سوچنے لگا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو تقدیر نے کم از کم اس بار میرا ساتھ ضرور دیا ہے اور میں تقدیر کے اس احسان کو بھول نہیں سکتا۔ ایس ایچ او کا اس طرح آجانا تقدیر کی مہربانی تھی۔ حالانکہ یہ علاقہ بھی مختلف تھا۔ بہرحال آگے پولیس کار تھی اور پیچھے میری ٹیکسی۔ ہم نیو ٹاؤن تھانے میں داخل ہوگئے۔ شاکر خان کو اس سنگین صورتحال کا اندازہ ہوگیا تھا۔ ایس ایچ او نے اسے نیچے اتارنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا:

"اسے ڈرائنگ رم میں لے چلو۔ میں آتا ہوں ابھی۔" اور شاکر خان کو پولیس والے اندر لے گئے۔ ایس ایچ او نے مجھ سے کہا:

"آؤ منصور! تمہارا نام مجھے یاد ہے اس سے سمجھ لو کہ تمہاری شخصیت نے میرے دل پر کتنا گہرا اثر کیا ہے اور پھر اگر تم آج کل میں نہ ملتے تو تمہارا پتہ میرے پاس تھا۔ میں نے ظہور خان سے کہا تھا کہ میرا پیغام تمہیں دے دو کہ آکر مجھ سے مل لو۔"

"سر برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔" میں نے کہا۔

"آؤ آؤ بیٹھو پہلے یہ بتاؤ کہ زیادہ زخمی تو نہیں ہوئے۔ میں یہ ابھی نہیں پوچھوں گا کہ معاملہ کیا ہے؟ اگر زیادہ چوٹیں لگی ہوں تو۔"

"بہت سے لوگوں نے مل کر مارا ہے سر! بدن کے کچھ حصے درد کررہے ہیں۔"

"میں تمہارے لئے کافی بنواتا ہوں۔ چائے تو فوراً مل سکتی ہے۔ کافی میں پانچ سات منٹ لگ جائیں گے۔ بیٹھو۔ ویسے اس بار سمجھ لو تم نے بہت متاثر کیا ہے۔ پولیس والا تو خیر میں ہوں۔ لیکن اب تم نے مجھ سے دوستی کرلی ہے۔ میرا نام نادر زماں ہے کچھ کہہ رہے تھے تم۔ بات بیچ میں رہ گئی۔"

"جی سر! میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آپ نے پولیس میں ملازمت کیوں کرلی؟" میں نے کہا اور نادر زماں تعجب سے مجھے دیکھنے لگا اور پھر بولا:

"مطلب"

"سر! اس محکمے میں آپ جیسے لوگ کم ہوتے ہیں میں آپ کی تعریف نہیں کررہا۔ اس دنیا میں کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ بس دل چاہ رہا ہے کہ کچھ کہوں۔ آپ نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا ہے۔ میں اس بات پر حیران ہوں۔ کیوں کیا ہے آپ نے میرے ساتھ یہ سلوک؟ دنیا میں کون کسی کے ساتھ کچھ کرتا ہے۔ سب اپنے اپنے مفاد کے حامی ہیں۔"

"جذباتی نہ ہو' ارے الہ دین کہاں ہو بھائی؟ کافی چاہیے فٹافٹ۔" الہ دین دروازے کے باہر موجود تھا۔ باہر سے آواز آئی۔

"سر ابھی آئی۔ آپ کی آواز نکلتے ہی میں نے کہہ دیا تھا۔"

"کافی میں یہیں بنو الیتا ہوں۔ سارا سامان موجود ہے۔ ویسے تو چائے کا ہوٹل سامنے ہی ہے۔ مگر جب کافی کا موڈ ہوتا ہے تو اور پھر یہ الہ دین کافی بڑی عمدہ بناتا ہے۔" میں نے ایک بار پھر شاکر خان کے دیئے ہوئے ٹشو سے اپنے ہونٹ خشک کئے۔ اور ٹشو میز کے پاس رکھی باسکٹ میں ڈال دیا۔

"اب بتاؤ قصہ کیا ہوا تھا؟" نادر زماں نے پوچھا۔ اور میں نادر زماں کو ساری تفصیل بتا دی۔ نادر زماں کے چہرے پر نفرت کی لکیر پھیل گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "لڑکی کا حلیہ یاد ہے؟"

"کافی حد تک۔"

"خیر! نہیں بھی ہوتا تو ہمارا یار ہی ہمیں اس کا حلیہ بھی بتاتا۔ اور پتہ بھی وہی بتائے گا۔ تمہارے سامنے ہی بتائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا فکر مت کرو۔ پہلی بار تو وہ مجھے رگڑا دے گیا تھا۔ تعلقات تو ہیں اس بدمعاش کے اس میں کوئی شک نہیں۔ اس طرح کے لوگ کچھ ایسے لوگوں کے چمچے بن جاتے ہیں جو ان کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اصل میں پولیس بھی تو یہ کہتے کہتے تھک گئی۔ اخبار والے مستقل اس بارے میں لکھتے ہیں۔ مگر تم جانتے ہو منصور کہ یہاں کوئی کسی کی نہیں سنتا۔ جس کا پاؤں بھاری ہوا' بس اس کا کام بن گیا۔ باقی سب خیریت ہے۔ پچھلی بار ایک ایسے آدمی نے اس کے بارے میں فون کروایا جس کی بات مجھے ماننی پڑی۔ اور پھر چونکہ معاملہ اتنا سنگین نہیں تھا۔ اس لئے

چھوڑنا پڑ گیا حالانکہ بعد میں وہ معاملہ بڑا سنگین ہو گیا پتہ ہے کیا ہوا؟"

"نہیں سر! مجھے کیا معلوم۔" میں نے کہا اور نادر زماں ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"ہاں واقعی تمہیں کیا معلوم؟ اصل میں ہوا یہ کہ اسے تو مجھے فوری چھوڑنا پڑا۔ وہ بچی یوں سمجھ لو میری اپنی بچی تھی۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ سکھر سے بغیر کسی کو بتائے ہوئے آئی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بات آگے بڑھاتا ہوں۔ تو کہیں حیات علی شاہ صاحب یا میرے دوست رحمت علی کو اعتراض نہ ہو۔ میں نے مصلحت سے کام کیا اور اچھا ہی کیا۔

میں نے شاکر خان کو چھوڑا اور پھر یہاں سے رحمت علی کو ٹرنک کال کرائی۔ وہاں پر رضوانہ کی گمشدگی کی پوری پوری چھان بین ہو رہی تھی وہ لوگ اپنی عزت بچانے کے لئے بات کو دبائے ہوئے تھے اور بہت کچھ کر رہے تھے میں نے رحمت علی شاہ سے ٹرنک کال کر کے اس پر بات کی۔ تو اس نے کہا میں رضوانہ کو ساتھ رکھوں؟ وہ آرہا ہے اصل میں معمولی لوگ نہیں ہیں وہ۔ رحمت علی شاہ نے تو الیکشن میں بھی حصہ لیا تھا۔ وہ بس چار چھ ووٹوں سے ہار گیا۔ بڑی عزت ہے وہاں اس کی۔ حیات علی شاہ بھی بہت شریف آدمی ہیں۔ بچی بھی بری نہیں ہے یقین کرو۔ بڑی شریف لڑکی ہے بس فلم اور ٹیلی ویژن کی چمک دمک دیکھ کر نادانی کر بیٹھی۔ پڑھتی تھی دوست لڑکیوں نے کہا اس میں ہیروئن بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ جس عمر سے اس کا تعلق ہے وہ بڑی خطرناک عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں انسان اپنے آپ کو ذہین اور تجربہ کار سمجھتا ہے۔ چونکہ وہ تجربے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکا ہوتا ہے۔ لیکن بعد کی سیڑھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا وہ۔ اس عمر میں بندہ اگر سنبھل جائے۔ لڑکا ہو یا لڑکی۔ تو آگے چل کر زندگی بہتر ہوتی ہے۔ اور اگر کہیں پہلی ہی سیڑھی سے لڑھک گیا تو سمجھ لو گیا۔ بات اس لئے دبا دی تھی میں نے۔ اب پتہ ہے کیا ہے؟ شاہ صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی گلشن اقبال میں ان کی ایک شاندار کوٹھی ہے۔ مجھ سے بات چیت ہوئی۔ کہنے لگے میں نے بہت اچھا کیا کہ اس مسئلے کو اچھالا نہیں۔ لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا تھا اس ٹیکسی ڈرائیور سے وہ ملنا چاہتے ہیں جس نے ان کی عزت بچائی اور اس شاکر خان بدمعاش کو شاہ صاحب نے یہ کہا کہ اسے تو میں لاکھ دو لاکھ خرچ کر کے گولی سے اڑوا دوں گا۔ بڑی مشکل سے میں نے

شاہ صاحب کو اس بات کے لئے تیار کیا کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں تو اچھا ہے ورنہ مجھے بھی پریشانی اٹھانا پڑے گی۔ بہرحال میں نے انہیں تیار کرلیا۔ اور اس کی جان بچ گئی۔ لیکن اب تم فکر مت کرو میرے دوست اب میری باری ہے میں دیکھو گا کہ اس بار یہ اپنے کون سے تعلق سے کام لیتا ہے۔ آؤ ذرا میرے ساتھ کچھ گپیں لڑاتے ہیں اپنے یار سے۔ ڈرائنگ روم کا جائزہ بھی لے لو۔ اتنی دیر میں کافی تیار ہو جائے گی۔ بلکہ میں الہ دین سے کہہ دیتا ہوں کہ کافی ڈرائنگ روم میں ہی پہنچا دے۔"

میں خاموشی سے نادر زماں کے ساتھ اٹھ گیا اور آہستہ آہستہ ہم دونوں آگے بڑھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ شاکر خان ایک بینچ پر بیٹھا ہوا تھا اور اب واقعی وہ کچھ نروس نظر آرہا تھا نادر زماں نے کہا۔

ہاں بھئی خان صاحب فون منگواؤں؟ اب کسے فون کرنا ہے؟"

"یہ سراسر ظلم ہے پولیس کا روایتی انداز ہے۔ ایس ایچ او صاحب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ مجھے مار رہا تھا۔ میں زمین پر پڑا ہوا تھا اور یہ میرے سینے پر چڑھائی میری پٹائی کر رہا تھا اور ایس ایچ او صاحب اس نے لوگوں کو دھمکی بھی دی تھی کہ اگر کوئی قریب آیا تو یہ ان میں سے چھ آدمیوں کو مار دے گا۔ اس کی جیب میں پستول ہے۔ یہ ساری باتیں دیکھنے کے باوجود آپ اس کی طرف داری کر رہے ہیں؟"

"مگر خان صاحب اس کے بدن پر بھی تو چوٹیں ہیں۔ چوٹوں سے خون نکل رہا ہے۔ یہ کیسے ہوا؟"

"ایک لڑکی کو ٹیکسی میں لے کر فرار ہو رہا تھا یہ بدمعاش۔ لڑکی کے شور مچانے پر اس نے گاڑی روکی۔ اور لوگوں نے اس کی پٹائی کردی۔ میرا اس میں کیا قصور ہے؟"

"نہیں! ابھی آپ نے تھوڑی دیر پہلے یہ بیان دیا تھا کہ یہ آپ کو لوٹ رہا تھا اور آپ سے قیمتی چیزیں چھیننا چاہ رہا تھا۔ لڑکی کے بارے میں آپ کو کیسے معلوم ہوگیا؟" ایس ایچ او نے سوال کیا۔

"وہ بس! آس پاس کے لوگ بتا رہے تھے۔" اس بار شاکر خان ذرا بوکھلا گیا۔

"آپ کو بتا رہے تھے؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" شاکر خان نادر زماں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ظہور خان، ظہور خان۔" نادر زماں نے باہر کی طرف منہ کرکے آواز دی اور ایس آئی ظہور خان اندر آگیا۔

"ہیروین کی تھیلیاں برآمد کرو اس کی جیب سے اور فوری طور پر روزنامچہ بناؤ۔ دو گواہوں کے نام بھی لکھ لو میں بتاتا ہوں۔ یہ ہیروئن بیچ رہا تھا۔ پولیس نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ دیکھتا ہوں اس بار یہ کس کی سفارش لگاتا ہے؟ ارے اس کمبخت کی تو ایسی کم بختی آسکتی ہے کہ اسے اپنے خاندان کو بچانا مشکل ہو جائے گا، میں اس کی زندگی بچانا چاہتا ہوں۔ چلو ظہور خان روزنامچہ تیار کرو۔ سن لیا تم نے شاکر خان اور سنو اب فون نہیں کرسکو گے یہاں سے۔ جب تک کہ پورا کیس مکمل نہیں ہوجائے گا۔ کتنی لڑکیوں کو خراب کیا ہے تم نے؟ کتنے لوگوں کا مال لوٹا ہے۔ ساری تفصیل نہ اگلوا لی بیٹا تو نادر زماں نام نہیں۔ ہیروئن کے کیس میں کم از کم تین سال کی سزا کراؤں گا آجاؤ مقابلے پر، دیکھتا ہوں کتنا آگے لڑتے ہو۔ ارے! اگر ایسے پولیس کی نوکری کرنی پڑی نا تو کرلی ہم نے نوکری۔"

"ٹھیک ہے ایس ایچ او صاحب۔ ظلم کرلو اللہ کے ہاں تو جواب دینا ہی پڑے گا۔" شاکر خان مظلوم لہجے میں بولا:

"اللہ ہی تمہیں غارت کرے گا لوگوں کے ساتھ ایسے سلوک کرکے بھی تم اللہ کا نام لیتے ہو؟ بابا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آخر کار اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم پر اللہ ہی کی طرف سے تباہی نازل ہوگی۔ معاشرہ اس قدر بگڑ گیا ہے۔ لوگ اتنے برے ہو گئے ہیں کہ نعوذ باللہ جوا کھیلنے والا بھی اللہ کا نام لے کر داؤ لگاتا ہے۔ توبہ توبہ اللہ ہمارے گناہ معاف کرے۔ ظہور خان چلو اس بدمعاش کو بند کردو۔ پہلے اس کے لباس کی تلاشی لے کر اس کی جیبیں خالی کرالو اور اگر یہ حوالات میں خود کشی بھی کرلے تو میں اس کی ذمہ داری سنبھالنے کو تیار ہوں۔ آؤ یار اگر میرا ڈنڈا اٹھ گیا اس پر تو ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ یہ میں نہیں کرنا چاہتا۔ میری عادت بھی نہیں ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ نرمی سے ہی کام چل جائے۔ آجاؤ موڈ خراب کردیا ہے اس نے۔" اور پھر نادر زماں دوستانہ انداز میں میرا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ نادر زماں نے بڑی عزت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بولا:

"پہلے کافی پیتے ہیں۔ پھر باتیں کریں گے۔" بہرحال میں نے نادر زماں کے ساتھ خاصا وقت گزارا۔ شاکر خان جیسے آدمی کے لئے نادر زماں نے معقول بندوبست کر دیا تھا۔ اس نے کہا:

"اس مسئلے کو تو جانے دو۔ اس کا تو میں کام ہی دوسرا کر رہا ہوں۔ لیکن رحمت علی شاہ صاحب آئیں گے تو تمہیں بلانا پڑے گا۔ پتہ تو تمہارا ہے میرے پاس۔ مگر تم ٹیکسی چلاتے ہو۔ اگر کوئی میسج دینا ہو تمہارے لئے کسے دیا جائے؟"

"ٹیکسی کا مالک یار محمد نامی ایک شخص ہے اس کا پتہ بھی آپ لکھ لیجئے۔ شام کو بہرحال اس سے ملاقات ہوتی ہے۔ میرا مطلب ہے رات کو۔ میں اسے معاوضہ ادا کرتا ہوں۔"

"ہاں پتہ لکھوا دو۔ ایسے ٹیکسی تمہاری اپنی نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"خیر! تم سے تمہارے بارے میں کبھی بعد میں پوچھیں گے۔ یہ بتاؤ؟ کوئی اور ضرورت تو نہیں ہے؟"

"نہیں! نادر زماں صاحب شکریہ! صرف ایک بات کہہ کر آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو؟ کیا بات ہے؟"

"پتہ نہیں! بھیڑیوں کے اس جنگل میں ایک انسان سے ملاقات کہاں سے ہو گئی۔ اپنے نظریات کو تبدیل کرنا چاہتا تھا لیکن آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ آپ کو بھیڑیوں کے جنگل میں نہیں بلکہ انسانوں کے درمیان سمجھوں۔" نادر زماں نے کھڑے ہو کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"نہیں میرے دوست! دنیا سے اتنا بددل ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہاری زندگی میں کچھ ایسی ہی باتیں ہوں۔ جنہوں نے تمہیں دنیا کے بارے میں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن بزرگوں کا کہنا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ خدا ابھی اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہے۔ اپنا مت سوچنا۔ سمجھے؟ زندگی

میں کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں جو انسان سے اس کی اچھائیاں چھین لیتے ہیں۔ تم ایک نفیس آدمی ہو مجھے دیکھو پولیس کی نوکری کر رہا ہوں۔ پولیس کے تصور کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں ایک وحشی کا تصور ابھر آتا ہے۔ یقین کرو میں پولیس کی وکالت نہیں کر رہا سچ کہہ رہا ہوں۔ کبھی کبھی ہمیں خونخوار گیدڑوں سے نمٹنے کے لئے بھیڑیا بننا پڑتا ہے۔ نہ بنیں تو چالاک گیدڑ حملے کرتے رہتے ہیں اور انسان اذیت کا شکار ہو کر نہ جانے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھاتا ہے۔ بہرحال مجھ سے ملتے رہنا۔ دنیا میں ہر شخص کو دوستوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا سمجھے؟ اگر ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہارے خیالات میں کوئی تبدیلی لاسکا تو مجھے دلی خوشی ہو گی۔"

میں نے اس سے پرجوش مصافحہ کیا اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر تھانے کی عمارت سے باہر نکل آیا۔ میرے ذہن میں بھنور پڑ رہے تھے۔ دنیا بہت بری ہے۔ بہت ہی بری۔ اگر اس بری دنیا میں ایک آدھ اچھا انسان نکل آتا ہے تو جو اذیتیں اٹھائی ہیں انہیں نظرانداز کر دینا یا فراموش کر دینا عقل کی نشانی نہیں ہے۔ جب بھی دل میں گداز پیدا ہو گیا۔ دنیا سے جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ اسی وردی میں ملبوس کسی اور نے عدالت میں کھڑے ہو کر میری ماں کے قاتل کو صاف بری کرا دیا تھا۔ میں یہ بات نہیں بھول سکتا تھا۔ وہ جو اپنا حق وصول کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا جتن کر کے میری تعلیم پوری کرا رہی تھی۔ جس کی آنکھوں میں آرزوؤں کے چراغ روشن رہا کرتے تھے۔ اور جو کہتی تھی کہ منصور بڑا ہو جا۔ مجھے تجھ سے وکالت کرا کے اپنا حق وصول کرنا ہے۔ آہ کاش اتنا نہ چھپاتی خود کو۔ مرنے کے بعد ہی سہی۔ میں اس کی اس خواہش کی تکمیل تو کر دیتا۔ میں اب کس سے جا کر سر پھوڑوں؟ مجھے معاف کرنا نادر زماں۔ تم اس دنیا کے اچھے انسان ہو۔ تم نے میرے خیالات میں اتنی تبدیلی بے شک کر دی کہ جب کبھی سلگتے ہوئے سینے کو ٹھنڈک کے چند قطرے درکار ہوں تو تمہارے پاس آجاؤں' ورنہ اس سے پہلے تو میری سوچوں کے دروازے ہی بند ہو گئے تھے۔ البتہ مجھے معاف کرنا میرے دوست میں دنیا کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کر سکتا۔ میرے جسم میں جتنا درد ہے تم اسکا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ارے ان لوگوں نے مجھے بلاوجہ مارا۔ وہ کم بخت دھوکے باز لڑکی تھی اس نے مجھ پر گھناؤنا الزام لگایا۔ اور عورت کے وفادار کتے بھبھوڑنے لگے۔ یہ نہیں سوچا انہوں نے کہ پوچھ تو لیتے

مجھ سے کہ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ بہت سے ایسے جواب دے سکتا تھا میں جو انہیں مطمئن کر دیتے۔ لیکن بات ایک لڑکی کی تھی اور جب کوئی خوبصورت اور نوجوان لڑکی ایسی کیفیت کا شکار ہو تو نہ جانے کیوں لوگ دیوانے ہوجاتے ہیں؟ بدن اکڑ رہا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ بس جس طرح بھی بن پڑے گھر پہنچ جاؤں۔ اور آنکھیں بند کرکے گہری نیند سو جاؤں۔ آج اس کے علاوہ اور کچھ دل نہیں چاہ رہا تھا بدن کی تکلیف دے رہی تھی۔ میں اپنے گھر سے تھوڑے فاصلے پر تھا کہ اچانک کسی جانب سے ایک لڑکی نکل کر میری ٹیکسی کے بالکل سامنے آگئی۔ اگر پھرتی سے بریک نہ لگا دیتا۔ تو ایک اور مصیبت گلے پڑ جاتی۔ پارہ چڑھ گیا اور میں نے غرا کر کھڑکی سے گردن نکالی اور کہا:

"مرنے کے لئے میری ہی ٹیکسی رہ گئی تھی۔ ارے اگر مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو جا کسی گٹر میں ڈوب کر مرجا۔ کسی ٹرک کے نیچے آجا۔" لڑکی جلدی سے میری قریب آگئی۔ اور رندھی ہوئی آواز میں بولی:

"خدا کے لئے مجھے جناح ہسپتال تک پہنچا دیجئے۔ میرا اسپتال پہنچنا بہت ضروری ہے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے لائف سیف انجکشن لے آؤں۔ اس کے بعد ہی کچھ ہوسکتا ہے۔ دیر ہوگئی تو میرے بھائی کی زندگی کے لئے ---> وہ سسکنے لگی۔

"مجھے نہیں جانا۔ دفعہ ہوجاؤ یہاں سے۔"

"دیکھئے پلیز دیکھئے آپ کو خدا کا واسطہ' دیکھئے آپ میری بات سنئے۔ میں نہ جانے کیا کیا جتن کرکے یہ انجکشن لے کر آئی ہوں۔ آپ دیکھ لیجئے یہ میرے پاس ہے۔ چھ ہزار روپے خرچ کئے ہیں میں نے اس کے لئے۔ آہ اگر دیر ہوگئی تو تو ---- آپ میری بات مان لیجئے۔ میں کسی سے لفٹ نہیں لے سکتی۔ وقت اتنا ہوگیا ہے کہ دیکھئے میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔""

"کتنے پیسے ہیں جیب میں؟"

"خدا کے لئے۔ آپ کو خدا کا واسطہ دیکھئے یہ انجکشن خریدنے میں میرے۔" لیکن میں نے اس کا پورا جملہ نہیں سنا۔ وہ اس ڈائریکشن میں کھڑی ہوئی تھی کہ اگر میں ٹیکسی آگے بڑھاتا تو وہ گر کر کچل بھی سکتی تھی۔ اس نے زور سے کھڑکی پکڑی تھی۔ میں نے

ٹیکسی کو ریورس گیئر لگایا دانت بھینچ کر اسے پیچھے کیا۔ اور لڑکی جھونک میں دوڑتی ہوئی آگے آئی۔ اور گھٹنوں کے بل گر پڑی میں نے گاڑی فرسٹ گیر میں ڈال کر اسٹیرنگ پورا کاٹا۔ اور لڑکی کو وہیں چھوڑ کر برق رفتاری سے چل پڑا۔ اس وقت دنیا کی کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تھی بس گھر جاکر بستر پر لیٹ جانے کو دل چاہتا تھا۔ کوئی بہت ضروری مسئلہ بھی نہیں تھا یار محمد سوچ لے گا کہ آج دیر تک کام کر رہا ہوں۔ سوچتا ہے تو سوچتا رہے۔ اس سے پہلے بھی میں حساب کتاب دینے کے لئے کئی بار اس کے گھر نہیں گیا تھا اور دوسرے دن پہنچا تھا لیکن اس نے یہ سوال کبھی نہیں کیا تھا کہ میں اسے حساب دینے کیوں نہیں آیا؟ بہرحال جیسے تیسے گھر پہنچا ٹیکسی لاک کی۔ پھر گھر کا دروازہ کھولا۔ اور جوتے اتارے بغیر ہی چارپائی پر جاگرا۔ نیند تھی کہ بے ہوشی۔ ایسی نیند طاری ہوئی کہ صبح ہی کو آنکھ کھلی۔ سامنے والے روشن دان سے دھوپ کی کرنیں میرے چہرے پر آرہی تھیں۔ خاص طور سے میں اپنی چارپائی اس ڈائریکشن میں ڈالی تھی۔ کیونکہ اس طرح صبح کو جلدی آنکھ کھل جاتی تھی۔ صبح کو میں اپنے لئے خود ہی ناشتہ بناتا تھا۔ اور اس کے بعد تھوڑی دیر اسٹڈی کرتا تھا۔ پھر پڑھنے چلا جاتا تھا۔ لیکن اس وقت یہ دھوپ بہت بری لگی۔ بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا جن حصوں پر مار پڑی تھی وہ ایسے محسوس ہو رہے تھے جیسے پک گئے ہوں۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ آج آرام کروں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے اگر زیادہ ہی ضرورت پیش آئی تو ڈاکٹر سے جا کر مل لوں گا۔ بخار کی سی کیفیت محسوس ہورہی تھی۔ بہرحال ایسے ہی بے دلی کے انداز میں پڑا رہا۔ یکایک خیال آیا کہ آج تو اتوار ہے۔ کالج بند ہوگا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں اس تھکن اور تکلیف سے اس طرح مفلوج ہوگئی تھیں کہ دن تک یاد نہیں رہا تھا۔ ہفتے کی رات کو عموماً میں اس روشن دان پر کپڑا ڈال دیا کرتا تھا۔ تاکہ اتوار کی صبح کو ذرا دیر تک سونے کا موقع مل جائے۔ لیکن رات کو جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد سب کچھ ہی بھول گیا تھا۔ اور اس وقت اپنی بھول پر غصہ آرہا تھا۔ آنکھیں بند کرکے کروٹ بدلی۔ لیکن وہ عادت بد جو پڑگئی تھی دور ہونے کے لئے نہیں تھی۔ اس نے پھر دوبارہ نیند نہ آنے دی۔ بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس وقت کوئی گرم گرم چائے بستر پر لا کر پلادے۔ اس وقت کی چائے میرے لئے آب حیات ہوتی گھر میں مٹی کے تیل کا چولہا' چائے کا سامان سب کچھ ہی موجود تھا۔ ٹی بیگ لا کر

رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ خشک دودھ بھی کیونکہ دودھ کی عیاشی میں نہیں کر سکتا
تھا۔ کون لینے جاتا۔ کون لے کر آتا۔ دودھ والے سے بھی کہا جاتا تو بھلا گھر میں ہوتا ہی
کون تھا؟ بہرحال اس وقت بدن بالکل اجازت نہیں دے رہا تھا کہ میں اٹھ کر چائے
بناؤں۔ لیٹے لیٹے اچانک ہی مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ کیا دنیا میں کوئی اور بھی میری
طرح تنہا ہوگا؟ کائنات میں ماں کے تصور کے علاوہ میرا کچھ بھی نہیں ہے۔ ماں بھی روٹھ
کر منوں مٹی کے نیچے گئی ہے۔ بس میں ہی جا کر اس سے بات کرلیتا ہوں۔ دل کی بھڑاس
نکال لیتا ہوں۔ کون ہے میرا اس دنیا میں؟ جس سے میں بات کرتا۔ دنیا کو اپنے ماں باپ پر
ناز ہوتا ہے۔ باپ کا تصور تک نہیں ملا تھا مجھے۔ اور ماں! جس سے اس بیوفائی کی امید
نہیں تھی۔ بیوفائی کرگئی تھی کیوں نہیں سوچا اس نے کہ میرے اردگرد کوئی نہیں ہے۔
اس وقت تنہائی کا یہ احساس میری آنکھوں میں نمی پیدا کر رہا تھا لیکن اچانک ہی میں نے
اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ آنکھوں میں اگر نمی آجائے تو سارے وجود کی آگ بجھ جاتی
ہے۔ یہ میرا فلسفہ تھا۔ آنکھوں میں نمی کبھی نہ آنے دو۔ ورنہ سارے ارادے بھیگ
جاتے ہیں۔ اور پھر ان میں کوئی پائیداری نہیں رہتی۔ میرے دل میں اس دنیا کے لئے
نفرت کا جو زہر بھر گیا تھا اس نے مجھے انسانوں سے بہت دور کردیا تھا۔ یہاں تک کہ کالج
میں بھی میری کسی سے شناسائی نہیں تھی۔ کچھ لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ میں ٹیکسی
چلاتا ہوں اور وہ جو والدین کی کمائی پر بوڑھے ہوئے تھے مجھے مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھتے
تھے۔ وہاں قدرت نے ان کی زندگی کی حفاظت کے لئے ان کی زبانوں پر تالے لگا دیئے
تھے۔ مگر ان میں سے کوئی میرا مذاق میرے سامنے اڑانے کی کوشش کرتا تو شاید اسے
زندگی کے سب سے تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑتا۔ بہرحال ان تمام احساسات نے ایک بار
پھر دل میں نفرت جگا دی۔ اور اس نفرت کے احساس نے بدن کی دکھن کے احساس کو نگل
گیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سب کچھ بھول کر باورچی خانے کی طرف چل پڑا۔ پھر
معمول کے مطابق پورا ناشتہ کیا تھا گویا کہ اب ذہن سے شرافت کا وہ بوجھ ہٹ گیا تھا جو
بدن کی دکھن کا احساس دلا رہا تھا۔ جس شخص نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا تھا نادر زماں
جیسا ایماندار پولیس آفیسر اسے آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔ اور اسے اس کا صلہ مل
جائے گا۔ باقی دنیا سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ویسے دل میں خیال ضرور آیا تھا کہ

نیوٹاؤن تھانے جا کر ذرا نادر زماں سے معلوم کروں کہ جناب شاکر صاحب کے ساتھ اس
نے کیا سلوک کیا اور شاکر خان صاحب نے اسے کون کون سی دھمکیاں دی ہیں۔ البتہ
نادر زماں جیسے جواں مرد سے اس بات کی امید تھی کہ وہ اس بار کسی بھی قیمت شاکر خاں
کو نہیں چھوڑے گا۔ مزید یہ کہ وہ خود سکھر کا رہنے والا تھا اور وہ لڑکی اس کے دوست کی
بہن تھی مگر مچھ مختلف قسم کے ہوتے ہیں بس وہی طاقت کے توازن کی بات ہے بے شک
شاکر خان کے بارے، میں نادر زماں نے بھی یہ اعتراف کیا تھا کہ شاکر خان کے بارے میں
ٹیلی فون موصول ہونے کے بعد اسے چھوڑنا پڑا تھا لیکن ہر شخص اپنا کام صحیح انداز میں کرنا
جانتا ہے شاکر خان اس بار پھنس گیا تھا اور نادر زماں اسے آسانی سے چھوڑنے والا نہیں
تھا وہ اپنے دریا میں تھا اور اس دریا کا مگرمچھ تھا دل سے فوراً یہ خیال نکال دیا۔ مگرمچھ
کہیں بھی ہو خونخوار ہوتا ہے کسی کی وقتی محبت سے متاثر ہو کر کوئی تصور قائم کرلینا
نقصان اٹھانے کی ابتدا ہوتی ہے۔ نمی آنکھوں میں ہو یا دل میں وجود کی آگ کو ٹھنڈا
کردیتی ہے اور وجود کی آگ ٹھنڈی ہوگئی تو سارا کھیل ہی ختم ہو جائے گا ابھی تو اس
کھیل کی ابتدا بھی نہیں ہوئی ہے۔ بہرحال یہ جذباتی خیالات ذہن سے نکالے اور اتوار
منانے لگا۔ چاہتا تو ٹیکسی نکال کر سڑکوں پر کمائی کی تلاش میں نکل جاتا خرابی پیدا ہوئی تھی
تو بس اتنی کہ دولت جمع کرنے کا تصور ذہن میں بیدار نہیں ہوا تھا اور ضرورت کے مطابق
پیسے کما کر اپنا کام چلانا چاہتا تھا۔

بہرحال نادر زماں کے پاس جانے یا شاکر خان کے انجام کے بارے میں معلومات
حاصل کرنے کا فیصلہ ملتوی کردیا۔ نادر زماں کا کام نادر زماں جانے۔ زیادہ دوستیاں نقصان
بھی پہنچا سکتی ہیں اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ چنانچہ پھر یہ فیصلہ کیا کہ یار محمد کے گیراج
کو ہی پہنچا جائے۔ اسے حساب کتاب دیا جائے۔ پھر جو دل میں آئے گی وہ کروں گا۔ یہ
سوچ کر تیاریاں کیں، ٹیکسی لے کر یار محمد کے گیراج کی طرف چل پڑا۔ گیراج کیا تھا بس
ایک چھوٹی سی گلی میں اس نے ٹول وغیرہ رکھ چھوڑے تھے وہیں تھوڑا بہت گاڑیوں کی
مرمت کرلیا کرتا تھا۔ باقی شاید اس کی اور ٹیکسیاں بھی تھیں میں نے کبھی اس سے اس
بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ یار محمد کے گیراج کے بالکل سامنے ایک بوسیدہ سے مکان کے
سامنے زمین پر دری بچھی ہوئی تھی اور کچھ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے خود یار محمد بھی وہیں

تھا۔ مکان کے اندر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دکھے ہوئے دل نجانے کسی کے لئے رو رہے تھے۔ ٹیکسی یار محمد کے گیراج کے سامنے کھڑی کرکے میں بھی اس جانب بڑھ گیا۔ پھر یار محمد کے قریب پہنچ کر میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور وہیں دری پر بیٹھ گیا۔ یار محمد نے مجھے دیکھا۔ اور ہونٹ سکیڑ کر گردن ہلائی' پھر بولا:

"بیٹھو۔"

"کون مرگیا یار محمد؟"

"ایک خاندان مرگیا۔ سمجھ لو ایک خاندان مرگیا۔"

"کیوں فلسفہ بگھار رہے ہو' کوئی رشتے دار ہے تمہارا؟"

"رشتے ناتے کیا ہوتے ہیں منصور' بس دنیا میں رہنے والے ایک دوسرے سے رشتوں کا مذاق کرتے ہیں لڑکا تھا عمر زیادہ نہیں تھی۔ لیکن مسائل انسان کو اندر سے کھوکھلا کردیتے ہیں اب عمر کا مسئلہ نہیں رہ گیا ہے تم تو اخبار وغیرہ زیادہ ہی پڑھتے ہوگے ہر طرح کی تکلیف ہر عمر کے انسان کو ہوجاتی ہے پہلے تو یہ کہا کرتے تھے کہ دل کا مرض بڑے آدمیوں کی میراث ہے اور دل کے دورے سے جو موت ہوا کرتی تھی وہ بڑے آدمیوں ہی کی ہوتی تھی وجوہات کا اندازہ ڈاکٹری کتابوں میں ہوتا ہے لیکن اب سبھی دل والے ہوگئے ہیں لڑکا تھا یار کوئی ستائیس اٹھائیس سال کا' سارے گھر کی آرزوؤں کا مرکز تھا بوڑھی ماں اور بوڑھا باپ اور دو بہنیں' چار آدمیوں کا بوجھ اپنے شانوں پر سنبھالتا تھا۔ بوڑھا باپ جس کے یہ تین بچے تھے خود کسی کارخانے میں رات کی شفٹ میں مزدوری کرتا ہے۔ دو تین روز ہوئے جب کارخانے کی طرف سے ہی کسی کام سے باہر گیا تھا ابھی تک واپسی نہیں ہوئی کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ کہاں گیا ہے بیچارے کو نہیں معلوم کہ اس کا بیٹا اس سے بچھڑ گیا۔"

"بس جی اللہ کی مرضی کون کہا سکتا ہے ارے حکیم اللہ کو ہم بہت عرصے سے جانتے ہیں اچھا خاصا کھاتے پیتے گھرانے کا آدمی تھا مگر بھائی یہ ستاروں کا کھیل بھی عجیب ہوتا ہے تباہی آگئی بے چارے پر' مگر پھر بھی ہمت نہیں ہاری' دن رات کام کرتا رہا' بیوی سلائی کڑھائی کرتی تھی مگر بیٹے کو پڑھایا لکھایا بڑی امیدیں رکھتا تھا وہ اپنے بیٹے سے۔ مگر نہیں معلوم تھا اسے کہ زندگی بھر کے لئے جو خزانہ جمع کررہا ہے وہ ایک دن اس طرح

اچانک اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا مگر پتہ نہیں اندر کون کون سا غم پالے ہوئے تھا اچانک ہی دل کا دورہ پڑا اور بس چٹ پٹ ہوگیا۔ اور یقین کرو اتنا ہنس مکھ اور ملنسار تھا مجال ہے کسی کی کسی ضرورت کا اسے علم ہوجائے اور وہ اس کی مدد نہ کرے' تن من دھن' سے اس کے لئے مصروف ہوجاتا تھا۔"

لوگ بول رہے تھے اور میں سن رہا تھا نئی کہانی تھی۔ ایسی کہانیاں تو نجانے کہاں کہاں بکھری ہوئی ہیں۔ بہرحال انہیں سننا فرض ہوتا ہے اور میں سن رہا تھا۔ یار محمد نے کہا:

"باپ تو تھا نہیں گھر میں بہنیں تھیں۔ بیچاری شازیہ بڑی ہمت والی ہے خود ہی نجانے کیا کیا جتن کرکے ہسپتال لے گئی۔ جناح اسپتال میں دل کے امراض کے وارڈ میں داخل کیا یہ پتہ چلا تھا کہ دل کا دورہ پڑا ہے وہ کوئی انجکشن ہوتا ہے جو فوری طور پر لگایا جاتا ہے اسے زندگی بچانے والا انجکشن کہتے ہیں ڈاکٹر نے کہا کہ اس انجکشن کی فوری ضرورت ہے پتہ یہ چلا کہ پانچ چھ ہزار روپے کا ہوتا ہے بچی بیچاری جو کچھ کرسکتی تھی کررہی تھی۔ گھر میں آئی جتنے پیسے اکٹھے ہوسکے کئے' اس کے بعد نجانے کہاں کہاں بھیک مانگتی رہی' جاننے والوں سے ادھار سدھار کرکے وہ انجکشن خریدا۔ لے کر واپس آ رہی تھی چھ ہزار کا انجکشن ملا تھا بڑی مشکل سے یہ پیسے کرپائی تھی کرائے کے پیسے تک نہیں تھے بیچاری کے پاس' کیونکہ انجکشن صدر میں صرف دوا کی ایک بڑی دکان سے ملتا ہے جوان لڑکی تھی جو کچھ کررہی تھی وہی بہت زیادہ تھا۔ بہرحال وقت پر ہسپتال نہیں پہنچ سکی۔ انجکشن لے لیا تھا مگر سواری کے لئے پیسے نہیں تھے۔ جناح ہسپتال تک پیدل پہنچی مگر جب وہاں پہنچی تو تو ---" یار محمد نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور غم زدہ انداز میں گردن ہلانے لگا۔ میں خاموشی سے اس کی یہ روداد سن رہا تھا کہنے لگا۔ "بس وقت گزر چکا تھا۔"

"اصل میں بھائی وہ جو کہتے ہیں نا کہ موت ایک بہانہ ہوتا ہے جسے آنے والی ہوتی ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔"

"ہاں تو اور کیا' اب بتاؤ چھ ہزار کا انجکشن بیکار گیا تھوڑے سے پیسے اور ہوتے تو ہسپتال پہنچ جاتی۔"

"بس جی پیسے ہوتے ہی کیوں' ورنہ ہم لوگ یہ کیسے کہتے کہ موت کی وجہ کیا

ہوئی۔"

"ٹھیک کہتے ہیں مولوی صاحب۔"

دوسرے آدمی نے کہا اسی وقت دروازہ کھلا اور تین عورتیں باہر آئیں' ان میں سے ایک نوجوان لڑکی تھی' جس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں' بال بکھرے ہوئے تھے اور ہونٹ خشک تھے دونوں عورتیں اسے ساتھ لئے برابر کے گھر میں داخل ہو گئیں۔

یار محمد نے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہی تھی وہ لڑکی شازیہ جو بیچاری انجکشن لینے گئی تھی دو بہنیں ہیں بھائی ہی ان کی عزت کا رکھوالا تھا باپ بیچارے کو تو پتہ بھی نہیں کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔"

لیکن میں نے اس لڑکی کو دیکھا تھا اس کے باپ پر تو جو قیامت ٹوٹے گی وہ بعد میں ٹوٹے گی۔ لیکن جو قیامت مجھ پر ٹوٹی تھی اس وقت وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھی۔ آہ میں نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا جس نے کل میری ٹیکسی کے سامنے آکر مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اسے جناح ہسپتال پہنچا دوں۔ اس کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے بہت گڑگڑائی تھی وہ میرے سامنے لیکن اس وقت مجھ پر دیوانگی سوار تھی میرے بدن کی دکھن مجھے کچھ نہ کرنے دے رہی تھی اور میں نے نفرت کے ساتھ اس لڑکی کو ٹھکرا دیا تھا۔ وہ تھی ایک خوفناک گڑگڑاہٹ میرے وجود میں پیدا ہو گئی مجھے یوں لگا جیسے خلاء میں موجود سیارے آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ لڑکی کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور میں ایک عجیب سی وحشت میں مبتلا ہو گیا تھا لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے اور میرا پورا وجود پسینہ اگل رہا تھا میری سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ آہ اس دنیا سے نفرت بے شک کی جاسکتی ہے لیکن دنیا کے ہر فرد سے تو نہیں۔ یہ تو بہت برا ہو گیا اگر میں ذرا سی ہمت کر لیتا اگر میرے سینے میں ایک لمحے کے لئے نرمی پیدا ہو جاتی اگر میں ایک لمحے کے لیے یہ سوچتا کہ یہ کوئی طاقتور مرد نہیں ایک لڑکی ہے جو مجھ سے رحم کی بھیک مانگ رہی ہے مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں اسے ہسپتال پہنچادوں۔ میں ایک عجیب سی وحشت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ اگر میں اسے ٹیکسی میں بٹھا لیتا تو کونسی قیامت آجاتی' پیسے نہیں تھے اس کے پاس کیا فرق پڑتا ہے۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے عجیب سی کشمکش پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن یہ سب سوچنا اس وقت میرے لئے ممکن نہ

رہا۔ نجانے کس طرح ہمت کر کے میں نے یار محمد سے کہا:

"وہ یار محمد بھائی کل کے پیسے۔"

"رکھے رہنے دو اپنے پاس منصور' کل ول حساب کر لینا۔ بڑا دل دکھا ہوا ہے اصل میں بات یہ ہے کہ دنیا بہت بری ہو گئی ہے کوئی کسی کام نہیں آتا۔ بچی اگر میرے ہی پاس آجاتی تو خدا کی قسم اوقات بھر جو کچھ کر سکتا تھا ضرور کرتا کیا کہوں کیا نہ کہوں۔ اب جو باتیں کہوں گا وہ بس صرف روایتی باتیں ہوں گی کھیل بگڑ گیا اب کیا رکھا ہوا ہے۔ سب فضول باتیں ہیں بے مقصد ڈرامے بازی کی میرا دل دکھا ہوا ہے۔ پیسوں ویسوں کی بات مت کرو۔"

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹھو۔ اگر پاک صاف ہو تو جنازے میں شریک ہو جانا۔ جنازہ تیار ہے بس لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ اس بوڑھے باپ کو تو آجانے دو جس کی زندگی بھر کی کمائی ڈوب گئی۔ ہو سکتا ہے ایک کے بجائے دو جنازے اٹھانے پڑیں۔"

میں چلتا ہوں کل آؤں گا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا اور یار محمد خاموش ہو گیا۔

ظاہر ہے وہ مجھے نہیں روک سکتا تھا میں تیز تیز قدموں سے وہاں سے چل پڑا۔ نجانے کس طرح ٹیکسی لئے ہوئے آگے بڑھا۔ سر اس طرح سے چکرا رہا تھا کہ ٹیکسی چلانا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ تھوڑی سی دور پہنچنے کے بعد اس جھونپڑا ہوٹل میں جا بیٹھا جہاں اکثر بیٹھا کرتا تھا کانوں میں عجیب و غریب آوازیں گونج رہی تھیں اگر وقت پر لائف سیو انجکشن ڈاکٹروں کے پاس پہنچ جاتا تو ممکن ہے اس کی جان بچ جاتی لیکن میرا کیا قصور تھا؟ اس میں۔ اس کی موت کو نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس لڑکے کو مرنا تھا میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا تھا وہ لڑکی بھی تو لڑکی ہی تھی جس نے میری ٹیکسی میں بیٹھ کر مجھ پر گھناؤنا الزام لگایا تھا اب مجھے کیا معلوم کہ یہ کوئی ستی ساوتری ہے۔

کیا دیا ہے اس دنیا نے مجھے نجانے کتنے لوگ کس کس طرح اس دوران مر چکے ہوں گے۔ کیا میں ہر ایک کے غم میں گرفتار ہو جاؤں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کون لگتے ہیں یہ لوگ میرے اور پھر میں کیوں کسی سے ہمدردی کروں۔ دنیا نے میرے ساتھ کب ہمدردی کی ہے کب سکون ملا ہے مجھے۔ ہو گا کوئی بوڑھا باپ' ہو گی کوئی اس کی بیوی اور

بیٹیاں مجھے کسی سے کیا غرض۔

"اے چائے لاؤ۔" میں نے کرخت لہجے میں ویٹر سے کہا اور ویٹر نے گردن ہلادی۔ لیکن اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا شاید مجھے پہچانتا تھا اور شاید اسے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ اس سے پہلے تو میں نے اتنے کرخت لہجے میں اس سے چائے نہیں طلب کی۔ بہرحال اس نے چائے لا کر میرے سامنے رکھ دی اور میں نے کھولتی ہوئی چائے حلق میں انڈیل لی ہونٹ جل گئے تھے تالو جل گیا تھا۔ حلق جل گیا تھا' سینہ جل گیا تھا لیکن یہ جلن ——— یہ جلن مجھے سکون دے رہی تھی۔ گہرا سکون۔ میری آنکھوں میں پانی آگیا تھا بات صرف دل کی تھی باقی اعضا بے قصور تھے جلن دل میں تھی دل نے اس دنیا سے بغاوت کی تھی۔ ماضی کی کہانی کا دل و دماغ سے رابطہ تھا۔ بس دونوں کی کشمکش نے سوچ کا رخ بدل دیا تھا۔ باقی سب کچھ تو انسانوں جیسا ہی تھا۔ آنکھیں بند کیں پلکوں پر جمع پانی رخساروں پر بہہ گیا۔ میں نے چونک کر گالوں کی نمی پر ہاتھ پھیرا۔ اور پھر چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد میں وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

لیکن بقیہ دن اور ساری رات شدید کرب کے عالم میں گزری تھی۔ پھر نہ جانے یہ کرب کتنے دن پریشان کرتا رہا تھا۔ یار محمد کے پاس جاتا تو اس گھر کی طرف نہیں دیکھتا تھا جس کا چراغ بجھ گیا تھا۔ ایک خوف کا شکار ہو جاتا تھا پھر اس دن معمول کے مطابق یار محمد کے پاس پہنچا تو وہ سخت پریشان نظر آرہا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔

"کیا بات ہے یار محمد بھائی۔" میں نے پوچھا۔ اور یار محمد خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہا ہو۔ ایسی کیا بات ہوگئی۔ میں نے تعجب سے سوچا۔

یار محمد کے بارے میں مجھے یہ اندازہ تھا کہ بے حد شریف آدمی ہے' نجانے ایسی کیا مشکل پیش آگئی ہے' جس سے وہ اس قدر پریشان ہے' میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا:

"اپنی پریشانی کی وجہ تو بتاؤ یار محمد آخر ہوا کیا ہے؟"

"نہیں کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہے لیکن بس پولیس تمہیں پوچھتی ہوئی آئی تھی۔" یار محمد نے کہا۔

"مجھے ---- پولیس!" میں نے تعجب بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں پولیس کی جیپ تھی۔ چار سپاہی اور ایک اے ایس آئی اس میں سوار تھا' یار محمد کا گیراج پوچھتے پھر رہے تھے' ایک بندے نے میرا پتہ بتا دیا' یہاں آنے کے بعد تمہیں پوچھا۔"

"مجھے؟"

"ہاں! کہنے لگے کہ کیا منصور یہیں رہتا ہے۔ وہ ٹیکسی چلاتا ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ پولیس پتہ تو چلا ہی لے گی' کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں' میں نے بڑی عاجزی سے اے ایس آئی صاحب سے کہا کہ وہ یہاں تو نہیں رہتا صاحب جی میری ٹیکسی چلاتا ہے' رات کو مجھے حساب دینے آئے گا' کوئی پیغام ہو تو بتا دیں' تو اے ایس آئی صاحب نے کہا کہ صبح ساڑھے دس بجے اسے نیو ٹاؤن تھانے بھیج دیں۔ انسپکٹر نادر زماں صاحب اس کا انتظار کریں گے' بس اسی وقت سے میری تو حالت خراب ہے' کیا ہوگیا تھا منصور! کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ کردیا "کیا؟" لیکن میرے حلق سے قہقہہ آزاد ہوگیا تھا' میں خوب ہنسا تھا اور پھر میں نے یار محمد سے کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تم بھی کمال کے آدمی ہو' بھائی پولیس مجھے پھانسی پر تو نہیں چڑھا رہی تھی' تمہیں زیادہ سے زیادہ یہی دکھ ہو گا نا کہ کہیں تمہاری ٹیکسی بند نہ ہوجائے' بولو اتنی ہی بات تھی یا اس کے علاوہ اور کوئی بات تھی۔"

"یار' ٹیکسی تو خیر میرے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ بچوں کی جولائن گھر میں لگی ہوئی ہے' جو آچکے ہیں اور جو آرہے ہیں' ان کے لئے اخراجات انہی ٹیکسیوں سے پورے ہوتے ہیں' لیکن تمہارا بھی کوئی تعلق ہے مجھ سے' تمہارے لئے بھی تو پریشان ہو سکتا ہوں' اب ذرا کم از کم اس ہنسی کی وجہ تو بتادو' یعنی میرا تو آدھا سیر خون خشک ہوچکا ہے اور تم یہ سن کر ہنس رہے ہو' اس وقت سے جب سے پولیس واپس گئی ہے میں نجانے کیا کیا سوچتا رہا ہوں کہ اب کیا ہو گا' آنے والے وقت میں مجھے کیا کرنا پڑے گا۔"

"تو اب فکر مند نہ ہو یار محمد بھائی' کچھ بھی نہیں ہے انسپکٹر نادر زماں سے میری دوستی ہوگئی ہے اور اپنے کسی چھوٹے موٹے کام کے لئے بلایا ہو گا انہوں نے مجھے' چلو اپنے یہ پیسے سنبھالو۔" میں نے کہا اور یار محمد دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ مسئلہ بہت زیادہ گھمبیر نہیں نکلا۔

بہرحال یار محمد کو پیسے دے کر میں واپس پلٹا ایک بار نگاہ پھر سامنے والے گھر کی جانب اٹھ گئی' لیکن اس سلسلے میں میری زبان کو تالے لگ گئے تھے' میں کوئی دکھ بھری بات نہیں سننا چاہتا تھا' مجھے وہ مظلوم شکل یاد تھی جسے بہرحال میرے ہاتھوں نقصان پہنچا تھا۔ باقی اور کچھ نہیں جاننا چاہتا تھا میں اس بارے میں۔

دوسرے دن صبح ٹھیک ساڑھے دس بجے میں تھانے کی عمارت میں داخل ہوگیا' حالانکہ یہ وقت میرے کالج کا ہوا کرتا تھا لیکن چونکہ نادر زماں کی شخصیت ایسی تھی کہ میں اس کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ نادر زماں تھانے ہی میں موجود تھا۔ وہ بہت اچھا انسان تھا' اس شخص نے میری سوچ پر بڑی ضربیں لگائی تھیں اور میں اس کی وجہ سے بڑی مشکل کا شکار ہوگیا تھا۔ ایک ایسی شخصیت جو ہر طرح سے صاحب اقتدار تھی اور کچھ بھی کر سکتی تھی' میرے ساتھ اتنا اچھا رویہ تھا اس کا کہ بس میں دنگ رہ جاتا تھا۔

مجھے دیکھ کر مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا اور مجھ سے بڑے پیار سے ہاتھ ملایا کہنے لگا:

"میں نے ایس آئی سے کہہ دیا تھا کہ دیکھ لینا ٹھیک ساڑھے دس بجے منصور یہاں میرے پاس ہوگا۔"

"نادر زماں صاحب! آپ کا حکم ٹالنے کی بھلا مجھ میں کیا ہمت ہے۔"

"بہرحال تم بھی بہت اچھے انسان ہو' بیٹھو کیا پیو گے؟"

"نہیں جناب۔ بہت بہت شکریہ! ناشتہ کرچکا ہوں' بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے' آپ فرمایئے اس وقت میری طلبی کیوں ہوئی ہے۔"

"میں نے تمہیں حیات علی شاہ صاحب کے بارے میں بتایا تھا' ان کے بیٹے رحمت علی شاہ کے بارے میں بھی بتایا تھا۔"

"ہاں' اس لڑکی کے والد اور بھائی جو سکھر سے آئے تھے۔"

"ہاں ---- اور یہ بھی بتایا تھا میں نے تمہیں کہ ان کی کوٹھی گلشن اقبال میں ہے اور وہ جب بھی کبھی سکھر سے ان کا دل گھبرا جاتا ہے تو یہاں آجاتے ہیں۔"

"جی ہاں' بتایا تھا آپ نے۔"

"وہ لوگ آئے ہوئے ہیں اور چونکہ رضوانہ کے جانے کے بعد پہلی بار آئے ہیں'

میرا مطلب ہے کہ اس وقت جب رحمت علی شاہ رضوانہ کو لے گیا تھا۔ چنانچہ خاص طور سے حیات علی شاہ صاحب نے یہاں آتے ہی تم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا ناکہ بہت اچھے لوگ ہے' عزت دار بھی ہیں' عزت کرنا بھی جانتے ہیں۔ کراچی میں بھی بہت رہن سہن ہے ان کا' بلکہ پہلے تو یہیں کاروبار کرتے تھے' لیکن چونکہ آبائی وطن ان کا سکھر ہے اس لئے اب وہیں آباد ہوگئے ہیں۔ البتہ کاروبار کراچی سے ہی جاری ہے۔ تو حیات علی شاہ صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ رضوانہ بھی آئی ہوئی ہے۔ وہ سب لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"حالانکہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا' آپ کو علم ہے کہ اگر اس لڑکی کے بجائے کوئی بھی اور لڑکی ہوتی تو کم از کم میرا یہی فرض بنتا ہے' مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بدمعاش کے لئے آپ نے کیا کیا۔"

"شاکر خان کی بات کررہے ہو؟"

"جی۔"

"شاکر خان کی ضمانت ہوگئی ہے' مقدمہ قائم کردیا ہے میں نے' اصل میں تھوڑے سے قانونی معاملات بھی ہوتے ہیں نا' بس سمجھ لو کہ ان کی وجہ سے مجبور ہوگیا تھا' ویسے چارج میں نے ہیروئن بیچنے کا ہی لگایا ہے اس پر اور بے فکر رہو سزا کرائے بغیر نہیں چھوڑوں گا' ویسے تو بڑے ہاتھ پاؤں جوڑ کر گیا تھا یہاں سے' کہنے لگا کہ اس پر یہ چارج نہ لگاؤں' آئندہ وہ اپنے اس کاروبار کو بند کردے گا' لیکن معاملہ حیات علی شاہ صاحب کا بھی تھا اور ذاتی طور پر تو وہ بہت ہی برگشتہ ہیں' اب کیا خیال ہے کس وقت چلو گے' ویسے معاف کرنا تمہارے کام کا نقصان ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اگر تمہیں اس دوران کا کوئی ہرجانہ پیش کیا گیا تو اسے قبول نہیں کرو گے' اس لئے ایسی کوئی بے وقوفی میں کروں گا ہی نہیں۔" میں مسکرانے لگا پھر میں نے کہا۔

"نادر زماں صاحب ایسی بات ہے بھی نہیں' آپ کو اس بارے میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

"تو پھر آؤ چلتے ہیں۔ میرا خیال ہے تم اپنی ٹیکسی ساتھ ہی لے آؤ۔ میں پولیس کار میں ساتھ چلتا ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی" اور اس کے بعد نادر زماں تو پولیس کی کار میں بیٹھ کر چل پڑا اور میں نے اپنی ٹیکسی اس کے پیچھے لگا دی۔ کچھ دیر کے بعد ہم گلشن اقبال کے ایک خوبصورت بلاک میں داخل ہو گئے' یہاں اعلیٰ درجے کے شاندار بنگلے بنے ہوئے تھے جس بنگلے کے سامنے نادر زماں نے کار روکی تھی اس کی شان دیکھنے کے قابل تھی۔ دروازے پر چوکیدار کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ نادر زماں صاحب نیچے اترے۔ میں بھی ٹیکسی سے اتر آیا۔ چوکیدار کو شاید نادر زماں کی آمد کے بارے میں معلوم تھا اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور جب میں نادر زماں کے ساتھ اندر داخل ہوا تو چوکیدار نے باقاعدہ سلوٹ کیا تھا۔ شاندار کوٹھی کے بیرونی حصے سے گزرتے ہوئے ہم دونوں اندرونی حصے میں داخل ہوگئے۔ ایک ملازم ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا اس نے دروازہ کھولا اور ہم ایک شاندار ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے' ڈرائنگ روم کی سجاوٹ ایسی تھی کہ دیکھ کر آنکھیں بند ہوجائیں' اتنا موٹا قالین بچھا ہوا تھا کہ جوتوں سمیت اس پر چڑھتے ہوئے خود کو شرمندگی ہوتی تھی۔ بہرحال بڑے آدمیوں کا معاملہ تھا۔ میں نے جھجک کر نادر زماں سے کہا:

"میں جوتے سمیت آجاؤں۔"

"آجاؤ آجاؤ۔ یہاں رہنے والوں کو تمہاری قدرو قیمت کا اندازہ ہے' تمہارے جوتے بھی بڑے قیمتی ہیں ان کے لئے۔"

میں نے عجیب سی کیفیت محسوس کی اپنے دل میں۔ بہرحال جس انداز میں یہاں پذیرائی ہو رہی تھی اس کے لئے میں کم از کم اپنے آپ کو اس قابل نہیں پا رہا تھا۔ نادر زماں کے اشارے پر میں صوفے پر بیٹھ گیا اور نادر زماں جو خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا اور اسی وقت اندر کا پردہ ہلا اور خوبصورت لباس میں ملبوس ایک انتہائی خوش شکل جوان آدمی اندر داخل ہوا۔ لمبا چوڑا آدمی تھا' اس کے چہرے پر ایک قدرتی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی' اندر آنے کے بعد اس نے نادر زماں سے کہا۔

"سائیں ایک بات ہم کہیں آپ سے' وعدے کی بڑی پابندی کرتے ہیں آپ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کو پولیس میں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔"

"یہ منصور ہے جس کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا اور منصور یہ رحمت علی شاہ

ہیں۔" میں کھڑا ہوگیا' تو رحمت علی شاہ میری جانب بڑھا' اس نے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا' تو میں نے بھی اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔ لیکن اس کا ہاتھ اوپر اٹھا پھر دوسرا بھی پھیل گیا' پھر اس نے مجھے سینے سے لگالیا۔ دیر تک وہ مجھے سینے سے لگائے رہا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر پرجوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا:

"بیٹھو سائیں منصور۔ احسان انسان ایک دوسرے پر کرتا ہی ہے لیکن کچھ احسانات ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب دینا انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی اور وہ صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ اللہ سائیں اس احسان کا آپ کو صلہ دے۔ عزت سے بڑی چیز اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہوتی سائیں منصور! آپ نے ہماری عزت بچائی ہے۔ آپ یہ سمجھ لو کہ آپ کا پاؤں ہماری گردن پر ہے' بیٹھو آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی' بیٹھو۔"

میں بیٹھا تو وہ میرے برابر ہی بیٹھ گیا پھر دوسرے لمحے پردہ دوبارہ ہلا اور اس بار وہی لڑکی ایک بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس اس پردے سے باہر آئی' آنے کے بعد میرے پاس پہنچ گئی اور سر جھکاتی ہوئی بولی:

"اس وقت تو میں جس کیفیت کا شکار تھی اس میں آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکی' مگر اس وقت میرا سر آپ کے سامنے حاضر ہے' اس سر پر ہاتھ رکھ دو بھیا۔ آپ میرے لئے میرے بھائی سے کم نہیں ہیں۔" میں شدید ذہنی کرب کا شکار ہوگیا تھا۔ نہیں چاہیے تھی مجھے یہ محبت نہیں چاہئے تھی یہ پذیرائی یہ سب کچھ مجھے نہیں چاہئے تھا لیکن لڑکی کا سر جھکا ہوا تھا اور مجھے کچھ نہ کچھ کہنا یا کچھ کرنا تھا' دو باتیں تھیں' یا تو میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتا اور کچھ اور محبتوں میں مبتلا ہوجاتا یا پھر تلخی سے اسے اس بات کا جواب دے دیتا کہ مت کرو میرے ساتھ یہ انسانی سلوک' میں انسان نہیں ہوں' اور آخر کار میں نے وہ کرہی ڈالا جو میرے دل میں تھا' میں نے کہا:

"میں تمہیں بہن بڑی خوشی سے کہہ سکتا ہوں کیونکہ ایک لڑکی کو جو کسی کو بھائی کہہ رہی ہو' بہن کہنا اخلاقی فرض بھی ہے اور انسانی فرض بھی ہے لیکن مجھے معاف کرنا' میری اپنی اوقات جو ہے نا وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اتنے بڑے لوگوں سے رشتے قائم کروں' بہن جی آپ اگر میرے ایک چھوٹے سے قدم کے لئے احسان مند ہیں تو آپ کے بجائے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ورنہ اس دنیا میں کون کسی کا احسان مانتا

ہے۔ البتہ میں اپنے آپ کو آپ کے سر پر ہاتھ رکھنے کے قابل نہیں پاتا۔"

"بیٹھ جاؤ رضوانہ۔ اس شخص کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں لیکن ایک بات ضرور ہے اس کے عقب میں کوئی گہری کہانی ہے' بہرحال وہ کہانی بھی ہمیں معلوم ہوجائے گی۔"

"میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ جس منحوس شخص سے منصور بھائی نے میری زندگی بچائی تھی' وہ نجانے مجھے کہاں دربدر کردیتا' میری دیوانگی کو انہوں نے میرا بھائی بن کر سہارا دیا اور یہ بھی اتفاق تھا کہ اس شخص کو انہوں نے آپ تک پہنچا دیا نادر بھائی' ورنہ میں نجانے کس عالم کو پہنچ جاتی' سچی بات یہ ہے کہ میری نادانی مجھے بربادی کی جانب لے آئی تھی' لیکن مجھے پھر سے ایک باعزت زندگی دلانے والا میرا یہ بھائی منصور ہی ہے۔"

"بے شک' کیوں نہیں' کیوں نہیں۔" ایک اور آواز اندر سے آئی اور اس کے بعد ایک اور شخص اندر داخل ہوگیا۔"

"یہ بھی گاؤن پہنے ہوئے تھا۔ دانتوں میں پائپ دبا ہوا تھا' اچھی بلند و بالا شخصیت کا مالک تھا۔ یقینی طور پر یہ حیات علی شاہ تھا لیکن اس کی شکل دیکھ کر ایک بار پھر مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے' ایک ایسی گڑگڑاہٹ' ایک ایسا ہیجان جو انسان کو وقتی طور پر موت سے ہمکنار بھی کرسکتا ہے۔ آہ یہ وہی شخص تھا' یہ وہی شخص تھا میرے دماغ میں دھماکے ہورہے تھے اور میری آنکھوں کے سامنے بار بار اپنی ماں کا چہرہ گھوم رہا تھا' اس کا خون لت پت جسم' بے جان آنکھیں' سڑک پر پڑی ہوئی میری مظلوم ماں جو صرف مجھے لیٹ ہوجانے کی وجہ سے تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی میری اکیڈمی کی طرف آرہی تھی اور اس شخص نے اسے اپنی کار سے ٹکر مار کر ہلاک کردیا تھا' اور پھر کورٹ میں کھڑے ہو کر صاف انکار کردیا تھا کہ اس حادثے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں چیختا چلاتا رہا تھا کہ میری ماں کا قاتل یہی شخص ہے' میری تنہائیوں کا باعث یہی انسان ہے' آہ یہی وہ وحشی ہے جس نے مجھے اس کائنات میں تنہا کردیا ہے' اسی کی وجہ سے میرے سر سے ماں کا سایہ ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا ہے لیکن کسی نے میری بات نہیں مانی' یہ باعزت بری ہوگیا' کیونکہ یہ صاحب حیثیت ہے' دولت مند ہے یہ نادر زماں جیسے لوگ اس کے پشت پناہ ہیں

لیکن میں' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ نجانے کیا کیا تصورات میرے ذہن کے پردے پر آتے رہے۔ حیات علی شاہ میرے قریب پہنچ گیا' اس نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھا تو میں بری طرح چونک پڑا اور پھرپھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اتنا برداشت نہیں کرپارہا تھا میں' میری سانسیں تیز تیز چل رہی تھی اور ماتھے پر پسینے کی بوندیں تیر رہی تھیں۔ نادر زماں نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"کیوں کیا بات ہے تمہاری طبیعت کچھ خراب ہوگئی ہے' منصور کیا بات ہے کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آرہے ہو تو تم۔"

"میں نے کھوئی کھوئی نگاہوں سے نادر زماں کو دیکھا اور کہا۔ "نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

"بیٹے تم نے ہماری عزت ہی نہیں بلکہ ہمارے خاندان کی عزت بھی بچائی ہے' ہم تمہارے اس احسان کا ایک چھوٹا سا صلہ دینا چاہتے ہیں تمہیں۔" نادر زماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' وہ میری طرف رخ کرکے بولا:

"اصل میں حیات علی شاہ صاحب تمہیں ایک ٹیکسی انعام میں دینا چاہتے ہیں' تمہارے بارے میں میری ان سے بات ہوئی تھی اور میں نے بتایا تھا کہ تم کسی اور کی ٹیکسی چلاتے ہو۔"

حیات علی نے جیب سے چابی نکالی اور اسے میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا:

"تم نے جو احسان ہم پر کیا ہے اس کا کوئی صلہ نہیں ہے اور اگر نادر زماں یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے اس احسان کا صلہ ہے تو غلط کہتا ہے' بس سمجھ لو یہ ایک محبت بھری پیشکش ہے۔ لو یہ چابی پکڑو' کاغذات ٹیکسی میں رکھے ہوئے ہیں' یہ تمہارا حق ہے۔"

میں بری طرح پیچھے ہٹ گیا' میری مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ گردن کی رگیں پھول گئی تھیں' پھر میں ایک جھٹکے سے مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ خود نادر زماں اور بقیہ دوسرے افراد بھی حیرت زدہ رہ گئے تھے لیکن میرے بدن میں شعلوں کا بسیرا تھا۔ میرا سارا وجود آگ میں پھنک رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں' دل چاہ رہا تھا کہ ٹیکسی میں بیٹھوں' اسے اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاؤں اور اتنی زور سے کسی درخت یا کسی دیوار میں ماروں کہ ٹیکسی پچک کر رہ جائے اور میرا وجود ریزہ ریزہ

ہو جائے' میں ٹیکسی میں بیٹھا اسے اسٹارٹ کیا اور اس کے بعد نجانے کتنی رفتار سے اسے دوڑا دیا' میرے پورے بدن میں آتش فشاں کھول رہا تھا' تصور میں بارہا اپنی ماں کا خون میں لت پت چہرہ اور بے نور آنکھیں گھوم رہی تھیں اور پھر حیات علی شاہ کے دانتوں میں دبا ہوا پائپ اور اس کے اسٹیرنگ پر جمے ہوئے ہاتھ' میں نے اسٹیرنگ اتنی قوت سے پکڑا ہوا تھا کہ خود ہاتھوں میں درد ہو رہا تھا لیکن بس یہی لگ رہا تھا جیسے علی شاہ کی گردن دبا رہا ہوں: کمینے' کتے میری ماں کے قاتل' میرے پاس تیرے لئے معافی نہیں ہے۔ آہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ رضوانہ تیری بیٹی ہے' آہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ میری ماں کے قاتل کی بیٹی ہے ---- خیر کوئی بات نہیں وقت نے تجھے ایک بار پھر مجھ سے متعارف کرا دیا ہے' میں چھوڑوں گا نہیں تجھے' میں خود تجھے سزا دوں گا' کاش میری ماں نے میرے شانوں پر کسی ذمے داری کا بوجھ نہ ڈالا ہوتا تو میں تجھے' میں تجھے ---

اچانک میں نے ٹیکسی کو ایک جانب موڑ لیا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اپنے دل کی اس آگ کو سکون دوں اور جب بے سکونی میرے وجود کو خاکستر کرنے لگی تو میں نے قبرستان کا رخ کیا' یہ آخری جگہ تھی جہاں میرے لئے سکون کا دریا بہتا تھا' لیکن آج میں بہت بے سکون تھا' ٹیکسی اپنی مخصوص جگہ کھڑی کر کے میں ماں کی قبر پر پہنچا اور اس کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"پرسکون ہو گیا ہوں میں' آج بھی اگر آپ نے خاموشی اختیار کئے رکھی امی تو میں جی نا پاؤں گا مر جاؤں گا میں' آج آپ کو بولنا پڑے گا' میں جانتا ہوں کہ دنیا سے جانے والوں کا دنیا میں رہنے والوں سے رابطہ نہیں رہتا لیکن یہ بھی جانتا ہوں میں کہ آپ کا مجھ سے رابطہ ہے' ہاں امی آپ کا مجھ سے رابطہ ہے' میرا رواں رواں اس بات کا گواہ ہے آپ کا مجھ سے رابطہ ہے اور اسی رابطے کے حوالے سے مجھے بتائیے کیا کروں۔ کیا کروں میں' مجھے بتائیے میں کیا کروں۔" میں زار و قطار رونے لگا' تبھی میرے کانوں میں ایک مدھم سی آواز ابھری۔

"مجھے ہسپتال پہنچا دو۔ ہسپتال پہنچا دو مجھے۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے' پیسے نہیں ہیں میرے پاس میرے بھائی کی زندگی کا سوال ہے۔"

میں ایک دم چونک پڑا اور یکایک مجھے احساس ہوا جیسے ہوائیں سرگوشیاں کر رہی

ہوں' جیسے ہوائیں مجھ سے کچھ کہہ رہی ہوں۔

"گنہگار صرف حیات علی شاہ نہیں ہے' منصور گنہگار تو بھی ہے' حیات علی شاہ نے بھی ایک گناہ کیا تھا اور تجھ سے تیری ماں چھین لی تھی' تو نے بھی ایک گناہ کیا ہے' ایک گھر سے اس گھر کا سہارا چھین لیا ہے' گناہ ہو جاتے ہیں' تو بتا گناہ تو نے کیا تھا' تجھے علم تھا کہ وہ لڑکی اپنے بھائی کے لئے زندگی بچانے والا انجکشن لے جا رہی ہے' بول تجھے علم تھا تو نے اسے نظر انداز کر کے بہرحال اتنا ہی عظیم گناہ کیا جتنا بڑا گناہ حیات علی شاہ نے کیا تھا' کیا اس کے بعد تو نے اس لڑکی کے گھر جا کر یا پولیس اسٹیشن جا کر اس بات کا اعتراف کیا کہ تو نے ہی اس لڑکی کو جناح ہسپتال پہنچانے سے گریز کیا تھا۔ تو ہی وہ مجرم ہے جس نے اس کے بھائی سے اس کی زندگی چھین لی۔ بول کیا تو نے ایسا نہیں کیا تھا۔"

"مگر مجھے نہیں معلوم تھا' میں نہیں جانتا تھا کہ وہ لڑکی کس لئے جناح ہسپتال پہنچنا چاہتی ہے' مجھے علم نہیں تھا اس بات کا۔ یہاں میرے جیسے بے شمار ٹیکسی ڈرائیور ہیں جو اپنی مرضی سے سواری کو اپنی ٹیکسی میں بٹھاتے ہیں' اگر ان کا دل نہیں چاہتا تو سواری کتنی ہی خوشامد کرے ان کی' کتنا ہی گڑگڑائے ان کے سامنے وہ اسے نہیں بٹھاتے' وہ بھی گنہگار ہیں' وہ بھی تو گناہ کرتے ہیں۔"

"تو تو کیا سمجھتا ہے کیا انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی' کیا وہ وحشی جنونی قاتل نہیں ہوں گے' تو کیا سمجھتا ہے کیا حیات علی شاہ اس دن اس لئے گھر سے باہر نکلا تھا کہ تیری ماں کو' اس طرح ٹکر مار کر قتل کر دے؟ وہ بھی ایک ایسا ہی گناہ تھا جیسا گناہ تجھ سے سرزد ہوا۔ تو اسے اپنی ماں کا قاتل سمجھتا ہے' تو اپنے آپ کو اس لڑکے کے بھائی کا قاتل سمجھ۔ جو سزا تو حیات علی شاہ کو دینا چاہتا ہے۔ وہی سزا اپنے لئے بھی منتخب کر۔"

میں نے محسوس کیا کہ ہواؤں سے جو سرگوشیاں ابھر رہی ہیں ان کی آواز میری ماں کی آواز سے ملتی جلتی ہے' آہ۔ میں یہی محسوس کیا تھا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میرے منہ سے رندھی ہوئی آواز نکلی:

"تو پھر میں کیا کرو۔ حیات علی شاہ کو قتل کر کے خود بھی تختہ دار قبول کر لوں' وہ بھی قاتل ہے' میں بھی قاتل ہوں بتاؤ میں کیا کروں میری مدد کرو۔ میری راہنمائی کرو۔ امی میری راہنمائی کرو' ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی' بتاؤ میں کیا کروں۔"

"اس دنیا میں بہت سے کھیل اس طرح سے ہوتے ہیں۔ یقیناً حیات علی شاہ نے تیری ماں کو جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تھا' اس کے پس منظر میں کوئی کہانی نہیں تھی اس طرح' جس طرح تیرے پس منظر میں کوئی کہانی نہیں تھی۔ کسی اور کی وجہ سے ذہنی کشمکش کا شکار ہو کر تونے اس لڑکی کو اپنی ٹیکسی میں نہیں بٹھایا تھا اور اس کا بھائی مرگیا تھا' کچھ جرم نادانستگی میں بھی سرزد ہو جاتے ہیں' اس لئے خود کو سنبھالے رکھ۔ دیوانگی کی حدود سے نکل آ----"

میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہوگئی' ایک جرم کا احساس میرے دل میں پیدا ہوگیا' میں غلط سوچ رہا ہوں اس کا مطلب ہے کہ ---- ہاں انسانی سوچ بعض اوقات غلط ہوجاتی ہے' میں بہت دیر تک ماں کی قبر سے لپٹا رہا' گورکن لڑکے پانی کے برتن لے کر میرے پاس آگئے۔

صاحب پانی ڈالنا ہے؟"

"ایں ---- ہاں۔" میں نے کہا اور قبر سے اٹھ گیا' گورکن لڑکے چند پیسوں کے لئے قبر کی جھاڑ پونچھ کرنے لگے' پھر انہوں نے اس پر پانی ڈالا' میں نے انہیں پیسے دیئے اور وہ چلے گئے' پھر میں ماں کی قبر پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی اور تھکے تھکے قدموں سے واپس اس طرف چل پڑا جہاں میری ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی' حیات علی شاہ میری ماں کا قاتل نہیں ہے' بے شک اس نے گریز کیا سچ بولنے سے' لیکن وہ جانا بوجھا قتل نہیں تھا۔ میں اسے اچھا تو نہیں سمجھ سکتا' میں اس کا احسان تو قبول نہیں کرسکتا' لیکن اب اپنے دل سے اس کے لئے انتقام کا جذبہ بھی نکال دینا چاہیے۔ نجانے کیوں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اندر سے خالی ہوگیا ہوں جیسے کوئی کمی واقع ہوگئی ہے میرے اندر اور اس وقت میں بڑی کشمکش کے عالم میں تھا' میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں ٹیکسی وہاں سے آگے بڑھی اور پھر بالکل بے خیالی کے عالم میں نے راستے سے یہاں تک کلفٹن پہنچ گیا۔ کلفٹن پر میں نے انتہائی دور دراز علاقے میں جہاں ساحل پر بنے ہوئے فلیٹوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے' جہاں سنسان ساحل نظر آتے ہیں' یا پھر ان ماہی گیروں کی جھونپڑیاں جو رات کو سمندر سے رزق حاصل کرنے کے لئے سرشام ہی تیاریاں شروع کردیتے ہیں' میں وہاں پہنچ کر ٹیکسی سے اترا اور پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ساحل

سمندر پر پہنچ کر میں پانی کی لہروں میں داخل ہوگیا' نجانے کیا احساس طاری تھا مجھ پر نجانے کیا کیفیت تھی میں آگے بڑھتا رہا اور پانی میری کمر سے گزر کر سینے تک' سینے سے گزر کر شانوں تک اور پھر شانوں کے اوپر پہنچ گیا۔ ایک عجیب سی بے خودی' پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ نجانے سمندر میں' میں کتنی دور تک نکل گیا تھا۔ یہ سوچ کا سمندر تھا یا حقیقت' یا نجانے کیا۔ بس ایک خاموشی ایک گہری خاموشی اور اس کے بعد سوچ کا طلسم ٹوٹ گیا۔

"سانس ٹھیک چل رہا ہے۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے مگر یہ ہوا اس کیسے؟"

"پتہ نہیں ڈاکٹر صاحب پتہ نہیں کپڑوں سمیت تھا جوتے بھی پہنے ہوئے تھا وہ شکر ہے کہ رفیق نے دیکھ لیا اور ٹھیک وقت پر پانی میں اتر کر اسے باہر نکال لایا' پانی بھر گیا تھا اگر رفیق نہ دیکھتا تو ڈوب گیا تھا یہ۔ یہ بس جی اللہ جس کی زندگی بچائے اسے کون مار سکتا ہے۔" میں یہ آوازیں سن رہا تھا' یہ باتیں کس کے بارے ہورہی تھیں' کیا میرے بارے میں۔ میں نے سوچا اور پھر بری طرح چونک پڑا۔ یقیناً یہ لوگ میرے ہی بارے میں یہ ساری باتیں کررہے تھے لیکن کون ہیں یہ - کون ہیں۔

اچانک بازو میں ایک چبھن کا احساس ہوا اور میں نے بازو سمیٹ لیا' ڈاکٹر نے انجکشن لگایا تھا' میں آنکھیں کھول کر اس ماحول کا جائزہ لینے لگا' سیاہ چہروں والے کچھ افراد تھے اور کسی جھونپڑے میں تھا' میں گھبرا کر اٹھ گیا' ڈاکٹر نے سرنج کی سوئی باہر نکال لی تھی۔

"کیا بے وقوفی ہے بھئی' یہ سوئی بازو کو چیر بھی سکتی تھی۔ ٹیڑھی بھی ہوسکتی تھی' تم عجیب احمق آدمی ہو۔" ڈاکٹر نے اسپرٹ لگی روئی میرے بازو پر رگڑتے ہوئے کہا لیکن میری نگاہیں یہاں موجود افراد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میلے کچیلے لباسوں میں ملبوس' کالے چہروں والے' بھورے بالوں والے۔ اندر جو کچھ موجود تھا اس سے غربت ٹپک رہی تھی۔ موٹے موٹے ہونٹ اور کالی چمک دار رنگت والے ایک شخص نے کہا:

"اڑے تم چریا اوگیا تھا کیا اڑے' پانی میں کائے کو گھس گیا تھا' ابی تمہارا کھوپڑی آؤٹ ہے یا تھوڑا ٹھیک میک ہوا۔" میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا' بہترین جسامت کا نوجوان تھا' ڈاکٹر نے اپنا سامان سمیٹا تو نوجوان بولا:

"اور کوئی دوا ہوا تو نہیں لکھنا ہے ڈاکٹر صاب۔"

"نہیں بس یہ انجکشن کافی ہے' مگر اس سے پوچھو تو سہی کہ یہ پانی میں کیوں گیا تھا' کیا یہ خودکشی کر رہا تھا۔"

"اڑے بابا! یہ ہمارا کام ہے ہم پوچھ لیں گا۔ ابی تمہارا یہ فیس پکڑو اور ادر سے چٹی کرو۔" نوجوان نے جیب سے میلے میلے دس دس روپے کے دو نوٹ نکال کر ڈاکٹر کے حوالے کئے تو ڈاکٹر بولا:

"پچاس روپے ہوتی ہے میری فیس' کلینک میں آؤ تو پچیس پورے' گھر بلاؤ تو پچاس روپے۔ انجکشن بھی لگایا ہے اس کے پیسے الگ۔"

"اڑے بابا ٹیک ہے ابی یہ بیس روپیہ رکو اور دے دیں گا مرا کائے کو جاتا ہے۔"

"تم لوگ ایسا ہی کرتے ہو' اس لئے میں تمہارے ساتھ نہیں آتا' باقی پیسے پہنچا دینا' چاچا یہ تمہاری ڈیوٹی ہے' ورنہ پھر تمہارے کہنے سے میں کبھی ادھر نہیں آؤں گا۔"

"اڑے ماں کسم پیلتا ابی جارہا اے تم تو' تمارے منہ پر مٹی' دوبارہ اور کائے کو آئے گا تم۔ ابی جاؤ یار رفیق کا مغزمت خراب کرو اپن الٹی کھوپڑی کا آدمی ہے۔"

"ہونہہ۔ بلالاتے ہیں عاجزی کرکے' تم جیسے لوگوں سے پہلے پیسے لے لینے چاہئیں۔"

میں ساری باتیں سن رہا تھا' میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنے پیسے تلاش کئے تو رفیق جلدی سے بولا:

"او بابا' ابی تم اپنا ڈانس مانس مت کرو' تھوڑا آرام کرو اور تم یہ ڈبہ سنبھالو اور ادر سے پتہ کاؤ۔ میں تمارے کو پھر بولا رفیق کا دماغ مت خراب کرو' چلو آجاؤ۔" رفیق نے ڈاکٹر صاحب کا بیگ اپنے ہاتھ میں تھاما اور باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر جلدی سے اس کے پیچھے دوڑا تھا۔

"بیگ تو بند کرلو' دوائیں ہیں اس میں گر جائیں گی۔"

"اڑے آؤ ڑے دوائیں گر جائیں گی۔" دونوں دروازے سے باہر نکل گئے۔ اندر وہ درمیانی عمر کا سیاہ رو شخص' ایک بھاری سے بدن کی عورت اور ایک تقریباً سات سال کا بچہ موجود تھا۔ عورت نے نرم لہجے میں کہا:

"دودھ پین گا بچہ۔ ابی گرم کرنے کو رکھا ہے' توڑا دودھ پی لو جان مان آجائیں

گا۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

اڑے بات تو سنو ایسا بے مروتی کائے کو کرتا یار' دو منٹ بیٹھ جائیں گا تو تمارا کیا بگڑ جائیں گا۔" عمر رسیدہ شخص نے کہا۔

"نہیں بابا جی بس مجھے جانے دیں' میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی ہے۔"

"اڑے پہلے تم میرے کو یہ بتاؤ: پانی میں تم کیا کرنے گیا تھا' ڈوب کر مرنے کا تھا کیا' کائے کو' مسلمان کا بیٹا نہیں ہے کیا؟"

"ہوں؟"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"منصور۔" میں نے جواب دیا۔ اتنی دیر میں رفیق واپس آگیا تھا' ہنستا ہوا بولا:

"یہ ڈاکٹر ڈبہ بی' بس خدا کسم۔ ایک ہی زبان سمجھتا ہے ابی جب میں گردن میں ہاتھ ڈالا تو بولا کہ یار رفیق مذاق بی نہیں سمجھتا ہے میں تجھ سے مذاق کر رہا تھا۔ میں بولا کہ چل میرے بیس روپے بی واپس کردے' ابی بولا کہ یار ساڑھے بارہ روپے کا تو انجکشن ہی ہے' میں بولا جا ٹیک ہے' پن آئندہ ایسا مت بولنا کہ کبی اور نئیں آئیں گا تو بولنے لگا ابا کہ تو دس بار بھی بلائیں گا تو آئیں گا۔" عمر رسیدہ آدمی ہنسنے لگا تھا۔ یہی نوجوان رفیق تھا جس نے میری جان بچائی تھی' اس نے ایک بار پھر مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور بولا۔

"وہ ٹیکسی تمارا ہے جو ادر کھڑا ہوا ہے۔"

"ہاں۔"

"اڑے تم' ٹیکسی کو اکیلا کائے کو چوڑتا پڑا۔ ابی پانی میں ڈوب کر مرنے کو جارہا تھا تو ٹیکسی میں بیٹھ کر جاتا' ٹیکسی بھی ذرا پانی میں نہا لیتا' اب میرے کو یہ بتاؤ کیا پریشانی ہے تمارے کو' اڑے یار تم آدمی صحیح نئیں معلوم ہوتا' ابی دیکھونی' انسان اگر مرنے کا واسطے سوچ لے تو سب سے اچھا موت وہ ہوتا ہے جو خودکشی کی وجہ کو ختم کرتے ہوئے آجائے۔ ابی میرا بات تمارا کھوپڑی میں آتا کہ نئیں آتا۔"

"آتا ہے آتا ہے۔" میں نے کہا اور اس جھونپڑے کے دروازے سے باہر نکل گیا' عمر رسیدہ شخص' رفیق' بھاری بدن کی عورت' سات سال کا بچہ سب میرے پیچھے

پیچھے نکل آئے تھے' باہر رات گہری ہو رہی تھی' لیکن آہستہ آہستہ چاند آسمان پر ابھر رہا تھا۔ آسمان شفاف تھا' ستارے نمودار ہو گئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر سمندر کی لہریں اپنا لاگ الاپ رہی تھیں' جھاگ کی سفیدی ایک عجیب سی کہانی سنا رہی تھی۔ میرے پیچھے پیچھے وہ سب باہر نکل آئے۔ رفیق نے کہا:

"ابی میرے کو صرف اتنا بتا دو کہ تم ڈوبنے کائے کو چلا تھا' کیا بات ہوا تھا۔"

بھائی رفیق تم نے بہت مہربانی کی میرے اوپر میں تمہارا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ پیسے۔"

"چھوڑو رے' ابی تمارا جیب سے تین سو سولہ روپیہ نکلا بھیک کر چھوڑا ہو گیا تھا' یہ پکڑو' ماں نے سکھادیا ہے۔"

"تم نے بیس روپے خرچ کئے تھے میرے اوپر۔"

"ابی تو تمہیں اماں دودھ بی پلائیں گا سب کا پیسہ ایک ساتھ دے دینا۔" رفیق نے پیسے میری جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ عورت بولی:

"اڑے یہ تو ایسے باگتا اے' جیسے ہم سب لوگ کا کالا صورت دیکھ کر اس کا طبیعت خراب ہوتا ہو۔ اڑے بابا ہم اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیتا ہے۔ پھر تو تم ہم سے نہیں گھبرائیں گا۔" جملے ایسے تھے کہ دل کو چبھ گئے۔ میں نے اسے دیکھا اور آہستہ سے بولا:

"نہیں اماں' تم کالے چہرے والے تو اتنے روشن دل کے مالک ہو کہ میں اپنی زبان سے تمہارے لئے کوئی الفاظ ادا نہیں کر سکتا۔"

"آگیا ڑے لائن پر۔ ابی توڑا دیر آرام سے بیٹو۔ اماں جاؤ دودھ لے آؤ' اب یہ ٹیک ہو گیا۔"

رفیق نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر وہ سب اطمینان سے ریتلی زمین پر بیٹھ گئے' میں بھی بیٹھ گیا تھا۔

"اب میرے کو بولو اصل بات کیا ہوا تھا؟"

"چکر آگیا تھا' بدن میں آگ لگ رہی تھی' بس میں ادھر آیا اور بدن ٹھنڈا کرنے کے لئے پانی میں داخل ہو گیا۔ دماغ کچھ ایسا چکرا رہا تھا کہ ہوش و حواس گم ہو گئے۔"

"خدا کسم تم مرجاتا اگر ہم، تمیں نہ دیکھ لیتا' آج ہم پانی میں جانے کا ارادہ نہیں

رکتا تھا' ہمارا کشتی مرمت ہونے والا ہے' ابی ہم اس کو کاری گر کو دیا۔ دو دن تک چھٹی ہے ہمارا' مگر مالک جو کرتا ہے ٹیک کرتا ہے' ورنہ اس ٹیم تو ہم اپنا کشتی لے کر سمندر میں نکل گیا تھا۔ چلو تمارا جان بچ گیا' خدا کا شکر ہے' پر اپنا دماغ کو قابو میں رکھو' ڈاکٹر کو چیک کراؤ' اس سے پوچھو ایسا کائے کو ہوتا ہے۔"

"ہاں پوچھوں گا۔" اتنی دیر میں اماں دودھ لے آئی تھی۔ بڑے سے گلاس میں گرم دودھ تھا' اس نے اپنے دوپٹے کی تہیں بنائیں اور اُسے دودھ کے گلاس کے گرد لپیٹ کر میرے آگے کرتے ہوئے بولی:

"پکڑ لو نئی تو ہاتھ جل جائیں گا۔ اور ابھی ایک ایک گھونٹ کرکے پی جاؤ' تھوڑا طاقت آجائیں گا۔" مجھے بس ایک الجھن ہو رہی تھی' دنیا میں اس کے علاوہ اور کوئی پریشانی نہیں تھی میرے لئے' ماں کی قبر پر بیٹھا تھا تو ہواؤں کی سرگوشیوں نے پوری زندگی کا تصور خاک میں ملا دیا تھا' یہ دنیا جس سے مجھے نفرت تھی' یہ سب لوگ جو خود غرض تھے' اپنی ذات کے لئے دوسروں کو ملیامیٹ کر دینے والے' یہ سب کے سب انسان بن رہے تھے' میرے ساتھ اس وقت محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جب میں نفرتوں کی انتہا سے گزر چکا تھا' کیوں آخر کیوں؟ یہ وقت تو مجھ پر اس وقت آنا چاہیے تھا جب ماں کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی تھی اور میں آنسو بھی نہیں بہا سکا تھا دل کھول کر۔ پھر وہ آوازیں جو کہہ رہی تھیں کہ حیات علی شاہ بے گناہ ہے اس طرح جس طرح میں نے شازیہ کو ٹیکسی میں نہ بٹھا کر اس کے بھائی کی جان لے لی تھی' جس طرح میں اس وقت شازیہ کی حقیقت سے واقف نہیں تھا اسی طرح حیات علی شاہ کو بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میری ماں اس طرح اس کی کار کے نیچے آجائے گی میں تو حقیقتوں کو تسلیم نہ کرکے اپنی جان بچائی' اور حیات علی شاہ نے عدالت میں اپنا اسی طرح تحفظ کرکے اپنی جان بچائی۔ آہ ۔۔۔ اگر حیات علی شاہ بھی مجرم ہے تو میں بھی مجرم ہوں' لیکن وقت گزر چکا ہے اگر میں اپنے لئے سزا کا مطالبہ کروں تو کون میری بات مانے گا' کون مانے گا میری بات' بس میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے اطراف محبتوں کا حصار بن جائے۔ میں' میں تو بس اس دنیا سے اکتایا ہوا تھا' میں نے دودھ کا گلاس دور پھینک دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' رفیق نے زور سے آواز لگائی:

"ارے او چریا۔ ابھی کدر کو جاتا ہے۔ یار سچ مچ میرے کو پاگل ہی لگتا ہے۔"

"اسے پکڑ رفیق۔ پکڑ اسے' پتہ نہیں کیا کرنے جارہا ہے؟"

"ارے چھوڑو ابا مرنے دو' اس کا موت ایسے ہی آنا ہے تو آجائے' ہمارے کو کیا؟ ابھی یار کچھ بھی نئی مانگا ہم نے اس سے' دودھ پھینک دیا اٹھا کر' پاگل۔ جاؤ بھاڑ میں جاؤ ہمارا طرف سے' ابھی تم اس قابل نہیں تھا کہ تمہارا جان بچاتا۔"

رفیق برا مان گیا تھا مگر مجھے برا ماننے والوں سے ہی پیار تھا میں نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا' چابی اگنیشن میں لگی چھوڑ گیا تھا' چنانچہ میں نے ٹیکسی اسٹارٹ کی اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ ڈال دیا' ریت کی دیوار پیچھے چھوڑتا ہوا میں نجانے کتنی رفتار سے ٹیکسی چلاتا ہوا آخر کار غازی عبد اللہ شاہ کے مزار پر نکلا اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھتا چلا گیا۔ آنکھوں کے سامنے لہریں اٹھ رہی تھیں۔ دل پر شدید بوجھ تھا۔ کیا کروں' کیسے جیوں۔ اس دنیا سے کیا سلوک کروں۔ آہ کاش' کوئی مجھے بتا دے۔ کوئی میری رہنمائی کردے۔ پلے لینڈ کے سامنے سے گزرا اور پھر ٹیکسی گھما کر سیدھی سڑک پر آگیا۔ بہت احتیاط برت رہا تھا' کیونکہ ذہنی حالت بالکل درست نہیں تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے تو واقعی میں جنونی ہوگیا تھا مسائل تو زندگی کے ساتھ چلتے ہیں' اور پھر سڑکوں پر ٹیکسی چلاتا تھا' زندگی کے نئے نئے تجربات ہوتے تھے' طرح طرح کے لوگ ملتے تھے۔ میں اگر اپنے وجود پر یہ بوجھ سوار رکھوں گا تو بہتر نہ ہوگا۔ سمندر ہی میں ڈوب گیا تھا۔ اس بیچارے نے مجھے پانی سے نکالا اور ان لوگوں نے میری خدمت کی' لیکن بن الفاظ دیوانگی طاری کردیتے تھے۔ آہ کیا میں اس مشکل سے نکل کر کبھی انسان بن سکوں گا۔ انسانوں کی طرح جینا آجائے گا مجھے۔ اس سواری کو نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا جس نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر زور زور سے ہاتھ ہلایا تھا۔ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ایک خیال آیا۔ اس وقت ذہنی کرب دور کرنے کے لئے اگر کسی سے مشورہ کرلیا جائے تو شاید دل کو تھوڑا سا سکون مل جائے۔ چنانچہ میں نے بریک لگائے' ٹیکسی ریورس کی اور وہاں سے آگے بڑھ کر اس شخص کے قریب پہنچ گیا۔ سڑک کے کنارے سفید رنگ کی ہنڈا اکارڈ کھڑی ہوئی تھی اور یہ شخص ہاتھ کا اشارہ دے کر مجھے روک رہا تھا' سوٹڈ بوٹڈ اور تقریباً پچاس باون سالہ آدمی تھا۔ میں نے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا تو وہ جھک کر بولا:

"بھائی جمشید روڈ جانا ہے' اگر کوئی دقت نہ ہو تو مجھے وہاں پہنچا دو۔"

"بیٹھو----" میں نے کہا اور وہ شکریہ ادا کرکے بیٹھ گیا۔ پھر دروازہ بند کرتا ہوا بولا:

اصل میں میری گاڑی خراب ہوگئی ہے اور اس وقت ظاہر ہے کسی میکینک کا ملنا ممکن نہیں ہے۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ اس نے کہا:

کیا تم نے مجھے دیکھا نہیں تھا' کسی خیال میں گم تھے یا پھر انسانی ہمدردی کی بنیاد پر آگے جا کر تم نے یہ بات سوچی کہ مجھے ٹیکسی مشکل سے ہی ملے گی' اور پھر اپنی ٹیکسی ریورس کرکے وہاں تک آئے۔" میں نے کچھ لمحے کوئی جواب نہیں دیا لیکن پھر میں نے اس سے کہا:

"میں نے تمہیں پہلے دیکھ لیا تھا اور اس وقت میں کوئی سواری نہیں بٹھانا چاہتا تھا' لیکن ایک الجھن ہے میرے ذہن میں' ایک مشکل سوار ہے مجھ پر' میں تم سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں مجھے جواب دو گے۔"

"پوچھو' کیا بات ہے' کیا مشورہ کرنا چاہتے ہو تم؟"

"گناہ و ثواب کا فلسفہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا مطلب؟"

"سنو' ایک معصوم سا بچہ تعلیم حاصل کررہا ہے' اس کی نگاہوں کے سامنے ایک شخص اس کی ماں کو کچل کر ہلاک کردیتا ہے چھوٹی سی ٹکر لگی تھی اس عورت کو۔ تھوڑے فاصلے پر جاگری تھی' لیکن اس شخص نے نکل بھاگنے کے چکر میں گاڑی اس پر چڑھا دی اور وہ ہلاک ہوگئی۔ وہ بچہ اس دنیا میں تنہا رہ گیا۔ ماں کے علاوہ اس کا اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک بار ایک لڑکی اسے ملی۔ اس کا بھائی دل کے دورے کا شکار ہوا تھا' لڑکی نے ٹیکسی روکنا چاہی مگر وہ لڑکا جو جوان ہو کر ٹیکسی ڈرائیور بن گیا تھا اپنے جنون میں ٹیکسی کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے لڑکی کو نہیں بٹھایا تھا۔ لڑکی کا بھائی مرگیا' وہ بچ سکتا تھا کیونکہ لڑکی اس کے لئے زندگی بچانے والا انجکشن لے کر ہسپتال جانا چاہتی تھی۔ کیا وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی اتنا ہی گنہگار نہیں تھا جتنا وہ شخص جس

نے اس بچے کی ماں کو کچل دیا تھا۔ زندگی تو دونوں ہی کی گئی' اس ٹیکسی ڈرائیور نے بھی وہی کیا جو اس شخص نے کیا تھا' گنہگار دونوں ہیں' دونوں کے لئے کیا برابر کی سزا نہیں ہونی چاہیے۔ بتا سکو گے مجھے' جواب دے سکو گے؟"

وہ شخص خاموش رہا' فاصلے طے ہوتے رہے' میں صدر سے گزر گیا' کیپری سینما تک آگیا' اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا' اچانک ہی میں نے ٹیکسی کو بریک لگائے اور خونخوار نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا:

"میں بتا چکا ہوں کہ میں تمہیں صرف اس لئے ٹیکسی میں بٹھایا تھا کہ تم سے اپنے سوال کا جواب لے سکوں' میرے سوال کا جواب دو ورنہ ٹیکسی واپس گھماؤں گا اور تمہیں وہیں چھوڑ آؤں گا جہاں تم مجھے کھڑے ہوئے ملے تھے۔"

"ارے نہیں نہیں' خدا کے لئے ایسا مت کرنا' اصل میں صحیح جواب کا تعین کر رہا تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے' اگر اس شخص سے حادثہ ہوا تھا تو یہ اس کا اخلاقی فرض بنتا تھا کہ وہ اس لڑکے کی ماں کو ہسپتال پہنچاتا اور اس کا علاج کراتا' وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں وہاں سے بھاگا اور حادثہ ہوگیا' میں سمجھتا ہوں وہ واقعی گنہگار ہے۔"

"اور عدالت میں کھڑے ہو کر اس نے کہا کہ اس نے یہ حادثہ نہیں کیا' سب نے اس کے حق میں گواہی دی' لیکن وہ ٹیکسی ڈرائیور اس وقت تنہا تھا جب لڑکی اسے ملی تھی اور اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسی کیفیت کی شکار ہے۔"

"ہاں بالکل درحقیقت وہ ٹیکسی ڈرائیور اتنا گنہگار نہیں چونکہ اس نے ناواقفیت کی بنیاد پر لڑکی کو ٹیکسی میں نہیں بٹھایا' لیکن اگر اس کی اس کوتاہی کی وجہ سے وہ حادثہ ہوا تو بہرحال جرم اس پر بھی عائد ہوتا ہے' اصل میں ہم لوگ اخلاقیات سے بالکل عاری ہوگئے ہیں' کچھ فرائض پیشہ ورانہ بھی ہوتے ہیں' کچھ اخلاقی ہوتے ہیں' ہر پیشہ اپنی الگ اہمیت رکھتا ہے اور کبھی کبھی اپنے فرائض پورے نہ کرنے سے بہت سے حادثے ہوجاتے ہیں' کوئی پیشہ معمولی نوعیت کا نہیں ہوتا' ہرانسان جب کچھ کرنے کے لئے نکلتا ہے تو کچھ لوگ اس سے منسلک ہوتے ہیں' مثلاً ایک راج مزدور دیوار کھڑی کرتا ہے' اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے وہ اور ایک کمزور دیوار بنا دیتا ہے تو کسی وقت وہ دیوار گر کر بہت سوں کی زندگی لے سکتی ہے' سڑکوں پر صفائی کرنے والے اگر اپنے فرض سے غفلت برتتے ہیں

تو کوڑا کرکٹ اور گندگی انسانی صحت کے لئے مضر ثابت ہوتی ہے' بیماریاں پھیلتی ہیں' ان سے اموات ہوتی ہیں' سڑکوں کے کھلے مین ہول جن پر توجہ نہیں دی جاتی' کبھی کبھی زندگیاں لینے کا باعث بن جاتے ہیں' یہ تینوں حوالے میں نے تمہیں اس لئے دیئے ہیں کہ ہم ان کاموں کو معمولی حیثیت دیتے ہیں۔ یہ کام کرنے والوں کو بہت معمولی سا معاوضہ ملتا ہے وہ غیر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں' لیکن یہ تو بہت سادہ اور آسان سی بات ہے کہ آپ جس مقصد کے لئے گھر سے باہر نکلے ہیں اور اس سے آپ کو اپنی روزی کمانا مقصود ہے تو آپ اپنے فرض کو پورا کریں۔ آپ اپنی چوائس کیوں رکھتے ہیں' یہ بس داہنی سمت پہلی گلی میں۔" اس شخص نے کہا اور میں نے گاڑی موڑ دی دروازے پر رک کر میں نے اس سے کہا:

"گویا وہ مجرم درجہ اول رہا اور اور ـــــ"

"ہاں' مجرم تم بھی ہو' لیکن تم نادانستگی میں یہ جرم کر بیٹھے ہو' یہ پیسے لو۔" اس نے نوٹ نکال کر مجھے دیا اور میں جھک کر میٹر میں رقم دیکھنے لگا۔ پھر میں بقیہ پیسے اسے واپس کئے تو وہ بولا:

"نہیں! رات کا وقت ہے' ویسے بھی اس وقت کون مجھے یہاں لاتا' تم میٹر سے زیادہ رقم کے حق دار ہو۔"

وہ واپسی کے لئے مڑا تو میں نے کرخت لہجے میں اسے آواز دی۔

"بات سنو کیا تم ایک اخلاقی جرم کے مرتکب نہیں ہو رہے۔ ایک محنت کش کو جو صرف اپنی محنت کا صلہ لینا چاہتا ہے بھیک دے رہے ہو۔ ابھی تو مجھے اخلاقیات کا سبق دے رہے تھے اور ابھی بھیک دینے پر تل گئے۔"

میں نے باقی پیسے اس کے منہ پر دے مارے اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ سکون نہیں لے سکا تھا۔ مطمئن نہ ہوسکا تھا میں' اس شخص نے اچھی باتیں کی تھیں' کچھ لمحے کے لئے ذہن پر سکون ہوا تھا لیکن اس شخص نے پھر منتشر کردیا تھا۔ گھر آکر میں بے سدھ ہو کر پڑگیا اور پھر نیند آگئی تھی۔

یار محمد بھی مست مولا تھا۔ دوسری ٹیکسی بھی تھی اس کی' دوسرا ڈرائیور چلاتا تھا لیکن میرے پاس جو ٹیکسی تھی وہ کسی قدر نئے ماڈل کی تھی اور میں نے چونکہ ابھی تک

اس پر کوئی نشان نہیں لگایا تھا اس لئے وہ یہ ٹیکسی دن میں نہیں چلواتا تھا اور ٹیکسی تقریباً میرے پاس ہی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ میں اسے معقول رقم دیتا تھا۔ اس لئے اسے اور بھی پروا نہیں ہوتی تھی۔ پچھلے دن جو کچھ ہوا تھا صبح کو جاگنے کے بعد مجھے اس کا شدید احساس ہوا تھا اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ مجھے دیوانگی کی ان حدود سے باہر نکلنا ہو گا خود کو سنبھالنا ہو گا۔

بہرحال آج کا دن میں نے خود کو قابو میں رکھ کر گزارا تھا۔ شام کو معمول کے مطابق ٹیکسی کی صفائی کی اندر جھانکا تو دھک سے رہ گیا۔ ایک بے حد خوبصورت بریف کیس پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔ یہ بریف کیس۔ میرے خدا یہ اس شخص کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا تھا جسے میں نے جمشید روڈ پر چھوڑا تھا۔ سارا دن ٹیکسی میں پڑا رہا تھا اگر کسی کے ہاتھ لگ جاتا تو ---- پتہ نہیں کیا ہے اس میں۔ بریف کیس اٹھا کر دیکھا ---- نمبروں سے کھلنے والا تالا تھا۔ بہرحال وہ بنگلہ مجھے یاد تھا۔ پہلے اسے پہنچادوں۔ میری پہلی سواری یہ بریف کیس ہے۔ میں نے روانہ ہونے سے پہلے میٹر ڈاؤن کرلیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں اس بنگلے پر جا رکا۔ سفید ہنڈا اکارڈ کھڑی ہوئی تھی' باہر پتیل کی خوبصورت پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ جس پر نظام احمد قاضی۔" بار ایٹ لا لکھا ہوا تھا۔

یہ بار ایٹ لا کا لفظ مجھے بے حد پرکشش محسوس ہوا۔ ویسے تو بریف کیس کسی کے حوالے بھی کرسکتا تھا لیکن اب سوچا کہ ذرا دن کی روشنی میں ان قاضی صاحب کا دیدار کرلیا جائے۔ ممکن ہے مستقبل میں کبھی کسی کام آجائیں۔ میں نے نیچے اتر کر بیل پر انگلی رکھی اور دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا۔ رات کو اس شخص کو غور سے نہ دیکھنے کے باوجود میں نے اسے پہچان لیا۔ تب میں نے بریف کیس ٹیکسی سے نکالا تو وہ جلدی سے بولا۔" آؤ"۔

یہ بریف کیس آپ کا ہے؟" میں نے بریف کیس سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں آؤ ---- صبح سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"

"جی۔" میں حیرت سے بولا۔

"یار آجاؤ ---- کیوں بور کررہے ہو۔ آؤ پلیز ---- انجن بند کردو!" ان صاحب نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"میرا میٹر چل رہا ہے!" میں نے کہا۔

"پوری ادائیگی کروں گا۔ آجاؤ۔" انہوں نے کہا اور میں نے انجن کا سوئچ آف کردیا۔ پھر میں ان کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ چھوٹا سا لیکن خوبصورت بنگلہ تھا۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

"آپ ہی قاضی صاحب ہیں؟"

"جی ---- تشریف رکھئے!"

"حالانکہ یہ سب کچھ بہت عجیب ہے لیکن ----" میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں صبح سے تمہارا انتظار کررہا تھا۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ جو کاغذات بریف کیس میں ہیں ان کی آج ضرورت نہیں تھی لیکن صرف تمہارے انتظار کی وجہ سے میں آج کورٹ نہیں گیا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کیسے" ثابت کریں گے کہ یہ بریف کیس آپ کا ہی ہے۔"

"تم نے اسے کھول کر دیکھا۔"

"نہیں۔"

"اب کھول لو۔ اس کا نمبر ٹرپل زیرو تھری فور ہے۔ چلو ملاؤ نمبر---- ویسے اس میں سولہ ہزار روپے کیش اور بے حد ضروری کاغذات ہیں۔ کھولو میرے بتائے ہوئے نمبروں سے۔"

میں نے یہ عمل کرلیا تھا' پھر جب ڈھکن کھل گیا تو میں نے اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب اجازت؟"

"قطعی نہیں ---- چائے پیو گے میرے ساتھ۔"

"جناب عالی۔ میں شام کو ٹیکسی چلاتا ہوں اور ٹیکسی نکال کر سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"پلیز---- ٹیکسی ڈرائیوروں جیسی باتیں مت کرو کیونکہ ---- تم ذہنی طور پر ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہو۔ میرا مطلب ہے کیا تم ایک بزرگ کی خواہش پر اپنا تھوڑا سا وقت مجھے

نہیں دے سکتے۔"

"اوکے' بات صرف اتنی ہی نہیں' کچھ اور بھی ہے' اب میں بیٹھا ہوا ہوں آپ مجھے چائے ضرور پلوائیے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"چائے آرہی ہے۔ ویسے یقین کرو مجھے یہ تو اطمینان تھا کہ تم بریف کیس واپس دینے ضرور آؤ گے لیکن پھر ایک خیال مایوس بھی کر رہا تھا۔ میں بریف کیس تمہاری گاڑی میں بھول گیا ہوں کوئی اور سواری اسے مال غنیمت سمجھ کر اپنی ملکیت نہ بنا لے۔ دن بھر تم نہ آئے تو میں نے مایوسی سے یہی سوچا تھا۔"

"بس میں نے اسی وقت ٹیکسی نکالی تھی۔"

"دن میں کچھ اور کرتے ہو۔"

"جی ہاں' پڑھتا ہوں۔"

"ویری گڈ ---- کیا پڑھ رہے ہو؟"

"لا ---- آخری سال ہے۔" میں نے جواب دیا اور قاضی صاحب اچھل پڑے۔ کچھ لمحے حیرت سے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے:

"ویری گڈ ---- کمال ہے' اوہو ---- اب بہت کچھ سمجھ آرہا ہے۔ تمہارے الفاظ بھی اور ---- تم نے کہا تھا نا کہ بات صرف اتنی نہیں اور بھی ہے۔"

"تمہاری آج کی مزدوری تو گئی وکیل صاحب' آرام سے بیٹھو۔ رات کو تمہاری جو کیفیت تھی میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ بڑے عجیب سوالات کئے تھے تم نے اور ---- حلیہ بھی کچھ عجیب ہو رہا تھا تمہارا۔ یقین کرو پہلے تو لگا جیسے تم نے کوئی نشہ کیا ہو' معاف کرنا ---- اب بالکل یہ خیال نہیں ہے۔ سنو' رات کے سوال کا پس منظر بتاؤ گے؟"

"آپ سنیں گے؟" میں سلگتے لہجے میں پوچھا۔

"خدا کی قسم بڑے خلوص سے۔ میں نے تمہارے الفاظ کی تپش محسوس کی ہے اور مجھ پر کچھ ذمے داریاں آپڑی ہیں۔ سب کچھ بھول جاؤ۔ اپنا ماضی میرے سامنے واضح کردو۔ کاش میں تمہارے کسی کام آسکوں۔" قاضی صاحب نے کہا۔

آج مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وجود کی تپش کو اندر کے سلگتے ہوئے جذبات کو کسی ہمدرد کے سامنے زبان کے راستے باہر لے آیا جائے تو تپش کچھ کم ہو جاتی ہے۔ نظام احمد صاحب تجربہ کار انسان تھے۔ میرے اندر چھپے ہوئے بخار کا اندازہ لگا چکے تھے۔ انتہائی نرمی اور محبت کے ساتھ وہ مجھ سے سوالات کرتے رہے اور میں انہیں جواب دیتا رہا۔ میں نے انہیں مختصراً تفصیل بتائی تو وہ بولے۔

"ہاں! ٹیکسی میں تم نے مجھ سے جو سوالات کئے تھے ان سے مجھے اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ تم کسی ذہنی کیفیت میں مبتلا انسان ہو؟ اور اب اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں نے اپنا بریف کیس جان بوجھ کر تمہاری ٹیکسی میں چھوڑا تھا تو ہو سکتا ہے تم اس بات پر یقین نہ کرو۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جب تم مجھے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہو گئے تھے تو میں اپنی کار سے خصوصی طور پر بریف کیس نکالا تھا جبکہ اس میں میرے ضروری کاغذات تھے۔ پھر بھلا اتنی اہم چیز کو میں تمہاری کار میں کیوں چھوڑتا؟ لیکن! تم یقین کرو منصور کہ میں ساری زندگی تجربے کرتا رہا ہوں۔ اسے میرا شوق سمجھ لو۔ مشغلہ سمجھ لو' اصل میں میرے ساتھ بھی کچھ حادثات پیش آئے ہیں۔ مختصراً الفاظ میں یوں سمجھو کہ محبت کی شادی کی تھی۔ وہ میری محبوب تھی اور اسے پانے کے لئے میں نے اپنی ساری عمر جدوجہد میں گزاری تھی۔ اور خود کو اس قابل بنایا تھا کہ اس خاندان میں اپنے آپ کو ضم کرسکوں۔ میری اس سے شادی ہو گئی۔ زندگی کی یہ خوشیاں مجھے ایک سال سات مہینے تک نصیب رہیں۔ اور پھر میری بیوی یا میری محبوب مجھ سے جدا ہو گئی۔ پہلے بچے کی پیدائش میں تقدیر ہمارا ساتھ نہیں دے سکی۔ بچہ مردہ پیدا ہوا۔ اور اس کے جسم میں زہر پھیل گیا۔ میری کوئی کوشش اسے زندگی نہ دے سکی۔ بہرحال! میں نے تقدیر سے سمجھوتہ کرلیا۔ لے دے کر دنیا میں ایک بہن تھی وہ بھی بیوہ ہو گئی تھی اور کسی طور شادی کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس وقت اس گھر میں کچھ ملازم ہیں اور میری وہ بہن ہے جن کا میں ماں کی طرح احترام کرتا ہوں۔ بس اس کے بعد میں نے اپنے آپ پر غور کیا۔ زندگی کے لئے کچھ فیصلے کئے۔ بڑی عجیب عجیب باتیں ہیں۔ ہم ایک چھوٹی سی بیماری سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں کہ یہ بیماری آخر ہمیں قبر تک لے جائے گی۔ لیکن صبح کے اخبار میں ہم درجنوں ایسی اموات کا تذکرہ پڑھتے ہیں۔ جن میں

بڑے بڑے کڑیل جوان بھی ہوتے ہیں۔ نہ وہ بیمار ہوتے ہیں نہ اس بات کی توقع ہوتی ہے کہ موت اس طرح چپکے سے ان کے قریب آجائے گی۔ لیکن مختلف حادثات میں وہ زندگی کھو بیٹھتے ہیں یہ نظام کائنات ہے۔ جو اپنے مخصوص انداز میں چلتا ہے اور انسان کو اسی جگہ اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا ہے۔ میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ اس کے بعد میری زندگی میں لاابالی پن آگیا لیکن! بہرحال میں نے زندگی گزاری۔ اپنے آپ کو مطمئن کیا کوئی دوسری عورت میری زندگی میں شامل نہیں ہوسکی۔ میں نے اپنی اس پہلی محبت کی یاد میں اپنی زندگی کے بہت سے سال گزار لئے ہیں اور غیر مطمئن نہیں ہوں۔ میں تمہارے بارے میں خصوصی طور پر تمہاری یہ داستان سن کر اندازہ لگا چکا ہوں کہ تم کس طبیعت کے انسان ہو؟ ویسے تمہاری والدہ نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ تمہارے والد صاحب کی موت کیسے واقع ہوئی تھی؟"

"قدرتی موت تھی وہ۔ ماں کہتی تھی نمونیہ ہوگیا تھا انہیں۔"

"والد صاحب کا کوئی خاندان وغیرہ نہیں تھا؟"

"معلوم نہیں اگر ہوگا تو اس خاندان نے میری ماں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا ہوگا۔ خود میری ماں کا بھی اپنا کوئی خاندان نہیں تھا سوائے میرے۔ میں ہی اس کا خاندان تھا۔"

"کیا نام تھا تمہارے والد صاحب کا؟"

"میرے اسکول کے کاغذات میں تصور حسین۔"

"ہونہہ! لیکن تم نے کبھی چھان بین نہیں کی اس بات کی؟ کوئی ایسی چیز تمہاری ماں کے پاس دستیاب نہیں ہوئی جو تمہیں یہ بتا سکتی کہ وہ کونسا حق تھا جو تمہیں وکیل بنا کر تمہاری ماں، تمہارے ذریعے حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

"آہ! یہی تو غم ہے مجھے۔ یہی تو افسوس ہے کم از کم زندگی کا ایک راستہ تو آتا میرے سامنے۔ دیکھتا تو سہی۔ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے میری ماں کا حق غصب کیا تھا؟ معلوم تو ہوتا مجھے۔ بالکل ہی درمیان میں چھوڑ دیا امی نے مجھے۔ کچھ تو بتا دیتیں۔ زندہ رہنے کے لئے کوئی راستہ تو نظر آتا۔" میں نے مغموم لہجے میں کہا۔

ساری باتیں بتا دی تھیں نظام احمد صاحب کو لیکن! حیات علی شاہ کے بارے میں

نہیں بتایا تھا۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا اپنے دل میں کہ اپنی ماں کے قاتل کے ساتھ میرا سلوک کیا ہو؟ ماں کی قبر سے جو احساسات الفاظ بن کر میرے کانوں میں گونجے تھے۔ ان کا مفہوم تو یہی تھا کہ حیات علی شاہ نے جان بوجھ کر میری ماں کو قتل نہیں کیا تھا وہ ایک غلطی تھی ایک حادثہ تھا۔ جبکہ اس کی نسبت میرا جرم زیادہ شدید تھا۔ اگر میں اس لڑکی کو اپنی ٹیکسی میں بٹھا لیتا اور اپنے جنون کا شکار نہ ہوتا تو شاید اس کے بھائی کے بچنے کی کوئی امید ہوجاتی۔ بہرحال حیات علی شاہ کے بارے میں میں نظام احمد کو نہیں بتایا۔

نظام احمد میری پوری کہانی سننے کے بعد دیر تک سوچتے رہے پھر بولے:

"یار! تم بہت اچھے آدمی ہو۔ منصور! تم بہت اچھے آدمی ہو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ کوئی انسان کسی پر اپنی رائے مسلط نہیں کرسکتا۔ لیکن جب کوئی کسی کو بلاوجہ اپنانے کی کوشش کرے تو سمجھو کہ ان کوششوں میں قدرت کا ہاتھ ہے۔ قدرت کچھ چاہتی ہے اور قدرت جو کچھ چاہتی ہے وہ میرے ذہن میں آیا ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو تم سے بیان کردوں؟"

"جی فرمایئے؟" میں نے کہا۔

"منصور! یقینی طور پر تم کسی ایسے محلے میں رہتے ہوگے جہاں تمہارے اردگرد لاتعداد پسماندہ ذہن پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو تمہیں زندگی کے بارے میں کوئی اچھا مشورہ دے سکے۔ وہ جگہ بھی ایسی ہوگی۔ جیسے ایک تنہا انسان زندگی گزارتا ہے۔ اور انسان بھی وہ جو دنیا سے جھگڑے مول لئے بیٹھا ہو۔ منصور! دو افراد ہیں یہاں۔ اس گھر میں۔ کیا تم یہ پسند کرو گے؟ کہ تم تیسرے فرد کی حیثیت سے ہمارے ساتھ زندگی گزارو۔"

"گویا آپ مجھ پر رحم کھانا چاہتے ہیں۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دیکھو دوست! ماں اپنی اولاد کو جنم دیتی ہے تمہارا کیا خیال ہے؟ جنم دینے کے بعد کیا وہ صرف اس لئے تمہاری پرورش کرتی ہے کہ اس نے تمہیں جنم دیا ہے اور تم اس کا مستقبل ہو۔ کیا پیدائش سے پہلے کوئی یہ آرزو کرتا ہے کہ اس کے مستقبل کا سامان اس طرح ہو؟ بیٹے جیسا کہ میں نے تمہیں ابھی بتایا۔ نظام کائنات نہ میرے ہاتھوں نہ تمہارے ہاتھوں میں۔ اس کا ترتیب کنندہ کوئی اور ہی ہے۔ اور جو ہے اس کا سوچنا سب

سے درست ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے اسے کیا کرنا ہے۔ تم ٹیکسی اس لئے چلا رہے ہو کہ تمہارا گزارا ہو۔ پیٹ بھر سکو۔ لباس پہن سکو۔ اور اپنی تعلیم جاری رکھو۔ ایک منصوبہ ہے تمہارے ذہن میں۔ وہ یہ کہ اپنی ماں کی آرزو کے مطابق وکیل بن کر ان لوگوں کی تلاش کرو۔ جنہوں نے تمہاری ماں کا حق غصب کیا ہے۔ اور ماں کی موت کے باوجود اس کی خواہش پوری کرو۔ حالانکہ ہم نہیں جانتے کہ موت کے بعد آزاد روحوں کی سوچ کیا ہوتی ہے؟ بیٹے یہ تو ہماری اپنی سوچ ہے جس کے مطابق ہم نہ جانے کیا کیا کہانیاں گھڑ لیتے ہیں۔ مالک کائنات نے زندگی سے پہلے اور موت کے بعد کے تمام راز اپنی تحویل میں رکھے ہیں اور دنیا کی ابتداء سے پہلے دن سے لے کر آخری دن تک یہ راز کسی کو نہیں معلوم ہوسکتے۔ اصل میں یہ کہنا چاہتا تھا میں کہ اس میں تم پر کوئی احسان نہیں ہے آخر تم ٹیکسی بھی تو چلاتے ہو۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ کسی یار محمد نامی شخص کی ملکیت ہے۔ اگر تم میرے ساتھ رہ کر مجھے اسسٹ کرو اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھو تو ایک اچھا وکیل بننے میں تمہیں آسانیاں حاصل ہوجائیں گی۔ اپنے جذبوں کو بے شک زندہ رکھو کیونکہ جذبوں کی موت انسان کی موت ہوتی ہے۔ جذبے ہی زندگی کا دوسرا نام ہیں۔ تم نے کسی نہ کسی پر زندگی میں رحم ضرور کھایا ہو گا۔ کوئی ایسا تو ہو گا جس پر تمہیں افسوس ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہے کبھی زندگی میں کبھی کوئی نیک کام کیا ہے تم نے؟ تم سمجھ لو کہ تمہاری ذات مکمل طور پر شیطان کی تحویل میں نہیں گئی ہے۔ شیطان کہیں نہ کہیں تمہارے اندر کے انسان سے مات کھا گیا ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر میری بات مانو۔ مجھے اسسٹ کرو گے۔ میں تمہیں اس کا تھوڑا بہت معاوضہ بھی دوں گا۔ اتنا جتنا تم ٹیکسی چلا کر کما لیتے ہو۔ رہائش بھی یہیں ہوگی۔ اپنے کالج کے وقت کالج جاؤ گے۔ اس کے بعد کا وقت مجھے دیدو گے۔ یہ میری آرزو ہے۔ اور کہہ چکا ہوں کہ اس میں کوئی احسان نہیں ہے۔ بے شک انسانوں سے نفرت تمہارے دل میں کسی وجہ سے پروان چڑھ رہی ہے لیکن میں تمہیں یہ بات ضرور بتانا چاہوں گا کہ انسان سے انتقام لو۔ انسانیت سے انتقام مت لو۔ کیونکہ وہ دنیا اور عاقبت دونوں جگہوں کے لئے جرم ہے۔ دنیا میں اپنے آپ کو چھپالو گے عابقت میں تمہاری ماں نے اگر تم سے یہ سوال کر ڈالا کہ منصور میں نے تو تجھے انسان کے بچے کی حیثیت سے جنم دیا تھا تو نے شیطان کی برتری کیوں قبول کرلی؟ کوئی جواب نہیں ہوگا

منصور! تمہارے پاس۔ سوچ لو!"

"نہیں۔ میں درحقیقت یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کی پیشکش میں جو جذبے پوشیدہ ہیں میں انہیں سمجھ رہا ہوں۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ لیکن اس طرح میں سمجھتا ہوں میرے وجود میں وہ آگ ٹھنڈی ہوجائے گی۔ میرے سینے کی وہ جلن مٹ جائے گی۔ میں ان چالوں سے نکل آؤں گا جن سے نکلنے کی میں جدوجہد کر رہا ہوں۔"

پچھلی رات تم نے اس لئے اپنی ٹیکسی ریورس کرکے میرے پاس کھڑی کی تھی کہ تمہیں مشورہ لینے کے لئے کسی انسان کی ضرورت تھی۔ اب دیکھو! نظام کائنات ہے میں خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا گاڑی میں بہت معمولی سی خرابی ہوگئی تھی جانتے ہو کیا؟ اس کے کوائیل کا تار تھوڑا سا ڈھیلا ہوگیا تھا۔ اور وہ کرنٹ نہیں لے رہی تھی میرے اپنے خیال کے مطابق مجھے تمہاری ٹیکسی میں بیٹھنے کا حکم ہوا تھا۔ تم سے رابطہ قائم ہونا تھا میرا۔ اور اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی تھی حالانکہ رات کو تم نے جو بقیہ پیسے میرے منہ پر مارے تھے۔ ان میں ایک دو روپے کا سکہ بھی تھا۔ یہ دیکھو! میری پیشانی کے پاس یہ ہلکا سا زخم اسی سکے کا لگایا ہوا ہے لیکن بہرحال! میں تم سے کوئی شکایت نہیں کرتا۔ البتہ اگر تم میری اس پیشکش سے انکار کردو گے تو یقین کرو کم از کم تین دن تک دکھی رہوں گا۔ تین دن کے بعد اس دکھ کو فراموش کردوں گا۔ سمجھ رہے ہونا۔" میں نظام احمد قاضی کو دیکھ رہا تھا سوچ رہا تھا' اور اس کے بعد میں نے کہا۔ "قاضی صاحب! ماں سے پوچھ کر بتاؤں گا میں۔ ابھی میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے آپ کے لئے۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ قاضی صاحب نے بھی مجھے نہیں روکا تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں واپس چل پڑا۔ اور اس کے بعد وہی ذہنی ہیجان وہی بے کلی اور بے چینی جو نہ جانے مجھے کب تک سڑکوں پر گھماتی رہی۔ اور آخری جگہ قبرستان ہی تھا۔ ایک ہی شخصیت ایسی تھی جہاں پہنچ کر دل کی جلن کچھ کم ہوتی تھی۔ اپنے سینے کو ماں کی ٹھنڈی قبر سے لگا کر آنسو بہاتے ہوئے میں نے سوال کیا۔ کیا کروں؟ ماں نے جواب دیا کہ تو وکیل بننا چاہتا ہے نا۔ ایک بیرسٹر تجھے پیشکش کر رہا ہے۔ اگر اس کی پیش کش تو نے قبول نہیں کی تو ایک بڑے نقصان سے دوچار ہوگا زندگی میں کچھ ہی موقعے تو ایسے ملتے ہیں جن سے انسان کو اپنی راہیں آسان کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ ایک موقع ہے تیرے لئے۔ نظام احمد قاضی نے خود کو تیرے

سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ اور تیرے بارے میں بھی وہ بہت کچھ جان گئے ہیں۔ اس
کے باوجود اگر وہ تجھے اس طرح قبول کرنے کو تیار ہیں تو اپنی تعلیم ہی کی تکمیل کے لئے
ان کی یہ پیش کش قبول کر لے۔ وہ اس بات کو احسان نہیں سمجھتے اور وہ لوگ جو نہ
احسان ماننے کی بات کرتے ہیں اور نہ کسی پر احسان کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ وہ
مکمل انسان نہیں ہوتے۔ بلکہ ان میں حیوانیت کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ مالک کائنات نے
انسان پر انسان کی کچھ ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ احسان کو احسان نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ان
ذمہ داریوں کی تکمیل سمجھنا چاہیے۔ اگر ان ذمہ داریوں کی تکمیل سے منہ موڑا جائے تو
کم از کم خود کو انسان نہیں کہنا چاہیے۔ سوال بھی میرے اندر پیدا ہوتا تھا اور جواب بھی
مجھے اندر ہی سے ملتا تھا۔ لیکن یہ میرے جذبے کی انتہا تھی۔ یہ میرے وجود کی حقیقت'
ماں کی روح کی رہنمائی کہ میں ان جوابات سے مطمئن ہو جاتا تھا نہ ہوتا تو حیات علی شاہ
اب تک اس دنیا میں نہ ہوتا۔ وہ تو میری معصومیت تھی میرا بچپن تھا کہ حیات علی شاہ کی
زندگی بچ گئی تھی۔ اگر اس وقت میں جوان ہوتا۔ تو شاید حیات علی شاہ کو قتل کر دیتا۔ اور
اس کے بعد آج یا تو اس کائنات میں نہ ہوتا یا ہوتا تو ایک بہت مجرم کی حیثیت سے دنیا
کے سامنے ہوتا۔ ایک ایسا قاتل جو انسانوں کی زندگی لینے میں ذرا بھی تکلیف نہ محسوس
کرتا ہو۔ تھکے تھکے انداز میں ماں کی جانب چل پڑا۔ بس فیصلے تو فیصلے ہی ہوتے ہیں چاہے
جیسے بھی ہوں۔ ویسے بھی اس محلے میں داخل ہوتے ہوئے اب میرے دل پر شدید بوجھ
آپڑتا تھا۔ بلکہ وہاں سے واپسی پر میں ذہنی جنون لے کر ہی نکلتا تھا یہ آنا جانا بھی مجھے ہلاک
کردے گا۔ یار محمد نے غیر متوقع طریقے اس وقت میرے پہنچنے پر مجھے بغور دیکھا اور بولا:

"خیریت تو ہے؟ کیا بات ہے؟"

"یار محمد بھائی! ٹیکسی چیک کر لو۔ تمام چیزیں چیک کر لو۔ یہ آج کا معاوضہ لو۔ آج
سے میں ٹیکسی چلانا چھوڑ رہا ہوں۔"

"کیا ---" یار محمد چونک پڑا۔

"ہاں یار محمد بھائی۔ اب میں ٹیکسی نہیں چلاؤں گا۔"

"کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے؟ مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کوئی تلخ بات کہہ
دی ہو۔"

"نہیں یار محمد بھائی۔ اتنا اچھا ساتھ رہا ہے ہمارا کہ میں تمہیں کبھی بھول نہیں
سکوں گا مگر ٹیکسی چلانا چھوڑ رہا ہوں' کیا سمجھے؟"

"دیکھو! دیکھو میرا نقصان ہوگا ظاہر ہے تمہارے جیسے کسی دوسرے آدمی کی تلاش
میں بہت وقت لگ جائے گا اگر مجھے بس اتنا بتا دیتے کہ ٹیکسی چلانا چھوڑنے کی وجہ کیا
ہے؟ تو مجھے دکھ نہ ہوتا۔"

"آپ کو اتنا بتا چکا ہوں یار محمد بھائی کہ پڑھ رہا ہوں تعلیم مکمل ہونے والی ہے کچھ
ایسا سہارا مل گیا ہے جو میری اس تعلیم کو مکمل کرانے میں میری بڑی مدد کر سکتا ہے۔"

"تمہیں اس سہارے پر اعتماد ہے۔"

"کافی حد تک۔"

"ٹھیک ہے' لاؤ چابی مجھے دیدو۔ اور سنو میرا تمہارا رشتہ صرف اس ٹیکسی کا نہیں
ہے کافی وقت ہم دونوں نے ساتھ گزارا ہے۔ اور اچھا وقت گزارا ہے۔ تمہاری کامیابی
اور ترقی کی ساری دعائیں میں تمہیں دیتا ہوں۔ کبھی کبھی ملتے رہنا۔ بس انسان کی یہی
خواہش ہو سکتی ہے ایک انسان سے۔"

"جی یار محمد بھائی" میں نے کہا۔ یار محمد نے آج کے پیسے نہیں لئے تھے مجھ سے۔
ویسے بھی میں نے ٹیکسی چلائی ہی نہیں تھی۔ لیکن تھوڑے بہت پیسے میرے پاس ہمیشہ ہوا
کرتے تھے۔ پھر میں وہاں سے چل پڑا۔ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ بہت عجیب۔ نئی زندگی
کے آغاز کا یہ انداز بڑا عجیب تھا۔ کون جانے نظام احمد قاضی صاحب کتنے عرصے مجھ جیسے
بے تکے انسان کو برداشت کر سکیں گے؟ لیکن پیشکش انہوں نے کی تھی اور مجھے جواب
دینا تھا جب میں ان کی رہائش گاہ پر دروازے سے اندر داخل ہوا تو وہ پھولوں کی کیاری کو
پانی دے رہے تھے۔ پانی دینے والا برتن نیچے رکھا۔ میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے
آگے بڑھ آئے۔ میرے سامنے رکے۔ دونوں ہاتھ پھیلائے اور آگے بڑھ کر مجھے سینے
سے لگالیا۔ پھر بولے:

"خدا کی قسم! زندگی میں اگر کوئی ایسا لمحہ تمہیں مل جائے جس میں تمہیں یہ
احساس ہو کہ میں نے اپنی کسی ذاتی غرض یا کسی لالچ کی بنیاد پر تم سے محبت کی ہے اور تم
سے رجوع ہوا ہوں۔ تو میرے منہ پر تھوکنا اور یہاں سے واپس چلے جانا۔ تمہاری آمد

تمہارا فیصلہ' میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب خود میری زندگی میں ایک حسین واقعہ بن کر شامل ہوگا۔ منصور مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے چہرے پر تحریر ہے کہ تم نے میری بات مان لی ہے۔" میں نے کہا:

"جی قاضی صاحب! اپنے زخموں کو بھرنے میں مجھے آپ کی مسیحائی درکار ہوگی۔ شاید یہ تقدیر کا فیصلہ ہے مجھے اس وقت مشورہ درکار تھا۔ اس لئے میں ٹیکسی ریورس کرکے آپ کے پاس آیا تھا۔"

"اب چلو اندر۔ منہ ہاتھ وغیرہ دھو۔ آؤ تمہیں ریحانہ باجی سے ملاؤں۔"

"ریحانہ باجی کے بارے میں سمجھ گیا تھا کہ قاضی صاحب کی بہن ہیں۔ باجی کہہ دیا تھا بس کافی تھا۔ درحقیقت دو افراد پر مشتمل یہ چھوٹا سا خاندان ایک پروقار حیثیت رکھتا تھا۔ عمر رسیدہ خاتون نے بڑی بڑی نہایت دلکش آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا:

"نظام مجھے تمہارے بارے میں بتا چکے ہیں وہ سب کچھ میرے علم میں ہے جو تمہارے اور ان کے درمیان گفتگو کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ نظام کا کہنا تھا کہ یقیناً تم سمجھداری سے کام لو گے۔ جاؤ سب سے پہلے جاکر غسل کرو۔ ارے ہاں! تم اپنے لباس وغیرہ نہیں لائے؟"

"میرے پاس لباس ہیں آنٹی لیکن وہ لباس پہن کر میں آپ کے ڈرائیور کی حیثیت سے تو باہر نکل سکتا ہوں۔ قاضی صاحب کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے نہیں۔ ویسے قاضی صاحب آئیڈیا بڑا اچھا ہے۔ آپ کے ہاں ڈرائیور ہے؟"

"تھا۔ خود اسے کوئی مشکل درپیش ہوگئی فرنٹیر کا رہنے والا تھا۔ مجھ سے معذرت کرکے چلا گیا۔ بات لاپروائی میں رکی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اطمینان سے کوئی اچھا ڈرائیور رکھ لوں گا۔"

"تو سمجھ لیجئے! آپ کو اچھا ڈرائیور مل گیا۔"

"ایسی کوئی بات اس کے بعد کبھی نہ کہنا۔ ہاں! ہمارے بیٹے کی حیثیت سے اگر تم ہم دونوں کو چچا اور جیسا کہ تم نے ریحانہ باجی کو فوراً ہی آنٹی کہا۔ ایسا کوئی رشتہ دے سکتے ہو تو تمہارے گاڑی چلانے پر ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن یہ گاڑی تم ڈرائیور کی حیثیت سے نہیں چلاؤ گے۔ کیا سمجھے؟ بات اصل میں یہ ہے کہ میں تمہاری ہر خوشی کو

عزیز رکھنا چاہتا ہوں۔"

"رکھیے رکھئے مجھ پر کیا فرق پڑتا ہے جب ہاتھ پکڑ کر یہاں سے باہر نکالیں گے تو واپس جا کر یار محمد سے ٹیکسی واپس مانگ لوں گا۔"

"اگر ایسا ہو' تب ایسا کرنا لینا۔ ظاہر ہے دنیا میں کبھی کوئی کسی کو روک نہیں سکتا۔ اچھا چلو چھوڑو۔ ہاں باجی آج تو آپ باورچی خانے میں بہت دھاکے کئے ہیں۔ اب ذرا لطف آئے گا۔ ہم دونوں تو کھا ہی لیا کرتے تھے اب ایک کھانے والا اور ملا ہے۔"

زندگی میں ایسے تجربات اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ ماں کی موت کے بعد تو جس انداز میں زندگی بسر ہوئی تھی۔ وہ بالکل ہی مختلف تھی۔ یہ ماحول ایک سڑک چھاپ زندگی سے لاکھ درجے بہتر تھا اور اس میں کچھ تبدیلیاں تھیں اور رات کو ایک شاندار کھانا میز پر سجا ہوا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا:

"آنٹی! میں یہاں کچھ بدتمیزیاں کروں گا۔ انہیں میری بدتمیزی نہ سمجھئے گا۔ امی ایک یوٹیلٹی اسٹور پر کام کرتی تھیں۔ واپس آکر کھانا پکاتی تھیں۔ میں ان کی تھوڑی بہت مدد کرتا تھا اور پڑھتا تھا۔ ان کا انتقال ہوا تو میری عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ اس کے بعد سڑکوں کے ہوٹلوں میں کھانا کھایا۔ ایک روٹی پر دال رکھ کر فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بھی کھانا کھایا' نلکے سے پانی پیا۔ زندگی میں کبھی سلیقے کی کوئی جگہ نہیں حاصل ہوئی اس لئے اس ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر گھٹیا پن کا ثبوت دوں تو ابتدا میں برداشت کرلیجئے گا۔"

"گڈ' ویری گڈ دیکھا آپ نے ریحانہ باجی یہ ایک کامیاب وکیل بول رہا ہے۔ جن کے پاس سوچوں کے ایسے ذخیرے ہوں۔ آپ اس کے مستقبل کی پیش گوئی کرسکتی ہیں۔ عزیزی کچھ اجازتیں درکار ہیں اور یہ اجازتیں ہم تم سے اس وقت تک لیتے رہیں گے۔ جب تک کہ ہمیں تم سے ڈر لگتا رہے گا۔ اجازتیں یہ ہیں کہ اگر کچھ سمجھانے کی کوشش کی جائے تو اسے اپنی توہین تو نہیں سمجھو گے؟"

"نہیں سمجھوں گا۔"

"وعدہ"

"جی"۔ بہرحال اس نئی زندگی میں تھوڑی سی دلکشی محسوس ہوئی تھی۔ یہاں رہ کر کسی کے ساتھ کوئی فریب کرنے کا خیال دل میں نہیں تھا۔ دو مخلص افراد' دو ہی ملازم اور

میں۔ لباس بھی بنالئے گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کی زندگی بے شمار تجربات کی حامل ہوتی ہے۔ اس موضوع پر قاضی صاحب سے گفتگو بھی ہوئی تھی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمہارا الگ کا تجربہ ہوگا۔ ہم لوگوں کو زندگی کے ہر مزاج سے واقف ہونا چاہیے۔ اب ایسا کرو کچھ کتابیں وغیرہ لکھ کر دیتا ہوں تمہیں۔ جو کچھ پڑھ رہے ہو وہ تو مجھے پتہ ہے۔ یہ کتابیں لے آؤ۔ رات کو تھوڑی دیر بیٹھا کریں گے۔"

"اک معمول بن گیا تھا۔ اور اس کے تحت زندگی گزر رہی تھی۔ یہ چند روز جوابھی تک یہاں گزرے تھے ایک انوکھی دلکشی کے حامل تھے اک گھر کا احساس تھا۔ ریحانہ باجی درحقیقت ایک انتہائی اعلیٰ درجے کی خاتون تھیں۔ بہت ہی نیک نفس، بڑی شاندار فطرت کی مالک درحقیقت بہن بھائی لاولد تھے۔ اور قریبی رشتوں سے محروم بھی۔ اس لئے اک طرح سے میں ان کے لئے اولاد کی حیثیت اختیار کرگیا تھا ملے بھی تھے تو ایسے لوگ ملے تھے جنہوں نے رفتہ رفتہ میری اصلاح کرنے کے بجائے مجھ پر محبتوں کے خزانے اس طرح کھولے کہ دل و دماغ کی کیفیت ہی بدلنے لگی۔ میں اک برا انسان جو اپنے اندر کی تپش اور جلن کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ خاصی بے چینی کا شکار ہوگیا تھا۔ اور اس بے چینی کو نظام احمد صاحب نے یہ الفاظ کہہ کر کم کیا:

"دیکھو! بہتر انسان وہ ہوتا ہے جو زندگی میں دوسروں کی بھلائی کی خواہش رکھتا ہو۔ جو کچھ تمہارے ساتھ پیش آیا وہ بہت دکھ بھرا اور افسوسناک واقعہ تھا۔ تمہاری والدہ تمہیں وکیل بنانا چاہتی تھیں بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ یہ نہیں پتہ چل سکا کہ ان پر زیادتی کرنے والا کون تھا؟ اور وہ تمہیں وکیل بنا کر کس سے اپنا حق وصول کرنا چاہتی تھیں۔ ہم اصل میں بہت سی چیزوں کے خواہش مند ہوتے ہیں اور یہ خواہش ناجائز نہیں ہوتی۔ لیکن کبھی کبھی ہم اپنی ان خواہشوں کے حصول میں اس طرح ناکام رہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا ان کی تکمیل کا۔ البتہ یوں سمجھو لو کہ جو کچھ بھی حاصل ہوجائے وہ بہت غنیمت ہوتا ہے۔ تم ایک اعلیٰ درجے کے وکیل بن کر ایسے لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہو۔ جو اپنے اردگرد مضبوط حصار رکھتے ہیں اور کوئی معمولی شخصیت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور کسی کو ہلاک کرنے کے باوجود اپنے آپ کو بے گناہ

ثابت کردیتی ہے۔ ایسے ایک بھی شخص کو اگر کیفر کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے فرض کا ایک حصہ پورا کیا۔ باقی بیٹے ہمیں اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور یہ دنیا کے ہر انسان کی مجبوری ہے پڑھو۔ وکالت کا امتحان پاس کرو۔ میرے ساتھ پریکٹس شروع کردو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں سچ بتا رہا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ مجھے بے پناہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ دو افراد ہیں ہم ہمارا گھر ہے۔ یہ دو ملازم ہیں۔ ان کی ضرورتیں ہیں آسانی سے پوری ہوجاتی ہیں۔ شاید تم میری بات پر یقین کرلو کہ میں نے کبھی کوئی ایسا کیس اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ جس کی صحت پر مجھے یقین نہ ہو۔ ایک بھی داغ نہیں لیا میں نے دل پر۔ ہمیشہ پہلے واقعات وحالات معلوم کئے اور اس کے بعد کیس اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اور اس کے لئے فیس کا کوئی خیال نہیں رکھا۔ تم یہی سب کچھ کرکے اپنی ماں سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرسکتے ہو۔ پڑھو! تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا خیال ہے؟ ناگواری کا کوئی لفظ تو نہیں ہے میری گفتگو میں۔"

"نہیں!" میں نے آہستہ سے کہا۔ قاضی صاحب کی باتیں میرے دل کی گہرائیوں میں بیٹھ گئی تھیں۔ اور شاید یہ دیوانگی بھی میری فطرت کا ایک حصہ ہی تھی کہ اگر کام ذہن اور دل پہ جالگے تو اس کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ خیر انتہا تو ایک نامعلوم لفظ ہے۔ میں پڑھتا رہا۔ میں نے اپنے وجود کو قاضی صاحب کے وجود میں ضم کردیا۔ راتوں کو تین تین چار چار بجے تک جاگ کر پڑھتا۔ قاضی صاحب کے ساتھ ان کے دفتر جاتا۔ دفتر میں کام کرتا۔ حالانکہ قاضی صاحب کے ساتھ دو کلرک بھی تھے لیکن میں اپنے طور پر ایک سیٹ اپ بنایا اور قاضی صاحب نے ہمیشہ میری ہمت افزائی کی۔ اس دوران چھوٹے چھوٹے واقعات بھی ہوئے۔ ظاہر ہے قاضی صاحب جو کیس لیا کرتے تھے میں اس کی پوری اسٹڈی کرتا تھا۔ ان کے ساتھ کورٹ بھی جاتا تھا۔ فائلیں پکڑے پکڑے پھرتا تھا۔ چونکہ پولیس کا تعلق کورٹ سے براہ راست ہوتا ہے اس لئے نادر زماں بھی کئی بار نظر آیا تھا۔ البتہ میری خوش بختی یہ تھی کہ میں نے پہلے اسے دیکھ لیا تھا۔ اور اس کے بعد میں نے اس کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ نادر زماں نے ایک آدھ بار مجھے ضرور تلاش کیا ہوگا۔ اس دن کے واقعہ کے بعد آج تک میں نادر زماں سے نہیں ملا تھا۔ اور یوں زندگی کے یہ رنگ ڈھنگ چل رہے تھے ویسے بھی فائنل ایئر

تھا۔ اور امتحانات ہونے والے تھے۔ چنانچہ نظام احمد قاضی نے مجھے گوشہ نشین کر دیا۔ خود اپنے معاملات سنبھالے۔ اور ان میں مصروف ہوگئے۔ رات کو وہ میرے ساتھ ہوا کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنے پیپر دیئے۔ آخری پیپر سے فراغت ہوئی تو قاضی صاحب نے باقاعدہ ایک پروگرام رکھا۔ اور اس شام کو میں ریحانہ باجی اور قاضی صاحب خوب سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ میری فطرت میں جو تبدیلی قاضی صاحب نے پیدا کردی تھی اس نے ماضی کے بہت سے نقش مٹا دیئے تھے۔ جب ہم سیروسیاحت کے لئے نکلے تو قاضی صاحب نے کہا:

"سب سے پہلے ہم قبرستان چلیں گے تم اپنی امی کو بتاؤ گے کہ سارے پیپر بہت اچھے ہوئے ہیں۔ اور ان کا بیٹا انشا اللہ وکیل بھی بننے جارہا ہے۔ ایک کامیاب وکیل۔ کیونکہ کل سے تم میرے ساتھ باقاعدہ پریکٹس کرو گے۔ ایک وکیل کی حیثیت سے۔"

"امتحان کا نتیجہ آئے بغیر؟"

"بیٹے بری بات کبھی منہ سے نہیں نکالنی چاہیے۔ میں بری بات منہ سے نہیں نکال رہا بس ایک اعتماد ہے اللہ کی ذات پر۔ اس کے بعد تمہاری محنت پر جس میں میں برابر کا شریک رہا ہوں۔ بالکل اس طرح جس طرح میں نے خود لا کا آخری پرچہ دیا تھا۔ یقین کرو کہ تم بہترین پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کرو گے۔"

"میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ خاص طور سے پروگرام کے اس حصے پر۔ چنانچہ ہم تینوں ہی قبرستان پہنچے تھے۔ فاتحہ پڑھی تھی پھول چڑھائے تھے۔ قاضی صاحب کے سامنے ماں کی خدمت میں وہ جذباتی کیفیت تو نہیں پیش کر سکتا تھا لیکن دل میں میں نے ان سے بہت سی باتیں کیں۔ اور یہ تو جگہ ہی سکون کی تھی کوئی مانے یا نہ مانے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن میں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ ماں کی قبر پر آکر گویا میرے تمام دکھوں کا مداوا ہوجاتا تھا۔ اور میں یہاں سے پرسکون دل لے کر واپس پلٹتا تھا۔ بہرحال! آج قاضی صاحب بھی بہت زیادہ خوش تھے میرے دل میں بھی خوشیاں امڈا آئی تھیں۔ ہوسکتا ہے میں واقعی ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا کردوں۔ البتہ عقل و دانش اس بات پر متردد ہوجاتی تھیں کہ ماں کے اس عزم کا مجھے کیسے پتہ چلے گا؟ وہ بات کیسے میرے علم میں آئے گی۔ جس میں وہ اپنے حق کی کہانی سناتی تھی۔ ماں تمہیں میری

رہنمائی کرنا ہی ہوگی۔ ورنہ وکالت تو میں کروں گا۔ لیکن ایک احساس جرم کے ساتھ کہ میں تمہاری وہ خواہش پوری نہ کرسکا۔

"دوسرے دن قاضی صاحب کے ساتھ کورٹ گیا تھا ابھی کالا کوٹ پہننے کی حیثیت نہیں پیدا کرسکا تھا۔ جبکہ قاضی صاحب نے مجھے کالے کوٹ بھی سلوا دیئے تھے۔ میں نے اس کے لئے ان سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کی اور کہا کہ جب تک یہ کوٹ پہننے کی سند مجھے نہ دیدی جائے میرے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔ بہرحال کورٹ کے معاملات مکمل طور پر میرے علم میں رہا کرتے تھے۔ اور میں باقاعدہ اب اس سلسلے میں قاضی صاحب کی مدد کرنے لگا تھا۔ ان دنوں قاضی صاحب قتل کا ایک پیچیدہ کیس لڑ رہے تھے اور اس سلسلے میں ان کے مدمقابل ساجد علی شاہ صاحب تھے۔ یہ بہت نامور وکیل تھے اور دو تین بار قاضی صاحب نے مجھے ان کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بہت کم کیس ہارتے ہیں قاضی صاحب نے یہ بھی کہا تھا:

"اصل میں ساجد علی ان بیرسٹروں میں سے ہیں جو لگا کر پانے کے خواہش مند ہوتے ہیں یعنی یہ کہ انہوں نے تعلیم مکمل کرنے پر دولت خرچ کی ہے تو پھر اس کی واپسی بھی ضروری ہے۔ بیرسٹری کرنے کے بعد بھی وہ فوری طور پر اس فیلڈ سے منسلک نہیں ہوئے۔ بلکہ پہلے انہوں نے ایک سرکاری محکمے میں ملازمت حاصل کی۔ اور خاصا عرصہ وہاں گزارا۔ پھر اس کے بعد محکمہ پولیس میں آگئے محکمہ پولیس میں انہوں نے ایس پی کے عہدے تک رسائی حاصل کی وہاں سے ریٹائرڈ ہو کر وکالت شروع کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انتہائی کامیاب وکیل رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے اچھے وکیل اپنے ذہنوں میں یہ بات رکھتے ہیں کہ اگر کوئی کیس ساجد علی کے پاس پہنچ جائے تو بس سمجھ لیں کہ اس کی کامیابی یقینی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس بار میرا ان سے سابقہ پڑ گیا ہے قتل کا کیس ہے اور دونوں پارٹیاں بڑی پاور فل ہیں۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے جس پارٹی نے اپنا کیس میرے سپرد کیا ہے۔ وہ اپنے موقف میں بالکل درست ہے جبکہ دوسری پارٹی ساجد علی کے ذریعے یہ کیس جیتنا چاہتی ہے۔ ذرا سا الجھا ہوا ہوں۔ ویسے ساجد علی بے حد مغرور انسان ہیں اور اپنے مدمقابل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ اپنی بیٹی حجاب ساجد علی بھی میدان عمل میں لے آئے ہیں۔ اس نے بھی لا کیا ہے اور اپنے باپ کے ساتھ

پریکٹس کررہی ہے۔ خاصی ذہین لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ ساجد علی نے ہنستے ہوئے مجھ پر طنز کیا تھا کہ قاضی صاحب کیوں اس کیس کے چکر میں پڑ رہے ہو۔ بلاوجہ اپنی نیک نامی خراب کرو گے تمہارے لئے تو حجاب ہی کافی ہے۔ بہرحال میں ایسی فضول باتوں کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ لیکن تھوڑا سا الجھا ہوا ضرور ہوں پرسوں اس کی ہیرنگ ہے۔ میں چاہتا ہوں تم بھی اس سلسلے میں میری مدد کرو۔"

"آپ نے وہ فائلیں ابھی تک مجھے نہیں دیں۔"

"ہاں ---- اصل میں تھوڑا سا وقت میں خود صرف کررہا ہوں ان پر۔ لیکن تم انہیں ذرا اپنے طور پر اپنے نظریے کے مطابق دیکھ لو اور اس کے بعد مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کرو' یوں سمجھ لو یہ تمہارا تھوڑا سا امتحان ہے۔"

میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔ فائلیں میرے حوالے کروی گئیں اور پھر اس رات میں پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک فائل کو دیکھتا رہا۔ دوسرے دن کورٹ میں تھا بہت سی باتوں پر غور کررہا تھا۔ آج قاضی صاحب میرے ہمراہ نہیں آئے تھے بلکہ مجھے خود ہی چند کام نمٹانے پڑے تھے۔ پھر میں نے پورے کیس کی اسٹڈی کرکے اس موضوع پر قاضی صاحب سے گفتگو کی اور قاضی صاحب میری باتیں سن کر حیران رہ گئے انہوں نے پرمسرت لہجے میں کہا:

"بھئی تم اس سلسلے میں باقاعدہ کام کرو۔ آہ کاش میں تمہیں کالا کوٹ پہنا کر ساجد علی شاہ کے مقابلے پر کھڑا کرسکتا لیکن بہرحال قانون قانون ہوتا ہے۔"

"میں تھوڑے سے نوٹس تیار کئے لیتا ہوں آپ ان پر نگاہ ڈال لیجئے گا۔"

"بہرحال یہ ساری باتیں ہوتی رہیں۔ عدالت میں اس وقت میں نے حجاب ساجد علی کو ساجد علی شاہ صاحب کے ساتھ دیکھا۔ بہت خوبصورت لڑکی تھی اور اس کی شخصیت میں ایک انوکھا وقار تھا۔ چال ڈھال میں بھی ایک سلیقہ تھا ساجد علی شاہ صاحب البتہ بدن کے بے ڈول آدمی تھے اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بے حد مغرور اور اپنے سامنے کسی کو کچھ نہ سمجھنے والے ہیں۔

خیر کیس باقاعدہ شروع ہوگیا اور معمول کے مطابق مجرم ناصر جمال کو کٹہرہ عدالت میں لایا گیا ساجد علی شاہ نے کہا:

"حیرت کی بات ہے جناب والا کہ جب ایک شخص مکمل طور پر اپنے جرم کا اقبال کرلے اور اس کے خلاف ثبوت بھی سامنے آجائیں تو پھر اس کے خلاف وکیل صفائی کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام معاملات عدالت کے سامنے آگئے ہیں کچھ لوگوں کے ایما پر میرے معزز ساتھی نظام احمد قاضی کو ناصر جمال کے سلسلے میں وکیل مقرر کیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ لیکن اگر قاضی صاحب کوئی شعبدہ بازی گری کرنا چاہتے ہیں تو میں عدالت کے حکم پر ان کے دلائل سننے کے لئے حاضر ہوں۔"

جج صاحب کے اشارے پر قاضی اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر انہوں نے کہا:

"جناب والا معاشرے میں جب کوئی گھناؤنا جرم ہوتا ہے تو ممکن ہے بہت سے لوگ اپنے ضمیر کے مطابق اس پر توجہ نہ دیتے ہوں۔ لیکن لاتعداد افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس جرم سے نفرت محسوس ہوتی ہے وہ دل میں خوفزدہ ہوجاتے ہیں کہ معاشرہ کس طرف جارہا ہے لیکن جناب والا بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقائق پر اتنے دبیز پردے ڈال دیئے جاتے ہیں کہ ان کے پیچھے دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ناصر جمال نے اس قتل کا اعتراف جتنی فرخدالی سے کیا ہے کوئی قاتل قتل کرکے اس فرخدالی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا جبکہ ناصر جمال ایسا کررہا ہے میرا خیال ہے کہ معزز عدالت بھی اس بات سے اتفاق کرتی ہوگی کہ اس اقبال جرم کے پس پردہ کوئی حقیقت پوشیدہ ہے۔"

ساجد علی شاہ نے کہا۔ "جناب والا عدالت مختصر سے وقت میں حالات کو جاننے کے بعد اور ثبوت کے حصول کے بعد فیصلے کرتی ہے۔ میرے معزز دوست کیا اس سلسلے میں بھی عدالت کو ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان حقائق کو تلاش کرنے کی کوشش میں وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا اور پھر موجودہ کیس تو ایک شخص کی جذباتی کیفیت کا مظہر ہے۔ ناصر ال کہتا ہے کہ میں نے جرم کیا ہے لیکن میں وجہ جرم نہیں بتاؤں گا جب وہ جرم کا اعتراف کررہا ہے تو بھلا وجہ جرم کون تلاش کرے گا اور وجہ جرم جس حد تک سامنے آئی ہے اس کے بعد مزید ضرورت نہیں رہتی کیونکہ ملزم عدالت سے یا اپنے وکلاء سے تعاون نہیں کررہا۔ اس نے جرم کیا ہے اور اس کے ثبوت مہیا ہوگئے ہیں وہ اقبال جرم کرتا ہے آپ بتایئے کہ وہ کیا طریقہ کار ہوسکتا ہے جس کے

ذریعے وہ جرم کی وجہ بتائے۔ عالی جناب تمام ثبوت مہیا ہو چکے ہیں اب صرف سزا باقی رہ جاتی ہے یا پھر میرے معزز وکیل وہ نسخہ ہمیں بتائیں جس سے ناصر جمال سے جرم کی وجہ پوچھی جائے۔"

"جی میں وہی نسخہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔" قاضی صاحب نے کہا اور عدالت میں ایک لمحے کے لیے سناٹا طاری ہوگیا۔ قاضی صاحب کی آواز ابھری۔

"کچھ ایسے حقائق بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق خاص طور سے غیرت سے ہوتا ہے اور بعض اوقات ایسے مسائل سامنے آجاتے ہیں کہ غیرت زندگی سے زیادہ قیمتی چیز بن جاتی ہے جناب عالی عدالت عالیہ یقیناً کسی ایسے مجرم کو سزا دینا پسند نہیں کرے گی جس نے جرم ہی نہ کیا ہو بلکہ جذباتی خوف یا رسوائی کے احساس نے اسے زبان بندی پر مجبور کیا ہو اور حقیقت یہی ہے کہ یہ جرم میرے موکل ناصر جمال نے کیا ہی نہیں ہے وہ ایک ایسے خوف کا شکار ہے جس کی بناء پر اسے خدشہ ہے کہ اگر اس نے حقیقتوں کو سامنے لانے کی کوشش کی تو اس کے اہل خاندان رسوا ہوجائیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے اہل خاندان کو رسوائی سے بچانے کے لئے اپنی جان کی قربانی دے رہا ہے۔ میں اجازت چاہتا ہوں کہ ان حقائق کو سامنے لاؤں۔"

"اجازت ہے۔" جج صاحب نے کہا تو نظام احمد کہنے لگے۔

"معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ مسز ہاشم علی کو عدالت میں پیش کیا جائے میں ان سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ مسز ہاشم علی کا کردار اس سلسلے میں بڑی اہمت کا حامل ہے۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب عالی۔ ایک مغموم بیوہ جو بیوگی کا غم برداشت کررہی ہے کی عدالت عالیہ اسے کمرہ عدالت میں لاکر رسوا کرنا پسند کرے گی؟"

"ایک انسانی زندگی کا مسئلہ ہے ہم شخصیتوں کا احترام کرتے ہیں لیکن اگر کسی بے گناہ مجرم کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے کسی ایسی خاتون کی تکلیف برداشت کرنی پڑے تو یہ ضروری ہے آئندہ پیشی میں مسز ہاشم علی کو پیش کیا جائے۔ اس وقت تک کے لئے عدالت اس کیس کی کارروائی ملتوی کرتی ہے۔" جج صاحب نے کہا اور اس کے بعد عدالت برخاست ہوگئی۔

ہم لوگ کمرہ عدالت سے باہر نکل آئے ساجد علی شاہ کے ساتھ ان کی بیٹی حجاب ساجد علی بھی۔ ساجد علی صاحب نے ہاتھ سیدھا کرکے نظام احمد قاضی کو روکا تھا اور نظام احمد کے ساتھ مجھے بھی رکنا پڑا تھا ساجد علی شاہ خود اپنی بیٹی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے قاضی صاحب کے پاس پہنچے تھے اور پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا:

"تو آپ باقاعدہ فیصلہ کرچکے ہیں قاضی صاحب کہ یہ کیس لڑیں گے؟"

"قاضی صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔

"اگر آپ کا کوئی خاص حکم ہو تو ظاہر ہے میرے مقابلے میں آپ بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں آپ مجھے حکم دیجئے ورنہ ظاہر ہے ہم اس کیس کے آمنے سامنے ہیں۔"

"ہاں اور آپ جانتے ہیں قاضی صاحب کہ اپنے موکل سے کوئی وعدہ کرنے کے بعد وہ وعدہ میری انا کا سوال بن جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ کیس مجھے جیتنا ہی ہوگا ایسی صورت میں میرا مدمقابل اگر میرے لئے قابل احترام بھی ہو تو اس کی شکست پر مجھے افسوس بھی ہوتا ہے۔"

قاضی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہر کھیل میں دو ٹیمیں ہوتی ہیں اور بہرحال ان میں سے ایک ٹیم کو ہارنا ہوتا ہے میں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ کا مدمقابل نہیں ہوں۔ لیکن کھیل میں سیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے آپ سے اس کیس میں مقابلہ کرکے اگر میں ہار بھی جاؤں گا تو پھر یہ غور کروں گا کہ میرے ہارنے کی وجوہات کیا ہیں آپ دیکھئے نا یہ "سیکھنا ہوا نا۔"

"یعنی آپ اگر ہار جانے کی بات کررہے ہیں یہ لفظ "اگر" آپ کی خوش فہمیوں کا اظہار نہیں کرتا؟"

"بعض الفاظ انسان اپنی اوقات سے بڑھ کر بول جاتا ہے۔ لیکن شاہ صاحب انسان تو انسان ہی ہوتا ہے؟"

"ویسے آج آپ کی زبان خاصی بدلی ہوئی تھی بڑے اچھے دلائل دیئے آپ نے۔ خیر کوئی شکایت تو نہیں کرنی ہے بس ذرا احتیاط رکھا کریں۔ کم از کم یہ معلوم کرلیا کریں کہ کس کیس میں مدمقابل کون ہے۔"

"جی بے شک، یہی میں بھی عرض کر رہا تھا کہ یہ تو ہمارا پروفیشنل گیم ہے کوئی بھی کھیل ہو جیتنے والے کو تو خیر جو کچھ ملتا ہے ہارنے والے کو بھی کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ نام کمالیں گے کہ بیرسٹر ساجد علی شاہ صاحب سے میدان میں مقابلہ کیا تھا۔"

ساجد علی شاہ حقارت آمیز انداز میں ہنسنے لگے پھر بولے۔

"میں اس کھیل کو باکسنگ کا مقابلہ قرار دیتا ہوں جس مین ہارنے والے کو کافی عرصے تک اپنے جبڑوں کا علاج کروانا پڑتا ہے۔ باقی کھیل تو ذرا مختلف حیثیت رکھتے ہیں، ٹھیک ہے آیئے پھر باقاعدہ رنگ میں اترتے ہیں۔"

"اتر چکے ہیں شاہ صاحب اترتے ہیں کیا معنی ہیں!"

اس دوران میں نے مکمل خاموشی اختیار کئے رکھی تھی قاضی صاحب بڑی حلیمی سے شاہ صاحب کے طنزیہ جملوں کا جواب دے رہے تھے لیکن میں نے ایک بات محسوس کی تھی کہ حجاب ساجد علی باپ کے رویئے سے کچھ مضطرب تھی ویسے اس نے ایک دو بار نگاہیں اٹھا کر میری جانب بھی دیکھا تھا لیکن ظاہر ہے میں قاضی صاحب کی فائلز وغیرہ اٹھائے ہوئے تھا اور عام طور سے یہ کام وکیلوں کے منشی کیا کرتے ہیں اور حجاب ساجد علی نے بھی مجھے قاضی صاحب کا منشی ہی سمجھا ہوگا خیر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی سارے معاملات سے نمٹنے کے بعد ہم گھر واپس آگئے اور قاضی صاحب ریحانہ باجی کو آج کی تفصیلات بتانے لگے۔ انہوں نے کہا۔

"اور یہ نوٹس منصور نے تیار کئے تھے اور ساجد علی شاہ جیسی شخصیت یہ کہنے پر مجبور ہوگئی کہ آج آپ کی زبان بڑی بدلی ہوئی تھی۔ ریحانہ! قدرت کے کھیل بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں میں اپنی پوری زندگی کے تجربے سے ایک بات کہوں تم سے۔ ایک بہت قابل وکیل ایک بہت بڑی شخصیت وجود میں آرہی ہے اور ہمیں یہ اعزاز یہ فخر حاصل ہوگا کہ اس شخصیت کی تشکیل میں ہمارا اپنا بھی ہاتھ ہے۔"

کچھ ایسے جذباتی الفاظ تھے جنہوں نے مجھے جذباتی کردیا۔ اور جب میرے سینے میں یہ جلن ہوئی تھی تو ماں کی قبر کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہوتی تھی جو مجھے سکون دے سکے۔

"قاضی صاحب بھی میری اس کیفیت کو سمجھ گئے میں نے ان سے اجازت مانگی تو وہ بولے:

"گاڑی سے جاؤ بیٹے، آرام سے آجانا، ہمیں کہیں جانا نہیں ہے۔"

"بہت شکریہ" میں نے کہا یہ قاضی صاحب کی خوبی تھی کہ وہ میرے لہجے کے وزن کو پہچاننے لگے تھے۔

قبرستان میں مکمل خاموشی اور سناٹا طاری تھا ماں کی قبر پر پہنچا اور اپنا رخسار قبر کی مٹی پر رکھ دیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تھے۔ زبان کو جنبش دینے کی ضرورت نہیں تھی ماں ساری باتیں سن رہی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی انگلیاں میرے بالوں میں کنگھی کر رہی ہوں۔ تب ہی کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور یہ آہٹیں بڑھتی چلی گئیں۔ میں نے تھوڑا سا آنکھیں کھول کر دیکھا تو مجھے کچھ پاؤں اپنے قریب نظر آئے میں آہستہ آہستہ نگاہیں گھماتا چلا گیا۔ اور پھر حیرت کا شدید غلبہ مجھ پر ہوا کیونکہ پاؤں دو یا چار نہیں تھے بلکہ بہت سے پاؤں تھے جو میرے گرد حلقہ بنائے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ کون ہیں، میں نے سنسنی خیز انداز میں سوچا۔

ایک لمحے کے لئے خوف کا سا ایک احساس دل میں جاگا، میں نے بے اختیار گردن اٹھا کر دیکھا جو پہلا چہرہ مجھے نظر آیا تھا وہ نادر زماں کا تھا۔ وردی میں نہیں تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نادر زماں سے جو گہرا تعلق رہا تھا اس کے تحت میں اسے دوست سمجھتا تھا اور یہ صرف حالات تھے جن کی بنا پر میں نے اسے نظرانداز کردیا۔ دوسری شکل رحمت علی شاہ کی تھی۔ تیسری رضوانہ اور چوتھی شخصیت وہ تھی جس سے مجھے اس کائنات میں سب سے زیادہ نفرت تھی یعنی حیات علی شاہ۔ میری ماں کا قاتل۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں وحشت بیدار ہوگئی اور میں تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دل تو چاہا تھا کہ حیات علی شاہ کو پکڑلوں اس کی گردن دباؤں اور اس وقت تک دباتا رہوں جب تک کہ اس کی آنکھیں اور زبان باہر نہ نکل آئیں اور اس کے بعد اس کے مردہ بدن کو اپنی ماں کی قبر کے قدموں میں ڈال دوں اور ماں سے کہوں کہ امی تمہارے قاتل کو تو میں نے کیفرکردار تک پہنچا دیا اب تو مجھے یہ بتا دو کہ وہ کون ہے جس سے تم اپنا حق وصول کرنا چاہتی تھیں۔ کون ہے وہ۔ میں ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا اور ان سب کے چہروں پر

ہلکی سی حیرت تھی نادر زماں نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"تم اس قدر حیران کیوں ہو منصور اور تمہارے چہرے پر یہ وحشت کیسی ہے' کیا ہم لوگوں کو پہچان بھی نہیں پا رہے۔"

میں نے ایک لمحے کے اندر اندر خود کو سنبھال لیا دنیا کے سامنے تماشا بننا اچھی بات نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر میں نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا:

"نہیں اصل میں' میں آپ سب لوگوں کو دیکھ کر ڈر گیا تھا۔"

سائیں قبرستان کا ماحول ہی ایسا ہوتا ہے' انسان کو اپنے اگلے پچھلے گناہ یاد آجاتے ہیں۔"

"میں نے خونخوار نگاہوں سے حیات علی شاہ کو دیکھا اور غیر اختیاری طور پر میرے منہ سے نکلا:

"کیا آپ کو بھی اپنے پچھلے گناہ یاد آگئے ہیں شاہ صاحب۔"

کوئی کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔ خود حیات علی شاہ بھی شاید میرے الفاظ میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔ کہنے لگا:

بابا! ادھر آنے کے بعد کون ہے جس کا دل موم نہ ہوجاتا ہو۔"

"مجرم کو اس کا گناہ یاد آجائے تو اسے کیا کرنا چاہیے شاہ صاحب!"

"بھئی اب ساری باتیں یہیں کرتے رہو گے' تم نے تو اس دن سے اپنے آپ کو موضوع ہی بنا ڈالا ہے۔ شاہ صاحب تمہارے اس طرح واپس آجانے سے بہت حیران ہوئے تھے' پہلے تو مجھ سے پوچھنے لگے کہ نادر سائیں یہ لڑکا کیا پاگل ہے' ویسے تو بہت شریف لڑکا ہے' مگر اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی' یہ اس طرح سے کیوں فرار ہوگیا۔"

"یقین کرو منصور بھائی! ہم سب ہفتوں تمہاری اس بات پر پریشان رہے تھے۔"

اس بار رحمت علی نے کہا۔

"آؤ فاتحہ پڑھ لیں" نادر زماں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ماں کی قبر کی جانب دیکھا' پھر ان لوگوں کے ساتھ واپسی کے لئے قدم اٹھا دیئے' میں نہیں چاہتا تھا کہ حیات علی شاہ میری ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھے' اس سے بڑا مذاق اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ نادر زماں نے کہا:

"اور اب تم ٹیکسی بھی نہیں چلاتے' کیا کر رہے ہو' ویسے ایک بات کہوں' آدمی تو تم بہت اچھے تھے' لیکن بے مروت نکلے' یقین کرو میں زندگی میں بہت کم ہی کسی کو دوست بناتا ہوں' اس وقت تک جب تک کوئی شخصیت مجھے اندر سے متاثر نہ کرے' شناسائیاں تو بہت سی ہوجاتی ہیں' لیکن میں دوستیاں نہیں کرتا' تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی کہ اس طرح غائب ہوگے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

بس ہو جاتا ہے کبھی کبھی' اگر میں اپنے آپ کو کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں تو یقیناً وہ میرے کچھ ٹیسٹ کرانے کے بعد مجھے ذہنی مریض قرار دے گا۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' ذہنی مریض کا بھی علاج ہوتا ہے نا' اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" نادر زماں نے کہا اور پھر بولا۔ "شاہ صاحب! اب یہاں سے گھر چلتے ہیں۔ آج پہلی بار میں اپنے اس مجرم کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔"

"نہیں نادر زماں صاحب! اس وقت معذرت چاہوں گا آپ سے۔"

یار دیکھو شریف آدمی ہوں' لیکن شدت پسند بھی ہوں' تم میری دوستی کو ٹھکرا رہے ہو اس جرم میں تمہیں گرفتار کر کے بھی لے جاسکتا ہوں' حالانکہ اس وقت میرے پاس ہتھکڑیاں نہیں ہیں' لیکن میری گرفت ہی کافی ہوگی۔" نادر زماں نے میری کلائی پکڑ لی۔

مضبوط ہاتھ تھا ایک پولیس آفیسر کا ہاتھ تھا' لیکن میرے دوست کا ہاتھ تھا' وہ جس نے میرے پتھریلے دل میں پہلی دراڑ ڈالی تھی۔ نادر زماں نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

"اور پھر میں تمہیں بتاؤں میرے شانوں پر کچھ نئے تمغے سجا دیئے ہیں اب میں ڈی ایس پی ہوچکا ہوں' اس سلسلے میں آج میں نے حیات علی شاہ صاحب کی دعوت بھی کر ڈالی تھی۔"

"نادر زماں صاحب! آپ کے حکم کو ٹالنا میرے لئے بہت ہی مشکل کام ہے' لیکن اگر۔"

بالکل نہیں' اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں ہے چلو۔"

سامنے جو لینڈ کروزر کھڑی ہوئی تھی نادر زماں نے تقریباً زبردستی مجھے اس میں بٹھا

دیا لیکن میرے دل و دماغ میں ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ میں نے ایک نگاہ رضوانہ پر ڈالی' رضوانہ کا چہرہ اترا ہوا تھا ابھی تک اس نے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں نکالا تھا' نادر زماں خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کہا:

"اور یہ رضوانہ بہن کو کیوں خاموشی لگ گئی' کیوں رضوانہ۔؟" لیکن رضوانہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"ارے کیا بات ہوگئی بابا' کوئی گڑبڑ ہوگئی کیا۔" حیات علی شاہ صاحب بولے۔

"قبرستان آنے کے بعد ہر انسان کا دل پگھل ہی جاتا ہے' یہ ہمارا مستقبل ہے اور مستقبل میں اپنے آپ کو اس طرح بے سرو سامان دیکھ کر دل کے بہت سے گوشے متاثر ہوجاتے ہیں۔"

رحمت علی شاہ نے کہا۔ خاصا بہتر نوجوان معلوم ہوتا تھا مجھ سے کہنے لگا۔

"یہاں تھوڑے فاصلے پر ہمارے ماما جی کی قبر ہے' یہیں رہا کرتے تھے' یہیں انتقال ہوگیا' اکثر ہم فاتحہ پڑھنے آتے جاتے رہتے ہیں' یہاں فاتحہ پڑھنے ہی آئے تھے کہ تم پر نگاہ پڑگئی۔"

"ہاں اصل میں حیات علی شاہ صاحب کی دعوت کی ہے میں نے اپنے گھر میں' یہ لوگ آج کل پھر سکھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایک مقدمے میں پھنس گئے ہیں میں نے کہا کہ شاہ صاحب یہ الجھنیں تو زندگی بھر کے لئے ہوتی ہیں انسان کو اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میری بیوی نے آج کی زبردستی دعوت کی ہے گھر سے لینے گیا تو حیات علی شاہ صاحب بولے کہ ماموں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جانا ہے میں نے کہا کہ چلو قبرستان ہوتے چلیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ میری زندگی کا ایک خوشگوار دن ہے کہ میں اپنے مجرم کو پکڑ کر لے جارہا ہوں میں پوچھتا ہوں آخر تم تھے کہاں' کیا کر رہے ہو آج کل' یار محمد کے پاس چار پانچ بار جاچکا ہوں پہلے تو اس نے بتایا کہ تم ٹیکسی کھڑی کر کے چلے گئے ہو اور کہہ گئے ہو کہ اب ٹیکسی نہیں چلاؤ گے میں نے اس سے پوچھا کہ کیا کوئی اور کام کرلیا ہے تم نے' کہنے لگا اسے معلوم ہی نہیں' پھر کئی بار میں خود بھی گیا' ایس آئی کو بھی بھیجا اس کے پاس' اور معلومات کرائیں کہ تم آئے یا نہیں' لیکن اس نے بھی یہی الفاظ کہے' کہنے لگا کہ وہ لڑکا بڑا بے مروت تھا دوبارہ کبھی نہیں آیا' یار عجیب آدمی ہو' اگر اس وقت

تم پر نظر نہ پڑجاتی تو تم شاید کبھی ہماری طرف نہ آتے۔" میں گردن جھکائے خاموش بیٹھا رہا تھا۔ رحمت علی شاہ نے کہا۔

"اچھا اس دن کی بات بتادو منصور' اس دن ایک دم ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی بات نے تمہیں دھچکا پہنچایا ہوا اور تم وہاں سے نکل بھاگے ہو۔"

"میں نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا' فاصلے طے ہوتے رہے اور اس کے بعد پہلی بار میں نادر زماں کے چھوٹے سے خوبصورت بنگلہ میں داخل ہوا' نادر زماں نے کہا۔

"یہ بنگلہ میرا ذاتی نہیں بلکہ کرائے کا ہے' پولیس کی نوکری میں لوگ کوٹھیاں بنا لیتے ہیں' لیکن اللہ کے فضل سے اپنے پاس کوٹھی کا ایک پلاٹ ہے بس جو یقین کرو محنت کی کمائی سے خریدا ہے اور محنت کی کمائی سے ہی بنانا چاہتا ہوں' چنانچہ اس کرائے کے بنگلے میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں آیئے۔"

میں نے اپنے آپ کو انتہائی حد تک سنبھال رہا تھا لیکن دل سے جو دھواں بلند ہورہا تھا وہ سنبھالے نہیں سنبھالا جارہا تھا اپنے دشمن کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھانا پڑے گا اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کوئی نہیں ہوسکتی میرے لئے' بہت ہی غم بہت ہی افسوس کی بات تھی۔ ماں کی روح کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔ مصلحت بے شک اہمیت کی حامل ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ نہیں کرسکتا تھا جس کے لئے زندگی کا رخ ہی تبدیل کرلیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں آبیٹھا' نادر زماں کی بیوی صوفیہ زماں بھی محبت کرنے والی خاتون تھیں' رضوانہ سے ہاتھ ملایا' حیات علی شاہ اور رحمت علی شاہ کو سلام کیا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی:

"یہ کون ہیں نادر' شاہ صاحب کے ساتھ آئے ہیں؟"

"یہ وہی میرا مفرور دوست ہے منصور' یاد ہے؟"

"ارے ہاں کیوں یاد نہیں ہوگا' جن سے میں رقابت محسوس کرنے لگی تھی جنہیں میں اپنی سوکن سمجھنے لگی تھی۔ انہیں میں بھول جاؤں گی کیا؟ آپ یقین کریں منصور بھیا' آپ کا تذکرہ سنتے سنتے میں تنگ آگئی تھی اور پھر شاید آپ فرار ہوگئے تھے اصل میں نادر کے اندر یہ خرابی ہے مجھے تو خطرہ ہے کہ کسی دن یہ کسی قاتل کے بھی دوست بن جائیں

گے بے شک اسے پھانسی دلوائے بغیر نہیں رہیں گے لیکن شاید اس کی موت کے بعد سب سے زیادہ سوگ یہی منائیں گے اس کا‘ ایسے ہی مزاج کے انسان ہیں۔“

سب ہنسنے لگے تھے‘ پھر ہم لوگ صوفوں پر بیٹھ گئے صوفیہ کہنے لگیں۔

اب یہ بتایئے آپ لوگ‘ ابھی کھانے کا وقت ہوا نہیں ہے‘ چائے بناؤں یا کوئی ٹھنڈی چیز پئیں گے۔“

میں نے مصلحتیں بالائے طاق رکھ دیں اور سرد لہجے میں کہا ”نادر زماں صاحب! دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں آپ کے ڈی ایس پی بن جانے کی‘ شاید آپ میرے الفاظ پر یقین نہ کر سکیں‘ مجھے دلی خوشی ہوئی ہے لیکن نادر زماں صاحب نہ میں چائے پیئوں گا نہ کھانا کھاؤں گا اگر آپ مجھے اس وقت اجازت دے دیں تو آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔“

”یار دیکھو ضد کی بھی ایک حد ہوتی ہے میں تمہاری کیفیت نہیں سمجھ پارہا‘ نجانے کس کیفیت کا شکار ہوگئے ہو تم۔ کوئی نئی ملاقات نہیں ہے میری تم سے اچھی طرح جانتا ہوں تمہارے مزاج کو لیکن نجانے تمہیں ایک دم کیا ہوگیا ہے کوئی بات دل میں ہے کیا بتا دو۔“

”رہنے دیں نادر بھائی! ہم ان کے احسان مند ہیں میری عزت آبرو بچا کر انہوں نے ہمارے خاندان پر جو احسان کیا ہے اس کے آگے سر تو نہیں اٹھا سکتے‘ انہیں ان کی مرضی کے خلاف مجبور بھی نہیں کر سکتے‘ جا رہے ہیں تو جانے دیجئے شاید یہ اپنے احسان کا کوئی صلہ نہیں چاہتے۔“ رضوانہ بولی اور میری نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں اس کی کٹورا جیسی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ نجانے کیوں یہ آنسو اچھے نہ لگے‘ میں نے کہا:

”یہ بات نہیں ہے رضوانہ بہن‘ یہ بات نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے‘ مانتی ہوں۔ کچھ لوگ چلتے پھرتے کسی پر احسان کر دیا کرتے ہیں‘ وہ بہت بڑے لوگ ہوتے ہیں لیکن اپنے احسان کو قائم رکھنا بڑائی نہیں ہے‘ میری زندگی پر تو آپ نے بہت بڑا احسان کیا تھا‘ بھیا میں نے آپ کو سچے دل سے بھائی کہہ سکتی ہوں‘ لیکن آپ نے شاید مجھے معاف نہیں کیا‘ اندر کی باتیں کون جانے‘ ہو سکتا ہے یہ میری

شخصیت ہو جس کی وجہ سے آپ یہاں وقت نہیں گزار سکتے‘ جانے دیں نادر بھائی انہیں جانے دیں۔“ رضوانہ باقاعدہ رو پڑی اور تیز قدموں سے واپس پلٹ گئی۔

ایک دم سے ماحول کچھ عجیب سا ہوگیا تھا‘ میرے اندر جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے۔ کیا عجیب کشمکش آپڑی ہے‘ کیا عجیب صورتحال ہوگئی ہے‘ میں نے نادر زماں سے کہا:

”آپ رضوانہ سے کہہ دیجئے کہ ایسی کوئی صورتحال نہیں ہے اور بس مجھے اجازت دے دیجئے۔“

”ٹھیک ہے میں تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا‘ تمہاری مرضی ہے۔“

”خدا حافظ“ میں نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا نادر زماں کے بنگلے سے باہر نکل آیا۔ لیکن طبیعت انتہائی بوجھل ہوگئی تھی اور اس کے بعد بہت دیر تک سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا تھا‘ نجانے دل کو سکون کیوں نہیں مل رہا تھا۔ ایک چھوٹے سے پارک کے گوشے میں جا بیٹھا‘ میرے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا‘ بیٹھ کر سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہیے‘ کیا کروں‘ رضوانہ کے آنسوؤں پر‘ اس کے رونے پر واقعی شدید دکھ ہوا تھا‘ لیکن دو ہی صورتیں تھیں‘ یا تو حیات علی شاہ کو بتا دیتا کہ وہ کون ہے اور میرا اس سے کیا رشتہ ہے‘ یا پھر اس طرح سے چلے آنا سب سے بہتر عمل تھا‘ میں نہیں جانتا تھا کہ اگر حیات علی شاہ پر میں اس راز کا انکشاف کردوں گا تو اس پر کیا بیتے گی‘ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اپنی ماں کے قاتل کے سامنے آنے کے بعد آخر مجھے کیا کرنا ہے‘ کیا میں اس قتل کا بدلہ لینے کے لئے اسے قتل کردوں‘ کسی کار کے نیچے دبا کر مار دوں‘ شاید میں ایسا نہیں کر سکتا تھا اور اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میرے اندر جو جنون پل رہا تھا اور اس جنون کے تحت میں نے اپنی تعلیم کا جو سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس کا ایک مصرف تو ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ اگر کہیں سے میری رہنمائی ہو جائے‘ قدرت میری مدد کرے تو میں اپنی ماں کے ان الفاظ کو عملی شکل دوں اور اس کا جو بھی حق ہے اسے حاصل کر کے اس کی روح کو سکون پہنچاؤں جبکہ مجھے واقعی اس کی کوئی علم نہیں تھا کہ وہ حق کیا ہے‘ غرض یہ کہ میں شدید ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہا‘ بار بار ایک احساس دل میں ابھرتا تھا اور وہ یہ احساس تھا کہ جب میں نے اس لڑکی کے بھائی کو زندگی سے محروم کیا تھا اور غیر انسانی عمل کر کے یہ گناہ اپنے سر لے لیا تھا تو ماں کی قبر پر جا کر بھی میرے دل و دماغ میں یہی بات آئی تھی کہ

حیات علی شاہ قاتل ہے تو شازیہ کے بھائی کا قاتل بھی میں ہی ہوں، ہم دونوں ہی قاتل ہیں اگر میں ایک قاتل کو قتل کرتا ہوں تو شازیہ کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ مجھے قتل کردے، کیا یہ جذباتی عمل ممکن ہے، اگر نہیں تو پھر حیات علی شاہ کو معاف کردینا چاہیے۔

بہرحال یہ سینے کا راز تھا سینے میں ہی رہنے دیا، جب تک دل و دماغ کوئی موثر فیصلہ نہ کرلیں، اس کیس کو اپنے اندر ہی رہنے دیا جائے، اس کیس کا فیصلہ اندر کی عدالت ہی کرے گی، حیات علی شاہ میری ماں کا قاتل تھا اس میں کوئی شک نہیں، لیکن عدالتوں میں ایسے جرائم کے لئے اگر سزا بھی ہوتی ہے تو بہت نرم ہوتی ہے پھر یہاں تو ایک کسوٹی تھی، ترازو کے دونوں پلڑوں میں وزن تھا، اگر حیات علی شاہ میری ماں کا قاتل ہے اور دل کی عدالت اسے قاتل قرار دیتی ہے تو یہی عدالت میرے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کرتی ہے، میں ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اصولی طور پر جب ٹیکسی سڑکوں پر آتی ہے تو انسانی توقعات یہی ہوتی ہیں کہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے وہ سہارا لیں گے ایسے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنا کام کرتے ہوئے بھی وہ اپنی مرضی اور اپنے خیالات کے مالک ہوں، یہ فرائض نہ پورا کرنے کا شاخسانہ تھا، اور میں بھی حیات علی شاہ کی طرح ایک مجرم تھا۔ دل کی عدالت یہ بھی کہتی تھی کہ اس سلسلے میں نہ کوئی مروت ہے نہ کوئی جانبداری، بلکہ حقیقت صرف حقیقت ہوتی ہے۔ رات کو واپس تو گھر ہی آنا تھا۔ اللہ کی کتنی بڑی مہربانی تھی کہ مجھ جیسے ناکارہ انسان کو اس نے ایک گھر بخش دیا تھا اور گھر بھی ایسے افراد پر مشتمل جو فرشتہ صفت تھے۔

قاضی صاحب یا ریحانہ باجی نے مجھ سے میری آوارہ گردی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا اور اسی محبت سے مجھ سے پیش آئے۔ بہرحال جذبات کے طوفان اٹھتے ہیں تو انسان بھٹک کر نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے لیکن اس کے بعد جب طوفان ٹھہر جاتے ہیں تو زندگی کی سطح پھر اسی طرح ہموار ہوجاتی ہے، اب میں پریکٹس کررہا تھا اور شدید الجھن کے ساتھ نتیجے کا انتظار کررہا تھا۔ قاضی صاحب نے البتہ اپنے اندراجات میں میری وہ چھ مہینے کی پریکٹس شامل کرلی تھی جس کے بعد وکالت کا مقصد مکمل ہوجاتا ہے اور کوئی بھی شخص پریکٹس کرسکتا ہے۔

زندگی کے شب و روز معمول کے مطابق جاری ہوگئے۔ جب بھی میرے ذہن میں نادر زماں اور حیات علی صاحب آجاتے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیتا تھا، زخم تو انسان کے سینے میں بہت سے ہوتے ہیں جب کہیں چوٹ پڑتی ہے تو دل کا ایک حصہ داغدار ہوجاتا ہے۔ فائدہ بس یہ ہے کہ یہ داغ آنکھوں کے سامنے نہیں آتے دل میں رہتے ہیں اور دل کے داغ چھپائے جاسکتے ہیں، زندگی میں اس کے علاوہ اور کوئی کشش نہیں تھی، کام صرف کام۔

ایک رات نجانے کس وقت آنکھ کھل گئی تو کچھ یوں محسوس ہوا جیسے باہر کچھ آہٹیں ہوں۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو سوا تین بجے تھے، حیرت ہوئی، سوچا کہ کون ہو سکتا ہے، کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو، تھوڑی سی تیاری کر کے باہر نکل آیا دیکھا تو قاضی صاحب ٹہل رہے ہیں، مجھے دیکھ لیا اور شرمندہ ہو کر رک گئے، میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ "خیریت ہے!"

"بھئی شرمندہ ہوں، کوشش تو یہ کررہا تھا کہ کوئی آہٹ نہ ہو۔ یقینی طور پر تم میرے قدموں کی چاپ پر جاگے ہوگے۔"

"اگر جاگا بھی ہوں تو کوئی طوفان برپا نہیں ہوگیا قاضی صاحب آپ یہ بتایئے اس وقت آپ کیسے ٹہل رہے ہیں طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں طبیعت بالکل ٹھیک ہے، بس ذرا سی بے چینی دل میں جاگ اٹھی ہے جس نے نیند اچاٹ کردی اور سونے نہیں دیا۔"

"مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں ان کے بارے میں آپ سے معلومات حاصل کروں۔"

"سو فی صد حق پہنچتا ہے بھلا تمہارے اس حق سے کون بیوقوف انکار کر سکتا ہے۔"

"تو بتایئے۔"

"دیکھو بات اصل میں یہ ہے منصور میاں اپنے بارے میں سب کچھ ہی بتا چکا ہوں تمہیں، یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ایسے مقدمات ہاتھ میں لئے ہیں جن کے بارے میں یہ اطمینان ہو جاتا تھا کہ نہ کسی سے لڑائی نہ کسی سے جھگڑا، سچ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش اور بس، لیکن اس بار ذرا پھنس گیا ہوں، اصل میں ساجد علی صاحب ذرا مختلف قسم کے

انسان ہیں' خیر ہیں تو وہ بہت بڑے بیرسٹر۔ میں خود اس بات کا اعتراف کرتا ہوں' لیکن طبیعت کے تھوڑے سے ہلکے ہیں' اب ایک ایک سے کہتے پھر رہے ہیں کہ اس بیوقوف کو سمجھاؤ جو بلاوجہ میرے راستے میں آکر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا ہے' ناک رگڑوادوں گا اس کی زمین پر' ایسے جملے ادا کر رہے ہیں۔ وہ بس ذرا اتنا سا خیال آگیا تھا کہ کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ لوگ اب مجھ پر آوازیں کسنے لگے ہیں۔"

میں خاموشی سے قاضی صاحب کی صورت دیکھنے لگا' بہت شریف آدمی تھے' واقعی بہت شریف آدمی تھے' میں نے کہا:

"قاضی صاحب! آپ زیادہ پریشان نہ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی کھیل میں دو ٹیمیں ہوتی ہیں' ان میں سے ایک ٹیم کو ہارنا ہوتا ہے' ہار جیت تقدیر کا کھیل ہوتی ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر ناصر جمال' ہاشم علی کا قاتل ہے تو پھر اسے بچانا تو اللہ کے کاموں میں مداخلت ہوگی' ہم اپنے کسی مفاد یا انا کے لئے اللہ کے حکم کو نظر انداز تو نہیں کرسکتے بس یہ سوچ کر سو جائیے کہ اگر مجرم نے جرم کیا ہے ایک ظالم دوسرا مظلوم ہے تو پھر ظالم کو سزا سے کوئی نہیں بچا سکے گا' بے شک پیشہ ورانہ کوششیں کرلیجئے' لیکن باقی سارے معاملات اللہ پر چھوڑ دیجئے۔" قاضی صاحب مجھے دیکھتے رہے' پھر بولے۔ "جاؤ آرام کرو۔"

"اور آپ؟" میں نے سوال کیا اور وہ مسکرادیئے اور بولے۔ "میں بھی جا رہا ہوں اور تمہاری اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" قاضی صاحب واپس چلے گئے اور میں بھی اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ لیکن دوسرے دن میں نے قاضی صاحب سے کہا:

"کچھ ضروری کام ہیں اس لئے آپ کے ساتھ تھوڑا سا وقت نہیں دے سکوں گا' مطلب یہ کہ چھٹی چاہیے۔" قاضی صاحب ہنسنے لگے پھر بولے!

"آپ یوں کہیئے کہ پہلے مجھے کورٹ چھوڑ دیجئے اور اس کے بعد اپنا کام نمٹائیے' کچھ وقت ہے مجھے کورٹ چھوڑنے کے لئے۔"

"جی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر قاضی صاحب کو کورٹ چھوڑنے کے بعد میں نے اس سلسلے میں کام شروع کردیا اور وہاں سے چل پڑا۔

اب جذبات کے سمندر سے نکل کر حقیقت کی دنیا کا مقابلہ کرنا تھا۔ مسز ہاشم علی کو

طلب کرنے کے لئے میں نے ایسے ہی اقدامات نہیں کردیئے تھے بلکہ یہ تو بہت دلچسپ بات تھی کہ ساجد علی شاہ نے خصوصی طور پر یہ کہا تھا کہ نظام احمد قاضی صاحب کوئی جادوگری دکھائیں تو الگ بات ہے' ورنہ اقبالی مجرم بھلا کیا کرسکتا ہے' اور قاضی صاحب کونسی شعبدہ گری کریں گے' میں یہی شعبدہ گری کرکے دکھانا چاہتا تھا جو واقعات فائلوں کے ذریعے مجھ تک پہنچے تھے وہ اپنی جگہ تھے۔ لیکن میں نے دل میں سوچا تھا کہ کسی بھی جرم کی حقیقت صرف دوسروں کے فراہم کردہ ثبوت سے مکمل نہیں ہوجاتی۔ کچھ ایسے بیانات بھی تھے ہاشم علی کے خلاف جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک اوباش طبع انسان رہ چکا ہے' غیرت کے قتل کی بات میں نے اسی لئے کی تھی' لیکن اب بہت کچھ چاہیے تھا اور اس بہت کچھ کے حصول کے لئے میں نے کوششیں شروع کردیں۔

یہ کوشش ایک دن کے نتیجے میں ظاہر نہیں ہوئی بلکہ مجھے پورے پانچ دن صرف کرنے پڑے اور ان پانچ دنوں کا کوئی حساب میں نے قاضی صاحب کو نہیں دیا تھا' یعنی اس نیک نفس انسان نے یہ حساب مجھ سے طلب ہی نہ کیا تھا اس دوران ایک دو بار کورٹ بھی جانا ہوا اور اس دن بھی میں کورٹ میں تھا اور قاضی صاحب کے ایک کیس کی فائل اٹھائے ہوئے تھا کہ راستے میں حجاب ساجد علی مل گئی' ہاتھ اٹھا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور بولی:

"معاف کرنا اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو کینٹین سے جا کر ہمارے نام پر کچھ کولڈ ڈرنکس بھجوا دو' پانچ یا چھ۔ میں سیڑھیاں اتر کر نیچے نہیں جاسکتی کیونکہ میرے پاؤں میں موچ آگئی ہے' پلیز مائنڈ نہ کرنا۔"

"نہیں میں ابھی بھجواتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے بعد کینٹین جا کر حجاب ساجد علی کا کام کرادیا' کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔

لیکن دوسرے دن حجاب پھر ملی' خود شی شی کا اشارہ کرکے مجھے روکا' میں قریب پہنچا اور میں نے مسکرا کر کہا:

کتنے افراد کے لئے بھجواؤں۔؟"

"ارے نہیں" وہ ہنس پڑی "تو فرمائیے کیا حکم ہے"

"کوئی حکم نہیں ہے بس ہمارے ایک کیس کی ہیرنگ ہے' جج صاحب تشریف نہیں

لائے ہیں' آج ڈیڈی بھی ساتھ نہیں تھے۔ میں ذرا فراغت میں تھی پیشکار سے تاریخ مانگ رہی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ تھوڑا سا انتظار کر لوں۔ ممکن ہے جج صاحب آہی جائیں' اس لئے ادھر آ کھڑی ہوئی تھی' اصل میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم سے کولڈ ڈرنکس کے لئے کہہ کر کہیں میں نے تمہاری توہین تو نہیں کی ہے' حالانکہ تم نے بڑی فرخدالی سے میری خواہش کی تکمیل کروی تھی' یقین کرو میرے پاؤں میں واقعی موچ آگئی تھی' دیکھو یہ ڈاکٹر نے ---"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں مس ساجد علی' یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی' ایک چھوٹا سا کام تھا' آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس کے لئے مجھے منتخب کیا۔"

"ویسے میرا خیال ہے نظام احمد کے پاس تم نئے نئے ملازم ہوئے ہو پہلے میں نے کبھی تمہیں ان کے ساتھ نہیں دیکھا' ان کا پچھلا منشی کوئی اور تھا' نام یاد نہیں آ رہا مجھے اس کا۔"

"جی' میں نیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"منصور۔" میں نے جواب دیا۔

"اور میرا نام تو حجاب ہے' حالانکہ بالکل بے حجاب ہوں۔" اس نے کہا اور خود ہنس پڑی' پھر جلدی سے بولی:

"کل کی تکلیف کے لئے معذرت اور شکریہ' وہ جج صاحب تشریف لے آئے ہیں' ذرا اپنا چھوٹا سا کام نمٹا لوں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا بہرحال اس دوران جو کام میں نے کر دکھایا تھا وہ بہت ہی کارآمد تھا یہاں تک کہ وہ دن آ گیا جب مجھے قاضی صاحب کو جج صاحب کے روبرو پیش ہونا تھا' میں نے وہ تمام نوٹس تیار کر لئے تھے جو دوسرے دن قاضی صاحب کو عدالت میں پیش کرنا تھا' قاضی صاحب بیچارے اس قدر نیک نفس انسان تھے کہ بس اس دوران اپنے طور پر ہی مصروف رہے تھے مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا' لیکن جب میں نے وہ تمام تحقیقات اور نوٹس ان کے سامنے پیش کئے تو ایک طرح سے ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔

"تو ان دنوں غائب رہ کر تم یہ کام سرانجام دیتے رہے ہو۔"

"یہ ابتدا ہی سے میرے ذہن میں تھا قاضی صاحب ورنہ مسز ہاشم علی سے آپ کیا سوالات کرتے؟"

"دل چاہتا ہے رو پڑوں۔" قاضی صاحب انتہائی جذباتی لہجے میں بولے۔

"قاضی صاحب یہ رونے کا وقت تو نہیں بلکہ ہنسنے اور خوشیاں منانے کا وقت ہے' ہم اپنی محنت میں کامیابی کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں اور محنت کا صلہ بہرطور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔"

"اور نیکی کا صلہ بھی' مجھ سے ایک نیکی ہو گئی تھی اور وہ نیکی جس طرح میرے کام آئی ہے اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹے' اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

ان پانچ دنوں میں' میں نے جو کچھ کیا تھا وہ اس قدر مضبوط اور جامع حیثیت کا حامل تھا کہ اس کا کوئی توڑ نہیں ہو سکتا تھا' قاضی صاحب کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی تھی اور دوسرے دن میں نے ان کی صورت ہی بدلی ہوئی دیکھی تھی۔ پھر جب ہم کورٹ میں پیش ہوئے تو قاضی صاحب نے اپنی بحث شروع کرتے ہوئے کہا۔

"میرے معزز ساتھی' دوست اور محترم ساجد علی شاہ صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ ناصر جمال کے اطراف کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اسے مجرم قرار دلا کر تختہ دار تک پہنچا دیں' لیکن میں صرف یہ چاہتا تھا کہ مجرم کا جرم مکمل طور پر سامنے آئے اور معزز عدالت اس بات سے واقف ہو جائے کہ اس اقبال جرم کے پس پردہ کوئی اور حقیقت پوشیدہ ہے۔"

"وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حقیقت کو کیسے سامنے لایا جائے۔" ساجد علی شاہ نے کہا:

"میں اس سلسلے میں تھوڑی سی کاوشیں کر کے حقیقت کو بیان کرنے کے قابل ہو سکا ہوں' معزز عدالت کی اجازت سے۔" اجازت ملنے پر قاضی صاحب نے کہا۔

"جناب والا! میں ان حقائق کو سامنے لانا چاہتا ہوں جن کی بنیاد پر میرے موکل ناصر جمال نے اپنی زبان بند رکھی ہے اور صرف اقبال جرم کر کے یہ کہہ دیا کہ ہاشم علی کا قاتل وہ ہے' میں کہتا ہوں جب تک قتل کی وجہ سامنے نہ آئے قاتل کے بارے میں فیصلہ

کرنا ایک مشکل کام ہے' لوگ جذباتی طور پر کسی لمحاتی واقعے سے متاثر ہو کر خود کشی بھی کر لیتے ہیں اور خود کشی کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے بس ایک لمحہ درکار ہوتا ہے اگر وہ لمحہ نکل جائے تو شاید انسان اتنی آسانی سے زندگی کھونے پر آمادہ نہ ہو۔" ساجد علی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"لیکن یہاں بات ایک لمحے کی نہیں بلکہ لمحات کی ہے' گھنٹات کی ہے' دنات کی ہے' مہینات کی ہے۔" اور ان اصطلاحات پر عدالت میں قہقہے ابھر اٹھے۔ قاضی صاحب نے کہا:

"ساجد علی شاہ صاحب دلچسپ گفتگو کرنے کے ماہر ہیں میں بھی ان کے ان الفاظ کو بلاشبہ دلچسپ اور مزاحیہ قرار دیتا ہوں لیکن افسوس میں ان پر ہنس نہیں سکتا' اس کی وجہ یہ ہے ایک انسانی زندگی جاچکی ہے اور دوسری انسانی زندگی خطرے میں ہے اور بہرحال ہم یہ فیصلہ نہیں کرسکے ہیں ابھی تک کہ جو شخص موت کی دہلیز پر کھڑا ہے وہ مجرم ہے یا نہیں' اگر وہ مجرم ثابت ہوجاتا اور ایک انسانی زندگی کو ضائع کرنے کا باعث قرار پاتا ہے تو پھر ان دلچسپ الفاظ پر ہنسنے میں کوئی ہرج نہیں ہے' صرف ساجد علی شاہ صاحب موت کے اس منظر کو دیکھ کر بھی ہنس سکتے ہیں' ہنسا سکتے ہیں' خیر میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ جس بنیاد پر میرے موکل نے اپنی زبان بند رکھی ہے میں ذرا اس کی تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں' عدالت یقینی طور پر کسی ایسے مجرم کو سزا دینا پسند نہیں کرتی جس نے جرم ہی نہ کیا ہو' بلکہ کسی جذباتی خوف یا رسوائی کے احساس نے اسے زبان بندی کے لئے مجبور کیا ہو' درحقیقت یہ جرم میرے موکل ناصر جمال نے کیا ہی نہیں ہے' وہ ایک ایسے خوف کا شکار ہے جس کی بنا پر اسے خدشہ ہے کہ وہ اور اس کے اہل خاندان رسوا ہو جائیں گے' چنانچہ اپنے اہل خاندان کو رسوائی سے بچانے کے لئے وہ اپنی جان کی قربانی دے رہا ہے' میں اجازت چاہتا ہوں کہ ان حقائق کو سامنے لاؤں۔"

"اجازت ہے۔" جج صاحب نے پروقار لہجے میں کہا۔

"چنانچہ معزز عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ مسز ہاشم علی کو کٹہرے میں طلب کیا جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ میرے سوالات کے جواب دیں۔"

"حقیقت تو یہ ہے جناب والا کہ یہ ایک ظالمانہ کوشش ہے مسز ہاشم علی بیوہ ہوچکی

ہیں' ان کے غم واندوہ ان کے چہرے اور ان کی شخصیت سے لگایا جاسکتا ہے' یہ چہرہ مرجھا گیا ہے جبکہ کبھی اس جوڑے کو بہت سے فنکشنوں میں خوبصورت ترین جوڑا کہا جاتا تھا' آپ خود سوچئے کہ -----"

"جناب والا! مسز ہاشم علی تشریف رکھتی ہیں' ان جذباتی الفاظ کو صرف لفاظی کہا جاسکتا ہے' حقیقت سے منہ موڑنا کہا جاسکتا ہے میں پھر وہی الفاظ کہوں گا کہ ایک انسانی زندگی بچانے کے لئے دنیا کا ہر وہ عمل کر لینا مناسب ہوتا ہے جو کیا جاسکے۔"

"گواہ کو پیش کیا جائے۔" جج صاحب نے کہا اور مسز ہاشم گواہوں کے کٹہرے میں آکھڑی ہوئی میں نے وہ تمام عمل کرڈالے تھے جو ممکن ہوسکتے تھے' چنانچہ مسز ہاشم علی سے بحث کرنے کے لئے قاضی صاحب ان کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے انتہائی نرم اور موثر لہجے میں کہا:

"مسز ہاشم علی! میں آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہوں' آپ کو یقینی طور پر ہاشم علی کے قاتل سے نفرت ہوگی' چاہے وہ ناصر جمال ہو یا اس کے علاوہ کوئی' لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجرم کو مجرم ثابت کرنے کے لئے آپ کو کچھ ایسے سوالات کے جواب دینا ہوں گے جو شاید آپ دینا پسند نہ کریں' آپ یہ فرمانا پسند کریں گی کہ ہاشم علی مرحوم سے آپ کی شادی کتنے عرصے قبل ہوئی تھی۔؟" مسز ہاشم علی نے جواب دیا:

"تقریباً تیرہ یا چودہ سال ہوگئے۔"

"آپ کے کتنے بچے ہیں۔؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کا کوئی مطلب ہوسکتا ہے؟" مسز ہاشم علی نے کہا

"کیا یہ شادی آپ دونوں کی پسند کی تھی۔؟"

"نہیں یہ بزرگوں کے ذریعے ہوئی تھی۔"

"آپ یہ فرمانا پسند کریں گی مسز ہاشم علی کہ ہاشم علی صاحب سے آپ کے ازدواجی تعلقات کیسے رہے۔؟"

"بہت اچھے۔" مسز ہاشم علی نے جواب دیا۔

"گویا آپ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔"
"نہیں۔"

"کیا یہ صرف آپ کی شرافت اور آپ کی نیک نفسی نہیں تھی کہ ہاشم علی کے توجہ نہ دینے کے باوجود آپ انہیں آج تک ایک اچھا انسان کہتی ہیں' جبکہ ہاشم علی صاحب کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ رنگین مزاج بھی تھے۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب والا۔" ساجد علی صاحب نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔
"بحث جاری رکھی جائے۔"
"جی مسز ہاشم علی' آپ یہ بتایئے کہ اولاد کا نہ ہونا آپ کی تنہائی' کیا یہ صرف آپ کی شرافت نہیں کہ آپ مرحوم کے بارے میں کوئی غلط لفظ نہیں کہنا چاہتیں۔"
"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اس ذاتی معاملے کو عدالت میں اچھالنا نہیں چاہتی۔"

"گویا کوئی معاملہ ہے جناب والا۔ درحقیقت مرحوم ہاشم علی ایک اوباش فطرت انسان تھے اور ان کی فرم کے بیشمار افراد اس بات کے گواہ ہیں' ان کی زندگی میں بہت سی رنگین راتیں شامل ہیں اور مسز ہاشم علی ایک شریف عورت کی مانند صرف اپنے شوہر سے سمجھوتہ کرتی رہی ہیں۔"
"میں کہتی ہوں یہ میرا بالکل ذاتی معاملہ ہے اور میں اسے عدالت میں اچھالنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔"
"آپ کے کسی ذاتی معاملے سے ایک انسان کی زندگی کو نقصان پہنچنے والا ہے مسز ہاشم علی۔ اس لئے یہ معاملہ آپ کا ذاتی معاملہ نہیں رہا' جناب والا جو کچھ میں کہتا ہوں وہ جھوٹ نہیں' ثبوت کے طور پر میں آپ کو یہ فائل پیش کرنا چاہتا ہوں' جس میں اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مقتول ہاشم علی کی خوبصورت لڑکیوں کو بہترین تنخواہیں دے کر اپنے پرسنل ملازم کی حیثیت سے رکھتے تھے اور یہ لڑکیاں ایک یا دو مہینے سے زیادہ وہاں کام نہیں کرتی تھیں اور اگر ان میں سے کوئی خوبصورت لڑکی ہاشم علی کی توقعات پر پوری اتر جاتی تھی تو اس کی ملازمت کچھ طویل ہوجاتی تھی لیکن اگر کوئی لڑکی ان کے ہتھے نہ لگتی تو

اس کی مدت ملازمت ایک یا ڈیڑھ مہینے کے اندر ختم ہوجاتی تھی۔ یہ فائل موجود ہے' اس میں ان لڑکیوں کی تفصیلات ہیں جن کے بارے میں' میں آپ سے عرض کررہا ہوں۔ میرے پاس ان سات لڑکیوں کا پتہ بھی موجود ہے اور ان کی گواہی عدالت میں دلوائی جاسکتی ہے' وہ سب عدالت میں آنے کے لئے تیار ہیں' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی مقتول ہاشم علی کے آفس ریکارڈ سے ان لڑکیوں کے اپائنٹمنٹ لیٹرز کی نقول' ان کو جوائننگ رپورٹس اور پھر ان کا ٹرمینیشن لیٹر ان تمام چیزوں کی نقول اس فائل میں ہے براہ کرم انہیں ملاحظہ فرمایئے۔" قاضی صاحب نے وہ فائل سامنے پیش کردی اور جج صاحب اس فائل کا مطالعہ کرنے لگے لیکن ساجد علی نے کہا:
"یہ ایک بہتان ہے الزام ہے' مرحوم ہاشم علی پر ان کی موت کے بعد الزامات لگائے جارہے ہیں۔"
"جناب والا! پہلی چیز میں عدالت کے سامنے پیش کرچکا ہوں اس کے بعد میں چند گواہان کو عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہوں' میں نے ذاتی طور پر انہیں بلالیا ہے' اور وہ موجود ہیں۔"

عدالت پر ایک دم سناٹا چھاگیا تھا اور اس کے بعد قاضی صاحب کی نشاندہی پر دو لڑکیوں کو ایک ایک طلب کیاگیا اور ان میں سے ایک لڑکی نے عدالت کے کٹہرے میں آکر درد بھری آواز میں کہا:
"جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی' سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہوں گی' میں ایک ایسے گھرانے کی کفیل ہوں جہاں ایک فالج زدہ باپ' ایک مغموم ماں اور دو چھوٹی بہنیں ہیں ملازمت کے لئے اس لئے نکلی تھی کہ ان سب نے مجھے عزت کی روٹی کھلائی۔ میں چاہتی تھی کہ میں بھی انہیں عزت کی روٹی کھلاؤں۔ ملازمتیں تلاش کرتے ہوئے مجھے ہاشم علی صاحب کی فرم میں ملازمت ملی اور اس کے بعد جو سامنے آیا میں عدالت عالیہ میں اس کی تفصیل بتانا چاہتی ہوں' ابھی ہم جیسی لڑکیوں کا ماضی ایک جیسا ہے اگر ہم بے سہارا ہوجائیں تو اس ماحول میں ہمارے لئے تحفظ نہیں ہے والدین کی آغوش میں جوان ہوتے ہیں اور اگر وقت بگڑ جائے تو ہمیں دفتروں اور کارخانوں تک جانا پڑتا ہے وہاں ہم مشقت کرتے ہیں وہ کام جو ہمیں اس دفتر یا کارخانے میں تنخواہ دلواتا ہے بعض اوقات ہمارے

لئے کسی شخص کی حیثیت سے خوف کی صورت اختیار کرجاتا ہے میں نے ہاشم علی صاحب کے ہاں ملازمت کی اور میں ان لڑکیوں کو بھی جانتی ہوں جنہوں نے میرے بعد اور مجھ سے پہلے وہاں ملازمت کی۔ جو بیان میں دے رہی ہوں وہی بیان ان کا بھی ہو گا' میں ہاشم علی صاحب کے ہوس ناک ارادوں کا شکار ہو گئی' بہت غور کیا تھا میں نے بہت سوچا سمجھا تھا اور اس کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ چار افراد کی زندگی کے لئے مجھے اپنے وجود کی قربانی دینا ہو گی لیکن آپ یقین کیجئے مسز ہاشم علی میں آپ سے مخاطب ہوں آپ برابر اپنے شوہر کے جرم کی شریک ہیں کیونکہ آپ نے ایک عورت ہونے کی حیثیت سے اپنے شوہر کو وہ آزادی دے رکھی تھی میں شادی شدہ نہیں ہوں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ ایک بیوی اپنے شوہر پر بھرپور نگاہ رکھے تو اس کے جرائم میں کچھ کمی آسکتی ہے۔ بہرحال میں اپنی قربانی دینے کے باوجود ہاشم علی کے دفتر میں زیادہ عرصے کام جاری نہیں رکھ سکی' اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ چار ماہ کے بعد ہاشم علی مجھ سے اکتا گئے انہوں نے مجھے گولڈن شیک ہینڈ کی پیشکش کی اور کہا کہ یہ کچھ پیسے لوں اور یہاں سے نکل جاؤں تاکہ میری جگہ کوئی دوسری لڑکی آجائے۔ مجھے بہت سستا بکنا پڑا تھا جناب والا' میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ایک طویل عرصہ میں اپنے ماں باپ کی کفالت کرسکوں گی۔"

اس لڑکی کے اس بیان نے فضا ہی تبدیل کردی تھی اور ساجد علی کا چہرہ اتر گیا تھا اور ادھر ناصر جمال بھی بے چین نظر آرہا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"جناب والا جب میں اس بات کا اعتراف کررہا ہوں کہ میں نے ہاشم علی کو قتل کیا ہے اور میں اس قتل پر غیر مطمئن نہیں ہوں تو پھر یہ ساری باتیں بے معنی ہوجاتی ہیں' براہ کرم اس مسئلے کو اچھالا نہ جائے' مجھے سزائے موت دی جائے کیونکہ میں نے جرم کیا ہے۔"

جج صاحب نے کہا: "حقیقتوں کو سامنے لانا ضروری ہوتا ہے تمہارے جذباتی اعتراف سے وہ حقیقتیں بدل نہیں سکتیں جو موجود ہیں' عدالت آئندہ پیشی کے لئے برخاست کی جاتی ہے۔"

لوگ بے اختیار قاضی صاحب کے گرد جمع ہوگئے تھے ان میں وکلاء بھی تھے اور کچھ اور افراد بھی' انہیں مبارکباد دی جانے لگی' شاہ صاحب بار روم میں چلے گئے تھے

اور خاصے غصے میں نظر آتے تھے' لوگ قاضی صاحب سے سوالات کررہے تھے۔

"یہ سارے پوائنٹس آپ کہاں سے نکال لائے قاضی صاحب۔" لیکن نظام قاضی کی آواز ہی بند تھی بولتے تو آنکھوں سے آنسو نکل آتے تھے۔

گھر آنے کے بعد بہت دیر تک مجھے سینے سے لپٹائے کھڑے رہے تھے' میں نے مسکراتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو خشک کیے تو وہ بولے:

"اور' اور' اور -----" اور اس کے بعد رونے کے علاوہ اور کوئی آواز ان کے حلق سے نہ نکل سکی۔ ریحانہ باجی بھی ان کی اس کیفیت پر حیران تھیں' میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا:

"انسان اپنی محنت کا صلہ پاتا ہے قاضی صاحب آپ نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو جو مقام دیا ہے اس میں صرف آپ کی کاوشیں کام کررہی ہیں میں ان پانچ دنوں میں یہی سارے ثبوت اکٹھے کرتا رہا ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ کچھ شخصیتوں نے مجھ سے تعاون کیا اور حقیقتیں سامنے آرہی ہیں۔"

"پھر قاضی صاحب نے مجھ سے اس بارے میں بہت دیر تک گفتگو کی تھی اور میں نے انہیں اپنی کارروائیوں کی تفصیلات بتائی تھیں۔

"آپ نے جو نوٹس لکھے ہیں قاضی صاحب ان میں بہت سی حقیقتیں واضح ہیں۔ اپنے ان نوٹس میں ہر جگہ آپ کے ان شبہات کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ ہاشم علی کو ایک اوباش طبع انسان سمجھتے ہیں اور ان کی موت کو ان کے کسی عمل کا شاخسانہ سمجھتے ہیں اس بات کو تقویت صائمہ جمال کے نام سے پہنچتی ہے جو ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی ہے اور ناصر جمال جمال صائمہ کا بھائی ہے۔ ابتدا سے آپ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ناصر جمال اپنی غیرت اور خاندان کی عزت کو بچانے کے لئے اپنی زندگی کی قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔"

"ہاں منصور ---- میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ پارہا تھا جو کہنا چاہتا تھا عدالت کے کچھ آداب ہوتے ہیں ہاشم علی قتل ہوچکے ہیں وہ ایک دولت مند انسان تھے ان کی طرف سے مکمل طور پر کام ہو رہا تھا میں بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے یہ الزام ان پر نہیں لگاسکتا تھا اور ٹھوس ثبوت پیش کرنے کے لئے میرے پاس ذرائع نہیں تھے لیکن تم نے۔"

"ایک سوال کروں قاضی صاحب----؟" میں نے کہا۔

"پوچھتے کیوں ہو؟"

آپ نے کچھ جملے کہے تھے مجھ سے۔ میں انہیں دہرانا نہیں چاہتا لیکن چونکہ مستقبل میں آپ کی دعاؤں کے سہارے مجھے بھی ذمے داریاں سنبھالنی ہیں وکیل کے پاس بہت سے کیس آتے ہیں۔ سچے جھوٹے۔ لوگ ذاتی دشمنی کے لئے جان لینے پر تل جاتے ہیں لیکن وکیل کے شانوں پر بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے اسے اپنا فرض پورا کرنے کے لئے اپنی حد تک محدود نہیں رہنا چاہیئے۔ میں نے اس وقت بھی یہی کیا ہے اور آئندہ بھی یہی کروں گا۔"

"اللہ تعالیٰ تمہیں استقامت عطا کرے۔ ویسے تم نے بہت عمدہ ترکیب نکالی اور اس لڑکی نے بھی عدالت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

بات تو وہیں سے قابل غور ہوجاتی ہے جہاں سے پتہ چلتا ہے کہ صائمہ جمال بھی ہاشم علی کی فرم میں ملازمت کرتی تھی۔"

"میں شروع سے اسی بنیاد پر کام کررہا ہوں اور شاید تمہیں یاد ہو' میں نے تم سے ایک بات کہی تھی۔"

"وہی میرے ذہن میں الجھن بنی ہوئی ہے۔" میں نے فوراً کہا اور قاضی صاحب گہری نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"جو میں کہنا چاہ رہا ہوں وہ تم نہیں سمجھے ہوگے۔" انہوں نے کہا۔

"سمجھ گیا ہوں۔ اور آپ سے۔"

"خدا کی قسم اگر تم سمجھ گئے ہو تو میں تمہیں جینئس قرار دوں گا تمہارے نمبر سو میں سے سو ہوں گے۔" قاضی صاحب بولے۔

"آپ نے فرمایا کہ دونوں پارٹیاں بھرپور طریقے سے ایک دوسرے کو کراس کررہی ہیں۔ ہاشم علی کی موت کے بعد مسز ہاشم علی یا ان سے منسلک دوسرے لوگ ایک پارٹی ہوسکتے ہیں دوسری پارٹی کم از کم ناصر جمال نہیں ہوسکتا وہ تو خود قتل کا اعتراف کررہا ہے چنانچہ دوسری پارٹی صیغہ راز میں ہے اور اس وقت آپ مجھے اس کی طرف متوجہ کررہے ہیں۔"

قاضی صاحب نے آنکھیں بند کرلیں کچھ لمحے خاموش رہے پھر بولے: "ہاں میں اسی بارے میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔ ہاشم علی کے قتل کے کیس میں کوئی نامعلوم پارٹی بہت دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ ہاشم علی کا کچا چٹھا سامنے لانا چاہتی ہے ورنہ بے چارہ ناصر جمال تو معمولی سی حیثیت کا مالک ہے اس کے اہل خاندان بھی مفلس ہیں اور کیس لڑنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ مگر یہ دوسری پارٹی۔"

"آپ سے اس کا رابطہ کیسے قائم ہوا۔"

"فون؟"

"اوہ تفصیل بتانا پسند کریں گے۔" میں نے کہا۔

"اب تو کیس ہی تمہارا ہے میں تمہیں اسسٹ کررہا ہوں تم نے آخر کار یہ باور کرا دیا ہے خیر فون پر مجھ سے اس بارے میں رابطہ قائم کیا گیا اور کہا گیا کہ ناصر جمال قاتل نہیں ہے کچھ شواہد پیش کئے جارہے ہیں آپ یہ کیس لڑیں اخراجات ہم ادا کریں گے اور تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ یہ کاغذات اور نقد رقم ایک غیر متعلق شخص کے ہاتھ میرے پاس بھیجی گئی۔ اب بھی وہ نامعلوم شخصیت مجھے فون کرتی ہے اور کیس کی پوری تفصیل سے آگاہ ہے۔"

"بہت دلچسپ۔ کون ہوسکتے ہیں وہ۔"

"وہ میرا خیال ہے کوئی ایسی شخصیت جو ہاشم علی کے مکروہ کردار کو سامنے لانا چاہتی ہو۔"

"اس کی موت کے بعد بھی۔"

"ہاں ہوسکتا ہے اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو اس انکشاف سے۔"

"یہ ہوسکتا ہے فون مرد کی آواز میں ہوتا ہے۔"

"ہاں۔"

"آپ نے یہ بتا کر اچھا کیا اس نکتے کو ذہن میں رکھیں گے ہاں ایک زحمت ضرور کیجئے گا۔"

"کیا" قاضی صاحب نے پوچھا۔

"آئندہ پیشی میں احتیاطاً" صائمہ جمال کو ضرور بلوا لیجئے۔" میں نے کہا اور قاضی

نظام احمد کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے کہا:

"اگر تم نے آج تک مجھ سے سچ بولا ہے اگر تم حقیقی معنوں میں صرف ٹیکسی ڈرائیور تھے تو اس دنیا کے جتنے جینئس ہیں ان میں سے کسی کی کہانی جھوٹی نہیں تھی۔ مسز ہاشم علی کی طلبی اور اس کے بیان کے بعد میں بھی شدت سے اس سوچ میں تھا کہ اب صائمہ کو عدالت میں لایا جائے۔ تم نے جو ابتدا کی ہے منصور اسے دیکھ کر میں تمہاری انتہا کی پیش گوئی کر سکتا ہوں۔"

"نہیں قاضی صاحب۔ آپ میری انتہا کی پیش گوئی نہیں کرسکتے میری انتہا وہ ہے جب میری ماں کی قبر سے آواز آئے گی کہ منصور میری روح فخر سے مسکرا رہی ہے تو نے وکیل بن کر میرا حق مجھے دلوا دیا ہے۔" میں نے گلو گیر لہجے میں کہا۔ قاضی صاحب بھی آبدیدہ ہو گئے۔ بمشکل تمام انہوں نے کہا:

"ایسا ضرور ہوگا بیٹے۔ ایسا ضرور ہو گا۔"

قاضی صاحب خود بھی جذباتی آدمی تھے۔ میری اپنی کیفیت تو خیر جو ہوتی تھی لیکن کسی بھی ایسے موقع پر ان کے جذبات مجھ سے زیادہ شدید ہوجاتے تھے اور نتیجے میں الٹا مجھے ہی انہیں سنبھالنا پڑتا تھا۔ اصل میں بہت ہی نیک نفس انسان تھے اور ان کی زندگی میں جو کچھ تھا وہ میرے علم میں آچکا تھا۔ ایسے کسی شخص کا انداز زندگی جو ہو سکتا ہے وہی قاضی صاحب کا بھی تھا۔ چنانچہ زیادہ تر ذمہ داری مجھ پر آپڑی تھی اور میں ہی انہیں سنبھالے رکھتا تھا۔ جذباتی باتیں اپنی جگہ لیکن ان دنوں وہ بہت خوش تھے۔ ہر پیشے کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے۔ ہر پیشے میں مقابلہ ہوتا ہے۔ مقابلے کا یہ رجحان انسان کو بلندیوں کی جانب لے جاتا ہے۔ اس رجحان سے کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ بشرطیکہ یہ مقابلہ بہتر انداز میں ہو اور دونوں فریق شریفانہ طریقے سے اپنے اپنے موقف کو پیش کریں۔ اصل میں ساجد علی کا کچھ ایسا رعب بیٹھا ہوا تھا کہ عموماً ان کے مقابلے پر آنے والے وکلاء یا تو ان سے دشمنی شروع کردیتے تھے یا پھر ذہن میں یہ تسلیم کرلیتے تھے کہ کام جاری رکھو' فیسیں وصول کرو' کہیں تو ہارنا ہی ہے۔ یہ بات نہیں تھی کہ ساجد علی شاہ صاحب کبھی کوئی کیس نہ ہارے ہوں لیکن ان کی زندگی میں ہار بہت کم تھی اور یہی بات ان کے مخالفوں کے لئے ذرا تشویشناک ہوا کرتی تھی۔ ادھر میں قاضی صاحب کی عزت کو

ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میری آتش مزاجی میں بہت فرق پیدا ہوا تھا سڑکوں پر ٹیکسیاں چلانے والا قطعی طور پر ایک موالی انسان بے شک قانون کی کتابیں پڑھ رہا تھا اور غیر قانونی عمل سے بچنا چاہتا تھا لیکن انسان جس شعبے سے منسلک ہوجاتا ہے اس کی گہرائیاں بہر طور اسے متاثر کرتی ہیں۔ ٹیکسی چلاتے ہوئے میں بھی دوسرے ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح بعض اوقات اپنی پسند کی سواری بٹھاتا تھا اور اسی کوشش میں ایک ایسا حادثہ ہوگیا تھا جو غالباً ماں کی موت کے زخم کے بعد دوسرا بڑا زخم تھا میں ہزار بار یار محمد بھائی سے ملنے جاتا لیکن میری ہمت نہیں پڑتی تھی۔ بس وہاں جا کر میرے دل کو ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ کئی بار قاضی صاحب کی کار لے کر ادھر سے گزرا لیکن اس کے بعد ڈپریشن کا شکار ہوجاتا تھا۔ چنانچہ میں نے ادھر سے گزرنا بھی چھوڑ دیا۔ دوسری چیز نادر زماں تھا۔ ایک بہت اچھا انسان' ایک بہت اچھا دوست' لیکن میں اسے کیا بتاتا کہ میرے سینے میں کیا ہے؟ اور اگر بتا دیتا تب بھی مجھے نقصان پہنچتا۔ حیات علی شاہ میرے سامنے تھا۔ کم از کم میری ماں کا قاتل میرے علم میں تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ آنے والا وقت مجھے کن راستوں کی طرف لے جائے۔ ہوسکتا ہے جذبات کا کوئی ایسا لمحہ اتنے شدید انداز میں مجھ پر مسلط ہوجائے کہ میں اس لمحے کو نہ سنبھال سکوں اور حیات علی شاہ کو قتل کردوں۔ ایسی صورت میں یہ تو نہیں چاہوں گا کہ قاتل کی حیثیت سے پہلے ایک پولیس آفیسر کے علم میں رہوں۔ اس لئے نادر زماں سے چھپنا بھی ضروری تھا۔ حالانکہ کورٹ میں وہ مجھے اکثر نظر آجاتا تھا اور میری خوش قسمتی اب تک میرا ساتھ دے رہی تھی کہ مکمل طور سے میں کبھی اس کے سامنے نہیں آسکا تھا۔ وقت گزر رہا تھا اور میں نے اس وقت اپنی تمام تر توجہ اس کیس پر لگا رکھی تھی۔ بات تھوڑی سی میرے ذہن میں واضح تھی لیکن بس' ناصر جمال کے اقرار جرم نے حالات بہت خراب کر رکھے تھے۔ قاتل چیخ چیخ کر یہی کہتا تھا کہ اگر میں قتل کا اعتراف کررہا ہوں تو پھر باقی چھان بین کیوں کی جارہی ہے؟ ناصر جمال کے بارے میں یہ اندازہ مجھے اچھی طرح ہوگیا تھا کہ اگر اس سے مکمل طور پر علم ہوتا کہ قاضی صاحب اس کا کیس لڑنے کے لئے یا اسے بچانے کے لئے اتنی زبردست کارروائی کریں گے تو وہ شاید قاضی صاحب کو اپنا وکیل ماننے سے ہی انکار کردیتا اور یہ خطرہ ہر وقت موجود تھا شاید ناصر جمال کو کسی نے یہ بات سمجھانے کی

کوشش نہیں کی تھی۔ ساجد علی شاہ اگر تھوڑی سی ذہانت سے کام لیتے تو اس وقت ان کے لئے وہ شخص سب سے زیادہ کار آمد ثابت ہوتا۔ جسے وہ موت کی سزا دلوانا چاہتے تھے۔ یعنی ناصر جمال' وہ کسی خفیہ ذریعے سے ناصر جمال کو اس بات کے لئے مجبور کرتے کہ وہ قاضی صاحب کا وکالت نامہ ہی عدالت کے سامنے منسوخ کردے۔ ایسی صورت میں قاضی صاحب بے بس ہوجاتے لیکن شکر تھا کہ ساجد علی شاہ کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی اور انہوں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ادھر میں نے اپنے ذہن میں بہت سے خاکے تیار کرلئے تھے اور ان کے تحت شمشاد نامی ایک شخص بھی میرے ہاتھ لگا تھا۔ لڑکیاں تو عدالت میں اپنا بیان دے کر جج صاحب کو متاثر کرگئی تھیں جنہیں میں نے بڑی مشکل سے تلاش کیا تھا لیکن اب اس کے بعد یہ شخص بھی میرے لئے بہت کار آمد تھا۔ باقی جہاں تک میری فطرت کا تعلق تھا میں نے اسی کے تحت کام کیا۔ شمشاد اصل میں مقتول ہاشم علی کا ڈرائیور تھا۔ میں نے بڑی کوشش کرکے اس کا پتہ معلوم کیا تھا اور اس کے گھر جا پہنچا تھا۔ شمشاد کے گھر کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ کھول کر وہ باہر آیا۔

"تمہارا نام شمشاد ہے؟"

"ہاں ---- کیوں کیا بات ہے؟"

"شمشاد کیا کررہے ہو آجکل؟"

"کون ہو بھائی' کیا چاہتے ہو؟" شمشاد نے حیرانی سے پوچھا۔

"تمہارا تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں دو بچے ہیں تمہارے؟ پبلک اسکول میں پڑھتے ہیں۔"

"ہاں ----"

"اگر ان بچوں کی زندگی بچانا چاہتے ہو' تو مجھ سے تھوڑی دیر بات کرلو۔"

"کیا مطلب ---؟ کون ہو تم؟ میں تو غریب آدمی ہوں۔ میرے بچوں کی زندگی کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟ بھائی اندر آجاؤ بیٹھو' کسی غلط فہمی کا شکا ہو تم۔ میرے بچوں کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے بتاؤ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے کیا' میں پولیس میں رپورٹ کردوں۔"

"ساری باتیں دروازے پر ہی پوچھ لوگے؟ بیٹھو تھوڑی دیر میرے ساتھ' چاہے

باہر ہی کرسیاں نکال لاؤ؟"

"نہیں اندر آجاؤ تم نے عجیب بات کہی ہے؟" پھر اندر صحن میں کرسیوں پر بیٹھ کر ہم دونوں گفتگو کرنے لگے۔ شمشاد بہت پریشان نظر آرہا تھا اس نے کہا:

"مجھے یہ بات تو بتادو کہ میرے بچوں کو کیا خطرہ ہے؟"

"اصل میں شمشاد' تم ہاشم علی صاحب کے ڈرائیور تھے نا؟"

"ہاں۔"

"اور اب کیا کررہے ہو؟"

"وہیں ان کی کمپنی میں نوکری کررہا ہوں' کمپنی کی ویگن چلاتا ہوں۔"

"ہوں! تمہیں پتہ ہے کہ ہاشم علی صاحب کے قتل کا کیس چل رہا ہے؟"

"میں خود اس کیس میں گواہی دے چکا ہوں۔"

"ہاں میرے علم میں ہے اصل میں شمشاد کچھ اور لوگ ہیں جو حقیقتوں کو سامنے لانا چاہتے ہیں۔ یہ نامعلوم لوگ ہیں۔ یہ بہت بڑے بڑے لوگ جو ہوتے ہیں نا ان کی آپس میں کاروباری دشمنیاں اس طرح چلتی ہیں کہ ہم اور تم جیسے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ پارٹی جو یہ بات سامنے لانا چاہتی ہے کہ ہاشم علی کا اصل قاتل ناصر جمال نہیں' بلکہ ہاشم علی ایک اوباش اور آوارہ فطرت انسان تھا اور وہ کسی اور طریقے سے مارا گیا ہے۔ وہ پارٹی جو تمہارے بچوں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے اس نے ٹیلی فون کرکے کہا ہے کہ شمشاد کو عدالت بلایا جائے اور ہاشم علی کے بارے میں وہ سارے سچ سچ بیان دے جو حقیقت ہیں۔ یہ رعایت رکھی ہے تمہارے ساتھ اس پارٹی نے کہ تمہیں جھوٹ بولنے پر آمادہ نہیں کیا ہے۔ بیان تو تم پہلے بھی دے چکے ہو لیکن ایک بار پھر تمہیں عدالت میں بیان دینا ہے۔ تمہارا پہلا بیان تو نہ ہونے کے برابر تھا اب تمہیں وہ ساری تفصیل سچ سچ بتانی ہے اچھا یہ بتاؤ پہلی بار جب تمہیں گواہی کے لئے طلب کیا گیا تھا اس کے بعد تم ان پیشیوں میں سے کسی پیشی میں شریک ہوئے ہو؟"

"بھائی صاحب ہم نے زندگی بھر ڈرائیوری کری ہے' ڈرائیوری کرتے رہیں گے وہ تو سمن آیا تھا تو ہم جا کر اپنا بیان دے آئے تھے۔ باقی تو اس کے بعد ہمارے جانے کا کیا جواز بنتا تھا۔"

"شمشاد! اصل میں ان بڑے مگرمچھوں سے لڑنا تم جیسے آدمیوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں ایک وکیل صاحب کا منشی ہوں۔ یہ وکیل صاحب ناصر جمال کے حق میں کیس لڑ رہے ہیں اور وہ پارٹی چاہتی ہے کہ حقیقتیں سامنے آئیں اسی پارٹی نے مجھے تمہارا نام و نشان بتایا ہے اور کہا ہے کہ تمہیں طلب کیا جائے تاکہ تم عدالت میں آکر وہ تمام سچائیاں بیان کرو۔"

"ایک بات بتائے دیتے ہیں تمہیں۔" شمشاد بولا۔

"کیا-----؟"

"اس کے بعد یہ نوکری قائم نہیں رہے گی ہماری۔"

"کیوں-----؟"

"مسز ہاشم علی بھلا ہمیں اپنے شوہر کے خلاف گواہی دینے پر کمپنی میں رکھ سکیں گی؟ نکال دیں گی وہ ہمیں۔"

"اس کا وعدہ میں کرتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا اور اگر ایسا ہوا بھی تو تمہارے لئے بندوبست میں کروں گا لیکن تمہارے بچے اس نوکری سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اس پارٹی نے جو ٹیلی فون پر ہم سے بات کرتی رہتی ہے' یہ دھمکی دی ہے کہ اگر شمشاد نے بالکل صحیح اور تفصیلی بیان عدالت میں نہ دیا تو اس کے بچوں کو اغوا کر کے قتل کروا دیا جائے گا۔"

"اللہ نہ کرے' اللہ نہ کرے بھائی۔"

"ہاں واقعی میری دعائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور اگر تم یقین کرو کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ آگے تمہاری مرضی۔"

"تو پھر ہمیں بتایئے ہم کیا کریں بھائی صاحب؟"

"اس پیشی پر تاریخ نوٹ کرلو۔ کسی کو بتائے بغیر تمہیں خاموشی سے عدالت پہنچنا ہے اور گواہی دینی ہے۔"

"ہم آجائیں گے۔"

"یہ بات بالکل راز میں رکھنا۔ دیکھو انسان کی ذرا غلطی اسے زندگی بھر رلاتی ہے۔ اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا۔"

"جی۔"

"پیشی کی تاریخ نوٹ کرلو۔ تمہیں ایک مخصوص وقت پر وہاں پہنچنا ہے۔" شمشاد کو سب کچھ سمجھانے کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔ اندازہ تو یہی تھا کہ شمشاد میری ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ جائے گا۔ حالانکہ میں نے اس سے کوئی خاص معلومات نہیں حاصل کی تھیں۔ بات یہاں اصول کی تھی۔ بے شک حالات یہ بتا رہے تھے کہ ناصر جمال بے گناہ ہے اور اس نے صرف غیرت میں ہاشم علی کو قتل کیا ہے۔ لاء کی کتابوں میں اس بات کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ ایسے کسی قاتل کو سزائے موت یا عمر قید نہیں ہو سکتی اور ہاشم علی اگر واقعی اتنا ہی بدکردار انسان ہے تو اس کے قتل کے سلسلے میں بھی دولت کو کام نہیں آنا چاہیے۔ اس شکل میں میری اپنی شخصیت بھی کسی حد تک جذباتی طور پر ملوث ہوگئی تھی اور پھر اللہ کے فضل سے ذہن بڑی عمدگی سے کام کر رہا تھا۔ اس دوران ایک دلچسپ واقعہ بھی پیش آیا۔ اس دن ایک ضمانت کے سلسلے میں قاضی صاحب کو عدالت میں پیش ہونا تھا لیکن قاضی صاحب کی مصروفیات کچھ اور ہوگئیں۔ ادھر جج صاحب نہیں آئے تھے اور پیش کار ان کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے وہیں چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ میں اگر جج صاحب آئیں تو قاضی صاحب کو اطلاع دوں اور اگر وہ نہ آئیں تو پھر پیش کار سے نئی تاریخ لے لوں۔ میں بہت دیر تک انتظار کرتا رہا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی' جب میں نے حجاب کو کمرہ عدالت میں اندر آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بھی پیش کار سے بات کی تھی اور پیش کار نے اسے یہی کہہ دیا تھا کہ تھوڑی دیر اور انتظار کرے' ہوسکتا ہے جج صاحب آجائیں ان کا کوئی فون وغیرہ موصول ہوجائے تو پھر وہ تاریخیں دے دے گا۔ حجاب واپس مڑی تو اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ مسکراتی ہوئی میرے پاس آگئی۔ پھر بے تکلفی سے میرے برابر کی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی:

"جناب منصور صاحب دیکھ لیجئے مجھے آپ کا نام کیسے یاد رہ گیا۔"

"نام تو مجھے بھی آپ کا یاد ہے مس حجاب! لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی بے اختیار میرا دل یہ پوچھنے کے لئے چاہتا ہے کہ کتنی لاؤں؟" حجاب بے اختیار ہنس پڑی تھی پھر وہ بولی:

"حقیقت یہ ہے کہ شرمندہ کرنے کا یہ انداز بالکل منفرد ہے چلئے جناب ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں۔ آپ کو اپنا سمجھ کر کہہ دیا تھا بس' میرا مطلب ہے کہ یعنی وہ شناسائیاں

اور تعلقات ہو جاتے ہیں' آئندہ یہ ہمت نہیں کروں گی۔"

"اور مجھے اس بات پر بہت افسوس ہو گا کیونکہ میں نے کسی بھی طور آپ کو شرمندہ کرنے کے لئے یہ مذاق نہیں کیا تھا' میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

نہیں منصور کیسی باتیں کررہے ہیں آپ؟ یعنی کمال ہے بھئی' اچھا ایک بات بتائیے تعلیم کتنی ہے آپ کی؟"

"جتنی ایک منشی کی ہوسکتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔"

"خیر یہ الفاظ آپ نہ کہیں۔ بعض اوقات انسان اپنی کاوشوں میں ناکام رہتا ہے اور وقت اور حالات اسے مجبور کردیتے ہیں کہ وہ کوئی بھی ملازمت کرلے اور پھر جہاں تک آپ کی ملازمت کا تعلق ہے تو کوئی احمق اگر اسے کسی طور ہلکا سمجھتا ہو لیکن میں نہیں سمجھتی۔ ہاں اس دن واقعی اگر میرے پاؤں میں تکلیف نہ ہوتی تو میں کبھی آپ سے وہ بدتمیزی کرنے کی کوشش نہ کرتی حالانکہ بعد میں مجھے یقین کیجئے اس کا افسوس ہوا تھا۔ خیر آپ کیونکہ اس موضوع سے گریز کررہے ہیں۔ میں اسے ختم کئے دے رہی ہوں۔ ویسے ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانیں گے؟"

"نہیں! پتہ نہیں آپ کیوں یہ بات سوچتی ہیں کہ میں آپ کی ہر بات کا برا مان جاؤں گا۔"

"قاضی صاحب اس سلسلے جو کچھ کررہے ہیں میرا خیال ہے غلط کررہے ہیں۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ ذاتی طور پر میں ان کی بے حد قدر کرتی ہوں۔ اس معاملے میں اصل میں مجرم اقبالی ہے۔ کتنے ہی شواہد پیش کردیئے جائیں جب وہ کہتا ہے کہ میں نے قتل کیا ہے اور مجھے اس کی سزا ملنی چاہیے تو قاضی صاحب کچھ بھی کوشش کرلیں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔"

"یہ آپ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں مس حجاب! ہم تو صرف فائل اٹھا کر چلنے والوں میں سے ہیں۔"

"اک اور بات کہوں آپ سے' اگر آپ برا نہ مانیں تو۔"

"جی نہیں! کہئے اس کا بھی برا نہیں مانوں گا۔" میں نے جس انداز میں حجاب سے یہ کہا وہ کچھ جھینپ سی گئی پھر بولی۔ "آپ یہ ملازمت چھوڑ دیں۔"

"جی!"

"ہاں--- اچھے نہیں لگتے آپ کسی وکیل کے پیچھے فائل اٹھائے چلتے ہوئے۔"

"پھر کیا کروں؟" میں نے محترمہ حجاب کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کلرکی کرلیں' کسی میز پر بیٹھ کر فائل ورک کرلیں' یہ نہ کریں۔"

"اور اگر وہ نوکری نہ ملے تو؟"

"میں آپ کو آفر کرتی ہوں۔ ڈیڈی کے پاس آجایئے۔"

"آپ کے ہاں جگہ ہے؟"

"میں آفر کررہی ہوں آپ کو۔ آپ آیئے' آپ کے سامنے ڈیڈی سے بات کرلوں گی۔"

"سوچنے کا موقع دیں گی مجھے؟"

"ضرور ---!" حجاب نے کہا اور پھر دوسرے دن بھی ایسا ہی اتفاق ہوا کہ قاضی صاحب موجود نہیں تھے۔ اس دن نہ صرف حجاب بلکہ اس کے ساتھ' ساجد علی شاہ بھی مجھے ملے۔ میں معمول کے مطابق کورٹ گیا تھا۔ حجاب نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا اور اس کے بعد ہم ایک کھلی جگہ جا کھڑے ہوئے ساجد علی شاہ بھی وہیں آکھڑے ہوئے تھے۔ کہنے لگے۔ "وہ منصور ہے نا تمہارا نام؟"

"جی سر----"

"بھئی یہ حجاب تمہاری سفارش کر رہی تھی۔ کہتی ہے کہ تمہیں دفتر میں رکھ لوں۔ فائلنگ وغیرہ اور دوسرے کاموں کے لئے۔ ویسے کتنی تعلیم حاصل کی ہے تم نے؟ کم از کم میٹرک تو ہوگے؟"

"جی میٹرک ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ بس فائلنگ کلرک کی حیثیت سے تم کام کرسکتے ہو۔ ویسے تمہیں آگے پڑھنا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے تمہارے چہرے تمہاری آنکھوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تم اگر چاہتے تو آگے بھی پڑھ سکتے تھے۔ شکل و صورت سے بھی ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ویسے ایک بات بتاؤ؟ قاضی صاحب اس کیس کے سلسلے میں کیا کررہے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ ناصر جمال' بذات خود اپنے جرم کا اعتراف کررہا ہے' اس کے

اہل خاندان میں اس کی بہن ہے' ماں ہے اور جو کوئی بھی ہے وہ تو بہت ہی مفلس لوگ
ہیں۔ یہ قاضی صاحب کی فیس کون ادا کررہا ہے؟ یا قاضی صاحب جو معلومات حاصل
کررہے ہیں اس کا ذریعہ کیا ہے؟"
"سر کیا آپ ایک میٹرک پاس منشی سے اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنے
مالک کے معاملات کی کھوج کرتا ہوگا یا مالک اسے اس بارے میں بتاتا ہوگا؟ منشی کا کام
فائلوں کی گٹھری اٹھا کر بیرسٹر صاحب کے پیچھے پیچھے چلنا ہوتا ہے۔ بس اتنا ہی کام کرتا ہوں
میں۔ بیرسٹر صاحب نے کبھی اس سے زیادہ مجھ سے اور کوئی بات نہیں کی۔ تو میری بھلا کیا
ہمت؟ کہ میں ان سے کوئی ایسی بات پوچھ سکوں؟
اچھا اچھا مطلب یہ کہ کسی کے ساتھ کام کرتے ہوئے انسان کو خود اتنی مہارت ہو جاتی
ہے کہ بہت سی باتیں وہ خود سمجھ لیتا ہے۔ تم بالکل نوجوان آدمی ہو اور ظاہر ہے جس پیشے
میں آئے ہو' اس میں ذہانت ہی اول حیثیت رکھتی ہے تو میرا مطلب یہ ہے کہ تم ایسے
معاملات کو ذہن میں رکھا کرو۔ اچھا یوں کرو جب تک یہ کیس چل رہا ہے اس وقت تک
تم قاضی صاحب کے ساتھ ہی رہو اور ذرا اس بارے میں چھان بین کرو کہ قاضی صاحب
کو اس کیس کے سلسلے میں فیس کون ادا کررہا ہے؟ یا قاضی صاحب اس کیس میں دلچسپی
کیوں لے رہے ہیں؟ پھر ان کی معلومات کے ذرائع کیا ہیں۔ ذرا ملنے جلنے والوں کے
بارے میں بھی چھان بین رکھو بے فکر رہو۔ میں تمہیں اس کے بدلے میں بہترین انعام
دوں گا۔"

"جی" میں نے کہا۔

"اور اس کے بعد اگر قاضی صاحب کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ تم نے ایسا کوئی
کام کیا ہے؟ تو فوراً ہی ورنہ ایک مخصوص وقت گزارنے کے بعد میرا مطلب ہے جب یہ
کیس ختم ہوجائے تو تم میرے پاس آجانا۔ میں تمہیں اپنے دفتر میں جگہ دے دوں گا یا
جتنی تنخواہ قاضی صاحب تمہیں دیتے ہیں اس سے زیادہ بڑھ کر تمہیں اپنے ساتھ رکھ
لوں گا بے فکر رہو۔"

"جی! بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا البتہ میں نے حجاب کے چہرے پر کسی قدر
ناخوشگواری کے آثار دیکھے تھے۔ بہرحال میں وہاں سے چلا آیا البتہ میں نے قاضی صاحب

کو اس بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ قاضی صاحب بہت ہی نازک طبیعت کے
انسان تھے اب میں ان کی فطرت کو سمجھتا جارہا تھا۔ دکھی بھی ہوتے اور نہ جانے ان پر کیا
کیفیت سوار ہوتی' بات کو ہضم کرجانے میں کوئی دقت نہیں تھی لیکن مجھے لطف آیا تھا
ساجد علی کی پیشکش کو سن کر۔ اس سے ان کی شخصیت کا اندازہ بھی ہوتا تھا۔ ہر قیمت پر
بیچارے ناصر جمال کو زندگی سے محروم کرنے کی فکر میں سرگرداں تھے۔ زندگی بڑی دلچسپ
چیز ہوتی ہے۔ اگر انسان اس سے لطف اٹھانے کی کوشش کرے۔ مصائب' حالات کا الٹ
پھیر بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو زندہ رہنے کو دل چاہتا ہے۔ میرا مسئلہ ابتدا میں بگڑ گیا
تھا لیکن انسان کی تقدیر سے اگر کوئی مسیحا مل جائے تو پھر زندگی کا رخ بھی بدل جاتا ہے
لیکن بات کا آغاز تقدیر سے ہوتا ہے؟ بشرطیکہ تقدیر اس کا موقع دے اور میں یہ سمجھتا
ہوں کہ اگر میں نے زندگی میں کوئی ایک آدھ نیکی کی تھی تو تقدیر نے اس کا صلہ مجھے دیا
تھا۔ کچھ اچھے ساتھی' اچھے دوست مل گئے تھے ورنہ باجی' نظام احمد قاضی صاحب اور نادر
زمان جو مجھ سے ناراض تھا۔ بہرحال وہ ایک اچھا انسان اچھا دوست تھا مگر میں اسے کیسے
بتاتا کہ میری مشکل کیا ہے؟ ہاں اگر وقت خود اپنی زبان بن کر میری مشکل کا انکشاف اس
کے سامنے کردیتا تو شاید مجھے بھی سرخروئی حاصل ہوجاتی لیکن ابھی تقدیر میں یہ نہیں تھا'
نہ سہی بعد میں دیکھوں گا۔ البتہ حجاب نے دوسرے دن ایک اور موقع مل جانے پر مجھے
اشارے سے اپنے پاس بلایا' تنہا تھی اور چہرے پر نہایت سنجیدگی کے آثار تھے۔ مجھے بری
طرح گھورنے لگی۔ تو میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے کوئی غلطی ہوگئی مجھ
سے؟"

"کیا تم برے آدمی ہو منصور؟" اس نے عجیب سے لہجے میں عجیب سا سوال کیا۔
ایک لمحے کے لئے میرے چہرے پر ہنسی کی لہر نمودار ہوئی لیکن میں نے یہ ہنسی دبالی اور
آہستہ سے کہا:

"محترمہ حجاب برا انسان اگر اپنے آپ کو برا سمجھنے لگے اور اپنی برائیاں چھوڑ
دے۔ میرا خیال ہے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہوں گے۔ جو برے ہو کر اپنے آپ کو برا
سمجھیں۔" حجاب کا چہرہ بھی ایک لمحے کے لئے حیرانی کا شکار ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا تھا۔
"اگر تم اتنی گہرائی تک سوچ سکتے ہو۔ تو کیا یہ نہیں سوچ سکتے کہ جس کا نمک کھایا

جائے اس سے غداری کرنا دنیا کا بدترین فعل ہے؟" میں نے ایک لمحہ میں اپنے آپ کو سنبھالا۔ پھر بولا۔ میٹرک پاس ہوں اور میٹرک میں فلسفے کا مضمون نہیں ہوتا۔ اسلئے اگر تفصیل سے کچھ سمجھا سکیں' تو آپ کی مہربانی ہوگی۔"

"پہلی بات تو میں تمہیں یہ سمجھا رہی ہوں کہ تم میٹرک پاس نہیں ہو بلکہ میٹرک پاس بننے کی کوشش کرتے ہو اور دوسری بات مجھے پوری سچائی اور خلوص کے ساتھ یہ بتاؤ کہ ڈیڈی نے تم سے جو کل کہا کیا تم قاضی صاحب کے ساتھ وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو؟" میں نے ایک نگاہ حجاب کو دیکھا پھر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں!"

"کیا ----" حجاب اچھل پڑی۔ میں نے اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دیکھی تھی۔

"مس حجاب! ساجد علی شاہ صاحب آپ کے والد ہیں' آپ بہت اچھی خاتون ہیں بے حد نیک اور مہربان میرا چھوٹا سا تجربہ' چھوٹا سا علم آپ کے بارے میں یہ کہتا ہے آپ کے سامنے آپ کے والد کے لئے کچھ کہنا' میں جانتا ہوں نہایت غلط ناقابل عمل بات ہے' چنانچہ میں کچھ الفاظ نہیں ادا کروں گا۔ آپ کا حکم تھا' آپ نے اشارہ کیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا آپ نے میرے لئے کلرکی کی ملازمت کی بات کی تھی میں اس پر خوش تھا۔ بیرسٹر صاحب نے مجھ سے جو کچھ کہا' میں نے اس پر گردن خم کروی لیکن دل میں یہ سوچا کہ کلرکی کی نوکری میری تقدیر میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں ایک عاقبت نااندیش آدمی کی ملازمت نہیں کر سکتا۔

بیرسٹر ساجد علی شاہ صاحب کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ جو انسان تھوڑے سے پیسوں کے لالچ میں یا ایک اچھی نوکری کے لالچ میں قاضی صاحب کے ساتھ غداری کر سکتا ہے اور کسی اور شخص کے لئے اپنے مالک کے خلاف جاسوسی کر سکتا ہے وہ کسی اور کے ایما پر ساجد علی شاہ کے خلاف بھی کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی کبھی ایسا نہیں کرے گا۔ اگر وہ کرنا بھی چاہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بعد میں اس کا دوسرا مالک اس پر کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ میں نے شاید ذرا طویل راستہ اختیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں جواب مختصر طور پر آپ یہ سن لیجئے کہ میں ایسا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ قاضی

صاحب بہت نیک' بے حد شریف انسان ہیں۔ آج تک انہوں نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی تو میں بھلا ان کے خلاف کوئی کام کیسے کر سکتا ہوں لیکن مس حجاب! اب مجھے بھی آپ سے کچھ سوالات کا حق پہنچتا ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور پوچھو۔"

"ساجد علی شاہ صاحب آپ کے والد ہیں؟"

"بالکل ہیں۔"

"کیا آپ یہ نہیں چاہتیں کہ میں ان کی ہدایت کے مطابق کام کروں؟"

"نہیں!"

"وجہ بتانا پسند کریں گی؟"

"پہلی بات تو یہ کہ منصور میں تمہارے کردار کو داغدار نہیں کرنا چاہتی۔ تم بہت اچھے انسان ہو۔ میں اسی دن سے تم سے متاثر ہوں جس دن میں نے تم سے اپنے ایک کام کے لئے ملنا تھا اور تم بغیر کسی جھجک کے میرے کام کے لئے چل پڑے تھے۔ ایک لمحے میں مجھے احساس ہوا تھا کہ جس شخص سے میں نے جس کام کے لئے کہا ہے وہ اس کے معیار کا نہیں تھا۔ مجھ سے غلطی ہوگئی لیکن تمہاری بے شکن پیشانی دیکھ کر میرے دل میں تمہارے لئے عزت و عظمت کا احساس ہوا اور اس کے بعد سے میں تم سے متاثر ہوئی۔ مجھے تم فائلوں کا گٹھر بغل میں دبائے چلتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ اس لئے میں نے ڈیڈی سے بات کی تھی لیکن ڈیڈی نے ابتدا ہی غلط راستے سے کی۔ میں ان سے اتفاق نہیں کرتی جبکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے اور دو وکیلوں کی جنگ بھی جنگ ہی ہوتی ہے مگر میں شب خون کی قائل نہیں ہوں۔ خنجر ہمیشہ سینے پر استعمال کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں' پشت پر نہیں اور اس کام کے لئے میری آرزو ہے کہ تم کبھی ایسا نہ کرنا۔ یہ غلط ہوگا۔ مدمقابل میں سے ایک کو شکست ہونی چاہیے۔ اچھا یہ بتاؤ' قاضی صاحب سے تم سے تم نے اس بارے میں کچھ کہا' میرا مطلب ہے بیرسٹر صاحب کے اس انعام وغیرہ کی پیشکش کے بارے میں؟"

"خدا کی قسم! بالکل نہیں۔ اس کے بعد مزید کوئی لفظ نہیں کہوں گا۔"

"مجھے مکمل اعتبار ہے منصور! تم فکر نہ کرو جو کچھ کر رہے ہو۔ اگر مطمئن ہو تو اس

کو جاری رکھو۔ میں بالکل تم سے یہ بات نہیں کہوں گی کہ جو کچھ میرے باپ نے تم سے کہا ہے تم وہ کرنا۔ یقینی طور پر اگر تم یہ کر بھی ڈالتے تو میں جانتی ہوں ساجد علی شاہ صاحب تمہیں کبھی ملازم نہ رکھتے۔ یہ الگ بات ہے وہ تمہیں کہیں اور ملازم کرا دیتے' انعام دیتے' یہ کام میں بھی کروں گی لیکن اس وقت تک نہیں جب تک کہ اس کیس کا فیصلہ نہ ہوجائے۔ اوہو میں چل رہی ہوں۔ ڈیڈی مجھے تم سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اچھا منصور خدا حافظ" حجاب یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی اور میں کچھ لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ اچھی لڑکی ہے۔ میں نے دل میں سوچا تھا اس کے علاوہ باقی معاملات بھی دلچسپی کے حامل تھے لیکن ان تمام معاملات سے میں نے قاضی صاحب کو لاعلم رکھا۔ ایک حساس آدمی کے لئے ایسی باتیں بڑی پریشان کن ہوا کرتی ہیں۔ کوئی اور موقع ہوا تو انہیں یہ بات بتادوں گا کہ حجاب ایک اچھی لڑکی ہے۔ ایک بڑے باپ کی بہت اچھی لڑکی۔ پھر اس کے بعد میں نے اپنی بساط کے مطابق وہ تمام نوٹ' اور کاغذات تیار کئے جو پیشی میں قاضی صاحب کے کام آنے کے لئے تھے۔ قاضی صاحب یقیناً خود بھی اس معاملے میں مصروف رہے ہوں گے۔ جس دن پیشی تھی اس سے ایک رات پہلے میں قاضی صاحب کے پاس جابیٹھا اور وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگے۔

"تمہاری پراسرار مصروفیات کا تو مجھے علم ہے لیکن اسی طرح خاموش ہوں جس طرح کسی خزانے کا متلاشی شخص اس شخص کے تعاقب میں لگا رہتا ہے۔ جس کے پاس اس خزانے کا نقشہ ہوتا ہے اور وہ خزانے کی تلاش میں کامیابی کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے لیکن میں تمہارے پیچھے پیچھے کہیں نہیں گیا ہوں بلکہ بس میرا تجسس تمہارا تعاقب کرتا رہا ہے اور اس وقت تم یقین کرو' ایک ایک لمحہ تمہاری آمد کا انتظار کر رہا تھا۔" میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا:

"قاضی صاحب! آپ کے یہ الفاظ مجھے خوش بھی کرتے ہیں اور میری حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں لیکن خدارا کبھی کسی مرحلے پر آپ یہ ذہن میں تصور بھی نہ لائیں کہ میں اپنے آپ کو کوئی ذہین شخصیت سمجھتا ہوں۔ میرا تو ایک ایک لمحہ آپ سے سیکھنے میں گزر رہا ہے' خیر چھوڑیئے جب ہم لوگ اس طرح کی باتیں کرنے بیٹھ جاتے ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم بڑی رسمی اور ہلکی سی گفتگو کررہے ہوں۔ ہمارے درمیان اس

گفتگو کی کوئی ضرورت ہے نہ گنجائش۔ آج آپ کے ساتھ بیٹھ کر میں اگر کچھ سیکھ رہا ہوں یا تھوڑی سی بھاگ دوڑ کر کے معلومات حاصل کررہا ہوں تو یہ میری مستقبل میں میری بڑی معاون ثابت ہوگی۔ گویا آپ میرا مستقبل تعمیر کررہے ہیں۔" قاضی صاحب ہنسنے لگے پھر بولے:

"کہتے رہو' کہتے رہو جس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہی دوسرے کو دے سکتا ہے تم مجھے عزت اور احترام دے رہے ہو۔ بس میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا؟"

"بالکل بالکل اب آپ ذرا میری ان کاوشوں کو دیکھئے اور مجھے بتایئے کہ میں کہیں بہت زیادہ خود اعتمادی کا شکار تو نہیں ہوگیا ہوں۔" اس کے بعد میں اور قاضی صاحب اس طرح سر جوڑ کر بیٹھے کہ ہمیں ریحانہ باجی کی آمد کا پتہ بھی نہیں چلا۔ نہ جانے کتنی دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے تھے۔ تب ریحانہ باجی کی آواز نے ہمیں چونکا دیا:

"میں کبھی تم لوگوں کو مخاطب نہ کرتی لیکن اتنی اچھی کافی بنائی ہے میں نے اور اب یہ محسوس ہورہا ہے کہ تھوڑی دیر اور گزر گئی تو یہ بالکل بے کار ہوجائے گی۔ اس لئے یہ کافی پی لو۔" ہم دونوں چونک پڑے تھے۔ ریحانہ باجی اتنی ہی بڑی شخصیت کی مالک تھیں۔ ایک بہت ہی نرم خو اور محبت کرنے والی' بزرگ اور ایسے بزرگوں کا سایہ بے مثال ہوتا ہے۔ میری تمام وحشت خیزی آہستہ آہستہ ختم کرتے جارہے تھے یہ لوگ' ریحانہ باجی کا بے حد شکریہ ادا کیا گیا تو وہ بولیں:

"اچھا' اب میرا شکریہ ادا کرو گے؟ خیر افسوس اس بات کا ہے کہ منصور کو میں نے بچوں کی طرح پرورش نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نظام احمد میرے لئے کبھی بڑے نہ ہوئے۔ میں نے انہیں بچوں ہی کی مانند سمجھا۔ بس ایک تھوڑا سا وقت تھا جب ان کی ذمہ داری کسی اور نے سنبھال لی تھی۔ ارے توبہ! میں بھی کیا فضول باتیں کرنے بیٹھ گئی۔ تم لوگ اپنا کام کرو اور مجھے یہ بتاؤ کہ اگر زیادہ دیر جاگو گے تو چائے یا کافی کتنی دیر میں لے کر آؤں۔"

"بالکل نہیں! بس یہ کافی کافی ہے۔" نظام احمد صاحب نے کسی قدر پرمذاق انداز میں کہا اور ریحانہ باجی ہنسنے لگیں' پھر بولیں:

"تو پھر میرا بیٹھنا بھی کافی ہے اور اب میں کافی وقت گزارنے کے بعد یہاں سے

چلتی ہوں۔" ہم دونوں مسکرا دیئے تھے۔ بہرحال! تمام معاملات طے ہوگئے۔ کافی پینے کے بعد ہم مکمل طور سے مطمئن ہو کر اٹھ گئے تھے اور جب دوسرے دن عدالت لگی تو نظام احمد قاضی صاحب کے چہرے پر بڑی تمکنت بڑا وقار نظر آرہا تھا اور خود ساجد علی شاہ اپنی فطرت کے مطابق ایک طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے عدالت میں موجود تھے۔ پہلے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے آپ کی کوئی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ساجد علی شاہ نے مجھے گھور کر دیکھا تھا۔ میں خاموشی سے ایک سمت بیٹھ گیا تھا۔ جج صاحب بھی وقت پر ہی آگئے اور کیس کا آغاز ہوگیا۔ قاضی صاحب نے اپنا موقف دہرایا:

"تو جناب عالی بات یہاں ختم ہوئی تھی کہ ناصر جمال کسی بھی طور ہاشم علی صاحب کا قاتل نہیں ہے اور پچھلی بار جن لڑکیوں کی شہادتیں پیش کی گئیں وہ جناب والا کے سامنے ہیں۔ میں اس سلسلے میں مزید کچھ گواہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

ساجد علی شاہ نے کہا: "میں سمجھتا ہوں کہ وکیل صاحب عدالت کا وقت برباد کر رہے ہیں۔ جناب والا ایک شخص کسی بھی جذبے کے تحت کوئی عمل کرتا ہے۔ عدالت جذبوں کو ثبوت کے طور پر نہیں مانتی۔ وہ اقبال جرم کر رہا ہے اور میرے فاضل دوست اس اقبال جرم کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی مجرم اپنے منہ سے کہہ رہا ہے کہ اس نے جرم کیا ہے؟ اور وکیل صاحب کہتے ہیں کہ نہیں اس نے جرم نہیں کیا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔" نظام احمد صاحب نے خاموشی سے ساجد علی شاہ کے یہ الفاظ سنے اور اس کے بعد کہا:

"معزز عدالت جانتی ہے کہ وکیل صاحب وہ کہہ رہے ہیں جو ایک بے مقصد اور نامعلوم سی بات ہے۔ کیونکہ وہ گواہ لڑکیاں اور وہ فائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ناصر جمال بے گناہ ہے اور خود ہاشم علی مرحوم بداعمالیوں کا شکار رہے ہیں۔ جس کی بنا پر کسی نے انہیں زندگی سے محروم کردیا۔ معزز عدالت کی خدمت میں میں کچھ اور گواہ پیش کرنا چاہ رہا ہوں۔ جو اس سلسلے میں معزز عدالت کی رہنمائی کریں گے۔"

"غالباً آپ نے کچھ اور لڑکیاں کرائے پر حاصل کی ہیں؟"

"معزز عدالت ان جملوں کو نوٹ کرے، اور ان جملوں کی نوعیت پر غور کرکے انہیں توہین عدالت کی شکل میں تصور کیا جائے۔" قاضی صاحب نے کہا۔

"آپ اپنے لہجے اور اپنی زبان پر قابو پایئے ساجد علی شاہ صاحب!" جج صاحب نے کرخت لہجے میں کہا اور پھر انہوں نے قاضی صاحب کی طرف رخ کرکے کہا۔

"گواہ پیش کیا جائے۔" چنانچہ شمشاد کو طلب کرلیا گیا۔ ساجد علی شاہ صاحب نے بھویں ٹیڑھی کرکے شمشاد کو دیکھا لیکن کچھ نہ بولے البتہ قاضی صاحب نے اس سے سوال کیا۔

"تمہارا نام؟"

"شمشاد خاں۔"

"کیا کرتے رہے ہو اب تک؟"

"میں ہاشم علی شاہ کمپنی میں ملازم ہوں۔ ان کا ڈرائیور ہوں۔"

"کتنے عرصے سے؟"

"تقریباً نو سال ہوگئے۔" شمشاد نے جواب دیا۔

"گویا نو سال سے تم ہاشم علی صاحب کو جانتے ہو؟ تم ان ہی کی گاڑی چلاتے رہے ہو، میرا مطلب ہے کہ ان کے ذاتی ڈرائیور رہے ہو یا کمپنی کی گاڑی چلاتے رہے ہو؟"

"نہیں جناب! میں نے صرف ہاشم علی صاحب کے ساتھ کام کیا ہے۔ کمپنی کی کچھ اور گاڑیوں کے ڈرائیور دوسرے ہیں۔"

"ہونہہ ٹھیک! اب تم مجھے اس دن کے بارے میں کچھ سوالات کے جواب دو، جس دن ہاشم علی صاحب کو قتل کیا گیا۔"

"جی سرکار!"

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ہاشم علی صاحب کے ساتھ مختلف لڑکیاں کام کرتی تھیں؟"

"جی جناب! ان کے ساتھ ہمیشہ ایک سیکرٹری رہا کرتی تھی۔"

"اور وہ تبدیل ہوتی رہتی تھیں۔"

"جی سرکار!"

"کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ ان کی آخری سیکرٹری کون تھی، میرا مطلب ہے جب ان کا قتل ہوا؟"

"ان کا نام صائمہ تھا؟"
"کیا یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ صائمہ ناصر جمال صاحب کی بہن تھی؟"
"جی سرکار!"
"تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟"
"صائمہ بی بی نے خود بتایا تھا' میں نے ناصر جمال صاحب کو بھی کئی بار دیکھا ہے۔"
"ٹھیک ہے' اب یہ بتاؤ کہ اس وقت جب ہاشم علی قتل ہوئے کیا صائمہ ہاشم علی صاحب کے پاس موجود تھی؟"
"جی ہاں' وہ کچھ کام کر رہی تھیں' اب یہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کر رہی تھیں۔"
"کیا دفتر کا وقت ختم نہیں ہو چکا تھا؟"
"ہو چکا تھا صاحب' سارا اسٹاف جا چکا تھا' صائمہ بی بی کا کچھ کام باقی رہ گیا تھا شاید۔"
"تم اس وقت کہاں تھے؟"
"باہر تھا صاحب' جب ہاشم علی صاحب آفس سے باہر جاتے تھے' تب مجھے گھنٹی بجا کر بلا لیا کرتے تھے۔"
"اس وقت وہ دفتر میں موجود تھے؟"
"جی صاحب وہاں موجود نہ ہوتے تو قتل کیسے ہوتے۔"
شمشاد نے جواب دیا۔
"کیا عموماً وہ اتنی دیر دفتر میں رہا کرتے تھے؟"
"نہیں صاحب۔"
"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس دن وہ اتنی دیر تک دفتر میں کیوں رکے رہے؟"
"نہیں صاحب! میں ڈرائیور ہوں' ان کا سیکرٹری نہیں تھا کہ وہ مجھے بتاتے' بس یہ تو میری ڈیوٹی تھی کہ میں انہیں گھر سے دفتر لاؤں اور اس کے بعد وہ جہاں جانا پسند کریں' کیونکہ اس دن بھی دفتر سے نہیں نکلے تھے اس لئے میں باہر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔"
"شمشاد تم ابھی یہ کہہ چکے ہو کہ تمہیں یہ بات معلوم تھی کہ ناصر جمال صائمہ جمال کا بھائی ہے؟"

"جی صاحب۔"
"تم انہیں کیسے جانتے تھے اور یہ بات کس طرح تمہیں بتائی گئی تھی؟"
"روزانہ؟"
"نہیں' کبھی کبھی' اگر کبھی صائمہ بی بی کو دیر ہو جاتی تھی تو ناصر صاحب موٹر سائیکل پر آ جاتے تھے۔"
"اور اس دن صائمہ کو دفتر سے گھر جانے میں دیر ہو گئی تھی ---- اندازاً یہ دیر کتنی تھی؟"
"صاحب جی کوئی پونا گھنٹہ یا اس سے کچھ زیادہ۔"
"عام طور سے جب ناصر جمال اپنی بہن کو لینے آتے تھے تو چھٹی کا وقت گزر چکا ہوتا تھا' کتنا وقت گزر چکا ہوتا تھا اندازاً؟"
"صاب جی! بیس پچیس منٹ؟"
"جناب عالی! اس بات کو خصوصاً نوٹ کیا جائے کہ صائمہ جمال کے گھر کا فاصلہ ہاشم علی صاحب کے دفتر سے تقریباً تین میل کا ہے' دفتر سے باہر ایک بس اسٹاپ موجود ہے جس پر ہر دو منٹ کے بعد بس گزرتی رہتی ہے' چھٹی ہونے کے بعد اگر صائمہ مقررہ وقت پر گھر نہ پہنچ جاتی تو تشویش لازمی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بعد ملزم ناصر جمال بے چین ہو کر بہن کو دفتر سے لینے کے لئے پہنچ جایا کرتا تھا' گویا پینتالیس منٹ اتنی حیثیت رکھتے ہیں کہ ملزم کو اپنی بہن کے لئے پریشان ہو جانا چاہیے تھا۔ ہاں تو شمشاد! اس دن بھی ناصر جمال وہاں پہنچے تھے؟"
"جی صاحب۔"
"تم دفتر کے جس برآمدے میں بیٹھے تھے' وہاں سے ہاشم علی صاحب کے کمرے کا فاصلہ کتنا ہے؟"
"صاحب میں عام طور سے دروازے کے بالکل باہر بیٹھا ہوتا ہوں۔ بڑا سا ہال ہے' اس ہال کے آخری سرے پر صاحب کا کمرہ تھا اور مجھے گھنٹی بجا کر بلایا جاتا تھا جو باہر لگی ہوئی تھی۔"
"باہر بیٹھ کر تم اندر کی آوازیں سن سکتے تھے؟"

"نہیں صاب۔"

"اچھا خیر ٹھیک ہے' تو ناصر جمال آئے اور انہوں نے تم سے کوئی بات کی؟"

"جی! صائمہ بی بی کے بارے میں پوچھا۔"

"پھر۔"

"وہ اندر چلے گئے تھے' پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں بہن بھائی باہر نکل آئے۔"

"غور کرکے بتاؤ شمشاد' کیا اس وقت کوئی خاص بات محسوس کی تھی تم نے؟"

"نہیں صاب' میں نے غور ہی نہیں کیا' کیونکہ غور کرنے کی کوئی بات نہیں تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"صائمہ بی بی بھی باہر نکل آئی تھیں' اب صاحب ہی اندر رہ گئے تھے' بہت دیر تک میں انتظار کرتا رہا' پھر جب عام معمول سے زیادہ دیر ہوگئی تو میں یہ معلوم کرنے کے لئے خود اندر پہنچ گیا کہ آخر صاحب دفتر سے کس وقت نکلیں گے اور اندر میں نے ان کے کمرے میں ان کی لاش دیکھی۔"

"پھر تم نے پولیس کو اطلاع دی۔"

"جی صاحب' پولیس نے میرا بیان بھی لکھ لیا تھا' اور میں یہ ساری باتیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ' تمہارے خیال میں ناصر جمال نے ہاشم علی کو قتل کیا ہے؟"

"صاحب' اپنا خیال ظاہر کرکے میں اپنی گردن کیوں پھنساؤں گا' میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ٹھیک۔ جناب والا! اگر معزز وکیل ساجد علی صاحب اس گواہ سے کوئی سوال کرنا چاہیں تو -----"

"نہیں۔ آپ ڈگڈگی بجالیں میں بعد میں بات کروں گا۔"

"ساجد علی شاہ نے کہا عدالت نے ایک بار پھر ساجد علی شاہ صاحب کو وارننگ دی اور قاضی صاحب نے کہا:

جناب والا آخری گواہ اور پیش کردوں اس کے بعد میرا کام ختم ہوجاتا ہے اور یہ

آخری گواہ صائمہ جمال تھی' ایک خوبصورت سی لڑکی تھی جسے طلب تو میں نے ہی کیا تھا لیکن میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی' اس سے حلف اٹھوایا گیا اور اس کے بعد قاضی صاحب نے اس سے سوال کیا:

"مس صائمہ جمال! خدا کے فضل وکرم سے آپ ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اور آپ نے حلف اٹھایا ہے' اس وقت ایک شخص زندگی کی بازی ہارنے جارہا ہے اور وہ شخص آپ کا بھائی ہے' عزت' آبرو خاندانی وقار' سب کچھ بڑی حیثیت رکھتے ہیں' لیکن بھائی کی زندگی بھی بڑی حیثیت کی حامل ہوتی ہے' اگر ناصر جمال صاحب کو پھانسی ہوگئی تو کیا آپ اپنے ضمیر کا بوجھ برداشت کرپائیں گی' جی سکیں گی آپ اس بے گناہ بھائی کے بغیر جس نے آپ کی عزت کے لئے اپنی جان آپ کی نذر کردی۔"

"میں احتجاج کرتا ہوں جناب والا! میں احتجاج کرتا ہوں' میں نے ان صاحب کو اپنا وکیل نہیں بنایا تھا' انہوں نے مجھ سے زبردستی وکالت نامے پر دستخط کرائے تھے' مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ میرا وکالت نامہ ہے' میں ان سوالات کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا جو وہ میری بہن سے کررہے ہیں' میں قاتل ہوں' ہاشم علی سے میری ذاتی دشمنی رہ جاتی ہے' میں نہیں چاہتا کہ میری بہن سے یہ سوالات کئے جائیں۔"

"تم حقیقت کو سامنے لانے سے روکنے کی کوشش نہیں کرسکتے مسٹر ناصر جمال۔"

"جناب والا! کیا اب بھی میں نظام احمد کاظمی صاحب کو اپنے کیس میں ٹانگ اڑانے کی اجازت دوں جبکہ خود ملزم ان سے انحراف کررہا ہے۔"

"بات حقیقت سے تعلق رکھتی ہے اس لئے یہ بہت ضروری ہے۔" عدالت نے کہا اور قاضی اب اس گیم کے لئے تیار ہوگئے جو میں نے خصوصی طور پر تیار کیا تھا' انہوں نے کہا:

"درحقیقت مس صائمہ جمال بات اصل میں یہ ہے کہ آپ یہ جاننے کے باوجود کہ ہاشم علی صاحب شادی شدہ ہیں اپنی زندگی کو ایک شاندار زندگی میں تبدیل کرنے کے لئے ہاشم علی کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل رہی تھیں' اور آپ اس بات کی توقع رکھتی تھیں کہ ہاشم علی اپنی بیوی کو طلاق دے کر آپ سے شادی کرلے اور یہ نہیں ہوسکا' ناصر جمال نے ہاشم علی کو قتل کیا یا نہیں کیا لیکن آپ اس حقیقت سے چشم پوشی کرکے ہاشم علی کی

موت کے بعد اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کررہی ہیں۔"

"نہیں! خدا نہ کرے۔ نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں' یہ الزام ہے یہ بہتان ہے۔"

آپ بھول گئی ہیں اس بات کو کہ آپ کا ایک ہی بھائی ہے صائمہ جمال جسے کل پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا' جبکہ آپ جانتی ہیں کہ وہ بے گناہ ہے اور آپ کے لئے اور صرف آپ کی عزت کے تحفظ کے لئے وہ اپنی زندگی کی قربانی دے رہا ہے' کیا آپ ان روایتی بہنوں کی روایتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردینا چاہتی ہیں جو ہمیشہ بھائیوں پر جان دیتی چلی آئی ہیں' آپ اپنے بھائی کی جان لے رہی ہیں صرف اس لئے کہ حقیقت سامنے نہ آئے اور آپ کا مستقبل محفوظ رہے' آپ نے خود غرضی کا وہ ثبوت دیا ہے مس صائمہ جمال' جو تاریخ میں کبھی دہرایا نہیں جاسکتا' آپ یہ بتایئے ناصر جمال کی طرف دیکھ کر بتایئے کہ کیا ہاشم علی کو آپ کی نگاہوں کے سامنے آپ کے بھائی نے قتل کیا تھا؟"

"میں کہتا ہوں یہ سارے سوالات فضول ہیں' وکیل صاحب مجھے مجبور نہ کیجئے کہ میں آپ کے ساتھ سخت کلامی کروں' جج صاحب میں قاتل ہوں' میں نے قتل کیا ہے' آپ مجھے سزائے موت دیجئے ان سوالات کو بند کرایئے' ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔"

ناصر جمال بری طرح بپھر گیا تھا۔

"ملزم کو روکا جائے۔" جج صاحب نے سپاہیوں کو حکم دیا اور وہ ناصر جمال کے پاس آکھڑے ہوئے۔

"آپ سوالات جاری رکھیں۔" جج صاحب نے قاضی صاحب سے کہا۔ عدالت پر ایک پرسحر سناٹا طاری تھا اور قاضی صاحب پرجوش انداز میں صائمہ جمال کو دیکھتے ہوئے بولے:

"جواب دیجئے' جج صاحب تو ناصر جمال کو پھانسی کا حکم بعد میں سنائیں گے مس صائمہ جمال' آپ اس سے پہلے اپنے بھائی کی موت کے پروانے پر اپنی زبان سے دستخط کر دیجئے۔"

"میں جواب دے رہی ہوں قاتل میرا بھائی نہیں ہے۔ لعنت ہے مجھ پر' اس زبان پر جو حقیقت کو تسلیم کرنے سے ناکام رہی' بتانے سے ناکام رہی' لعنت ہے میرے وجود پر کہ میں نے اپنی زبان بند رکھی' لعنت ہے مجھ پر کہ میرا بھائی سولی پر چڑھ رہا ہے جج

صاحب لعنت ہے مجھ پر' جج صاحب میں نے ہاشم علی کو قتل کیا ہے' میں ہوں اس کی قاتل' میں ہوں اس وحشی درندے کی قاتل جو مجھ جیسی بے شمار لڑکیوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا چکا تھا' میں تفصیل نہیں بتا سکتی' ہاشم علی نے مجھ سے نجانے کیا کیا کہانیاں بیان کی تھیں۔ ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے میں ان کہانیوں کو دہرا نہیں سکتی' وہ مجھ سے نجانے کیا کیا کہتا رہتا تھا اور میں اپنا تحفظ کرتے ہوئے اس سے یہی کہتی تھی کہ مجھے عزت دے دو باس' میں بحالت مجبوری نوکری پر نکلی ہوں' ہم اپنا گھر تعمیر کررہے ہیں' ہم اپنی زندگی تعمیر کررہے ہیں' اس تعمیر میں میری عزت کا خون نہ کیا جائے' ورنہ میں اس تعمیر میں حصہ نہیں لے سکوں گی' لیکن لیکن ----"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ اس بات کا اقبال کررہی ہیں کہ ہاشم علی کو آپ نے قتل کیا؟"

"جی!"

"صائمہ کیوں بکواس کررہی ہے؟" ناصر جمال چیخا۔

"بات ختم ہوگئی میرے بھائی' تم نے اپنی اس عظمت کو قائم رکھا کہ بھائی اپنی بہنوں کے لئے جان دیتے ہیں لیکن مجھ بدبخت کی زبان بھی آپ ہی نے بند کی تھی۔ اگر آپ مرگئے تو کیا میں ایک لمحہ زندہ رہ سکوں گی' موت صرف اسے آنی چاہیے جس نے جرم کیا ہے' جج صاحب میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ قتل میں نے کیا ہے' میں نے۔ میرا بھائی بے گناہ ہے' جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہاشم علی مجھ سے بہت سی فضول باتیں کرتے رہے تھے اور میرا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ یہاں میں نوکری نہیں کرپاؤں گی' میں نے بارہا ان کے ہاتھ جوڑے ان سے کہا کہ میں ایک عزت دار لڑکی ہوں' ہم اپنا مستقبل تعمیر کررہے ہیں' میں نے ضد کرکے اپنے بھائی سے ملازمت کی اجازت حاصل کی ہے' میرا بھائی مجھے یہ اجازت نہیں دینا چاہتا تھا' بہت معمولی سی تنخواہ تھی میرے بھائی کی' میں محسوس کرتی تھی کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کی حق تلفی کررہی ہوں' میں اپنی تعلیم کو استعمال کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے یہ محسوس ہوا کہ ہاشم علی مجھے بے آبرو کئے بغیر نہیں چھوڑے گا تو میں نے یہ سوچا تھا کہ بس اس ماہ میری تنخواہ مل جائے میں ہاشم علی کی ملازمت ختم کردوں گی اور اس دن ہاشم علی نے خصوصی طور پر مجھے لیٹ

ٹائم کچھ کاغذات دیئے کہ میں انہیں ٹائپ کردوں' پھر میں نے ان کاغذات کو ٹائپ
کیا' ظاہر ہے غلط وقت پر ملے تھے لیکن میں نے پھر بھی محنت کرکے انہیں ٹائپ کی اور
ہاشم علی کے کمرے میں لے گئی میں نے محسوس کیا کہ ہاشم علی کے چہرے پر شیطان مسکرا
رہا ہے اور اس وقت جناب والا میری زبان آگے کچھ بیان کرنے سے قاصر ہے' بس آپ
یوں سمجھ لیجئے کہ میں اپنی عزت بچانے کے لئے ان کی میز پر رکھا ہوا وہ چاقو اٹھالیا' جو کاغذ
کاٹنے کے لئے ہوتا ہے' میں نے اسے اپنی گرفت میں لیا اور ہاشم علی صاحب کے سینے میں
پیوست کردیا' بس میں نے یہ کام کیا اور اس وقت اچانک ہی ناصر جمال وہاں پہنچ گئے'
انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا' کچھ لمحے انہوں نے کوشش کی کہ ہاشم علی صاحب ہوش میں
آئیں' انہوں نے چاقو ان کے جسم سے کھینچ لیا' لیکن چاقو ہاشم علی کے دل میں پیوست
ہوگیا تھا' وہ چند لمحے سے زیادہ نہ جی سکا' تب میرے بھائی نے مجھے قسم دلائی' صورت حال
کو وہ سمجھ چکے تھے' انہوں نے مجھے اپنی زندگی کی قسم دلائی اور کہا کہ خاموشی سے نکل
چلوں اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ کے علم میں ہے۔" صائمہ جمال رونے لگی'
دوسری طرف ناصر جمال بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا:
"بے وقوف لڑکی' ارے زندگی میں ایک تو بڑا کام کرلینے دیتی مجھے' ایک تو بڑا کام
کرلینے دیتی' میں اپنے گھر کی آبرو نہ بچاسکا' آہ کاش تو گھر سے باہر ہی نہ نکلتی' زیادتی تھی
تیری' تونے اس وقت بھی میری بات نہیں مانی جب میں نے تجھ سے کہا تھا کہ بہن پیسہ
پیسہ جوڑ کر ہم زندگی گزارنے کا سامان کرلیں گے۔ ابھی ہمارا ماحول' ہمارا معاشرہ اتنا محفوظ
نہیں ہوسکا ہے کہ ہم بیٹیوں اور بہنوں کو گھر سے باہر نکالیں بہت مشکل وقت پڑا ہوا ہے'
نہیں مانی تو اور میری یہ بات بھی نہیں مانی تونے ----"
بات ختم ہوگئی تھی' فیصلہ ہوگیا تھا جج صاحب نے کہا:
"حالات کو سننے کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ عدالت مزید ثبوت
حاصل کرے' پچھلی کچھ پیشیوں میں قاضی صاحب نے جس فراست کے ساتھ ناصر جمال
کو ڈفنڈ کیا ہے' اس کے بعد عدالت فیصلہ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی' چنانچہ
ناصر جمال کو رہا کردیا جائے اور صائمہ جمال کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا جائے فوراً ہی
زنانہ پولیس نے صائمہ جمال کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دی تھیں' ناصر جمال سر پھوڑ رہا

تھا' لیکن قاضی صاحب نے آگے بڑھ کر ناصر جمال کو سنبھالتے ہوئے کہا:
ناصر جمال یہ بھی میری ہی ذمے داری ہے کہ صائمہ جمال کو عزت کے ساتھ
تمہارے گھر کے دروازے سے اندر داخل کروں اپنے آپ کو پرسکون رکھو' جو بچیاں
عزت بچانے کے لئے اپنی زندگیاں قربان کرتی ہیں۔ ہم ان پر ایسی ہزاروں زندگیاں قربان
کرسکتے ہیں' خود کو سنبھالو۔"
حجاب کے چہرے پر عجیب سی خوشی رقصاں تھی' جج صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے
تھے اور ساجد علی شاہ پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے تھے' قاضی صاحب نے
کاغذات مجھے تھمائے' تو میں فائل لئے آگے بڑھنے لگا اور قاضی صاحب ناصر جمال سے
کچھ بات کرنے لگے' حجاب میرے پاس سے گزری اور اس نے میرے کندھے پر انگلی
سے دو تین ضربیں لگاتے ہوئے کہا:
"سنو" اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
حجاب نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور کمرہ عدالت سے باہر آگئی۔ سامنے
چوڑی سی راہداری میں بڑے بڑے ستون بنے ہوئے تھے اور ان ستونوں کے ساتھ بہت
سے افراد کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ حجاب ایک ایسی جگہ کھڑی ہوگئی تھی جہاں کوئی
اور موجود نہیں تھا۔ ہاں کوئی دو تین گز کے فاصلے پر لوگوں کا ہجوم تھا اور وہ ان کی آڑ میں
پوشیدہ ہوسکتی تھی میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا:
زیادہ وقت نہیں لوں گی تمہارا' صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میری طرف سے دلی
مبارکباد قبول کرو اور قاضی صاحب کو بھی میری جانب سے مبارکباد دے دینا لیکن خدارا
ان سے یہ درخواست ضرور کردینا کہ اس مبارکباد کے بارے میں وہ میرے ڈیڈی سے کچھ
نہ کہیں۔ ظاہر ہے وہ میرے باپ ہیں۔ ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے باپ کے کسی دکھ کو
برداشت نہیں کرسکتی لیکن ایک انسان کی حیثیت سے اس بات پر بے حد خوش ہوں کہ
حق کو فتح حاصل ہوئی اور ایک بے گناہ صرف اپنے جذبات کے ہاتھوں سزا پانے سے بچ
گیا۔ ڈیڈی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ جا رہی ہوں۔ تم سے ملاقات تو ہوتی رہے
گی۔" یہ الفاظ ادا کرکے وہ میری بات کا یا میرے جواب کا انتظار کئے بغیر تیز رفتاری سے
وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ قاضی صاحب چونکہ سامنے سے آرہے تھے اس لئے مجھے سوچنے

کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ ناصر جمال زارو قطار رو رہا تھا۔ قاضی صاحب اسے ساتھ لئے ہوئے ہمارے پاس آکھڑے ہوئے کچھ اور افراد بھی ہماری جانب متوجہ ہوگئے تھے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے کہا:

"آؤ ناصر جمال! میرے ساتھ چلو آجاؤ یہاں ہم بات نہیں کرسکیں گے۔"

"وہ دیکھ رہے ہیں وکیل صاحب۔ وہ دیکھ رہے ہیں میری بہن گرفتار ہوگئی ہے۔ وہ جیل جائے گی آہ! اس پر مقدمہ چلے گا' آپ کو کیا معلوم قاضی صاحب ہم غریب لوگ ہیں' میرا ماضی۔"

"آؤ راستے میں باتیں کریں گے میں تمہیں اپنے آفس لئے چل رہا ہوں چلو منصور چلو۔ یہ شخص سخت جذباتی ہو رہا ہے۔ بلاوجہ اپنے آپ کو تماشا بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ آؤ میں تم سے نہایت ضروری باتیں کروں گا۔ بہ مشکل تمام ہم ناصر جمال کو لئے ہوئے اپنی کار تک پہنچے۔ میں نے فوراً ہی لاک کھولا اور پچھلا دروازہ کھول دیا۔ قاضی صاحب نے ناصر جمال کو اپنے ساتھ پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور میں نے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی۔ کاغذات میں نے اپنی برابر کی سیٹ پر رکھ لئے تھے۔ ناصر جمال اب بھی زارو قطار رو رہا تھا اس نے کہا:

احسان کررہے ہیں تو ذرا پولیس کی گاڑی کا تعاقب کیجئے گا۔ دیکھوں تو سہی یہ میری بہن کو کہاں لے جارہے ہیں؟"

"سنو میں بیرسٹر ہوں۔ گھاس نہیں کھودی ہے میں نے' تم اگر پرسکون ہوجاؤ تو میں معقول طریقے سے تمہاری بہن کے لئے بندوبست کردوں گا۔ جیلر میرا دوست ہے اور دور کا عزیز بھی ہے۔ خاص طور سے اسے ہدایت کئے دیتا ہوں کہ اس بچی کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

"آپ کہیں اور جانے سے پہلے ایسا کردیجئے گا' میں آپ کا یہ احسان موت کے بعد بھی نہیں بھولوں گا۔ کردیجئے آپ کو خدا واسطہ! اگر اللہ نے آپ کو میرے لئے فرشتہ بنایا ہے اور میری مصیبت میں آپ مسیحائی کررہے ہیں تو آپ کو اپنی نیکیوں کا واسطہ میرے دل کو قرار دلوا دیجئے۔ میری بہن کیسے عذاب میں گرفتار ہوگئی۔ آہ وہ کیسے عذاب میں گرفتار ہوگئی۔ میں ——"

دیکھو ناصر جمال خود کو سنبھالو۔ ٹھیک ہے ایسا کرو منصور ہم پہلے پولیس کی گاڑی کے ساتھ ساتھ جیل چلتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اصغر جمیل میرا دوست ہے خدا کرے دفتر میں مل جائے۔ میں اسے ہدایات دے دوں۔ ناصر جمال کا دل بھی مطمئن ہوجائے گا۔

پولیس کی خصوصی گاڑی صائمہ جمال کو جیل لے جارہی تھی۔ چنانچہ ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے جیل تک پہنچ گئے اور قاضی صاحب کو جیلر تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ لڑکی کو براہ راست جیلر کے پاس نہیں لایا گیا تھا بلکہ اس کا رجسٹریشن وغیرہ ہو رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اصغر جمیل اپنے دفتر ہی میں مل گئے۔ بھاری بھرکم شخصیت تھی اور بہرحال پولیس کی کرختگی چہرے پر موجود تھی البتہ قاضی صاحب سے وہ بہت پرتپاک انداز میں ملے تھے۔ قاضی صاحب نے کہا:

"ویسے تو تم بے حد شریف آدمی ہو اصغر جمیل اُس کا اعتراف میں نے ہمیشہ کیا ہے لیکن اس وقت میں تمہاری شرافت کا کچھ امتحان لینا چاہتا ہوں۔" اصغر جمیل نے ہنس کر کہا:

"بہت سے امتحانات لیتے رہتے ہیں آپ مجھ سے قاضی صاحب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اب بھی سکول میں داخل ہوں۔ خیر فرمایئے کیا حکم ہے میرے لئے؟ اور یہ شخص یہ تو ہماری جیل میں تھا اس وقت آپ کے ساتھ کیسے ہے۔" اصغر جمیل نے ناصر کو پہچان کر کہا:

"یہ مقدمہ جیت چکا ہے اور ایک مشکل اور پیش آگئی ہے۔"

"کیا یہ بے گناہ تھا؟"

"ہاں ——"

"یہ بات تو میرے علم میں آئی تھی کہ اس کا کیس آپ لڑ رہے ہیں لیکن مدمقابل ساجد علی شاہ تھے۔ کیا ساجد علی شاہ کیس ہار گئے؟"

"یہ الفاظ میں بالکل نہیں کہوں گا اصغر —— بلکہ یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت ظاہر کردی۔"

بڑی بات ہے۔ ساجد علی شاہ کا ہار جانا بڑی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک حیرت انگیز اپ سیٹ ہوا ہے۔"

"اپنی باتیں کئے جاؤ گے یا میری بھی سنو گے؟ زیادہ بولنے کی عادت ابھی تک ختم نہیں ہوئی تمہاری؟"

"بیٹھیں چائے وغیرہ نہیں پئیں گے۔ اب تو اپنے اس دوست کو بھی چائے پلانی پڑے گی اور --- یہ اس نے اپنی آنکھوں کا کیا حال کر رکھا ہے؟ کیس جیت جانے کی خوشی میں رو رہا ہے کیا؟"

اصغر یہ بے گناہ تھا ایک غیرت مند بھائی اپنی بہن کی آبرو کبھی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ یہ تو اس آدمی کی جان لینے پر آمادہ ہوگیا تھا لیکن میں حقیقتوں کی تلاش میں تھا اور خدا نے اس کے لئے راستہ منتخب کردیا۔ قاتل یہ نہیں بلکہ اس کی بہن صائمہ جمال تھی۔ جس نے اپنی آبرو کے تحفظ کے لئے ایک وحشی کو ہلاک کردیا' بس۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے قاضی صاحب انسان اندر سے بھیڑیا تو نہیں ہوتا لیکن اس کی فطری جبلت کبھی کبھی اسے ایک بھیڑیے کی شکل میں ہی پیش کرتی ہے۔ بڑے دکھ کی بات ہے۔ بہت افسوس کی بات ہے' چائے منگواؤں؟"

"نہیں' بالکل نہیں' پلیز جو میں کہہ رہا ہوں وہ سن لو۔ صائمہ جمال کا رجسٹریشن ہوگیا ہے اور اسے اس قتل کے الزام میں گرفتار کرکے ریمانڈ پر تمہارے پاس بھیج دیا گیا ہے۔ زنانہ جیل میں رہے گی لیکن صرف ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں تم سے اصغر جمیل۔"

"جی قاضی صاحب فرمایئے!" اصغر جمیل سنجیدہ ہوگیا۔

"میرا تم سے کوئی رشتہ کوئی ناتا ہے؟ کاروباری نہیں بلکہ ویسے۔"

"قاضی صاحب اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا قرض ہے مجھ پر کافی عرصہ ہوگیا ہے ملازمت کرتے ہوئے اللہ کے فضل سے جس جیل میں رہا ہوں' اگر وہاں سے تبادلہ ہوا ہے تو میرے قیدی سب سے زیادہ روئے ہیں میرے لئے۔ میں جانتا ہوں کہ انسان گناہ کرتا ہے لیکن ہر گناہ کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ ہم صرف گناہ کو دیکھتے ہیں۔ عدالتیں گناہ گار کو سزا دیتی ہیں کچھ لوگ شیطان سے اتنی قربت حاصل کرچکے ہوتے ہیں کہ شرافت کا ہر احساس ان کے ذہن سے نکل چکا ہوتا ہے ان کے لئے تو مجبوری ہوتی ہے کیونکہ ہمیں بھی اپنا فرض پورا کرنا پڑتا ہے لیکن جو حادثاتی طور پر جرم کرڈالتے ہیں اور ہمارے پاس پہنچتے ہیں تو آپ یقین کریں قاضی صاحب میں ان کے ساتھ کبھی برا سلوک نہیں کرسکتا

لیکن آپ کہئے۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں تم سے اس کے لئے بھی اس طرح سفارش کرنے آتا۔ جیسے اس وقت صائمہ جمال کے لئے کرنے آیا ہوں۔"

اصغر جمیل نے اس کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا دی۔ چند لمحوں کے بعد ایک شخص اندر آیا تو اصغر جمیل نے کہا: وسیم کو میرے پاس بھیج دو فوراً۔"

"یس سر! اردلی نے سلیوٹ کیا۔ قاضی صاحب خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ناصر جمال نے بھی خود کو سنبھال لیا تھا۔ میں بھی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ آنے والا بڑی بڑی خوفناک مونچھوں والا ایک شخص تھا۔ اس نے اندر آکر سلیوٹ کیا تو اصغر جمیل نے کہا:

وسیم ایک لڑکی صائمہ جمال کو ابھی ابھی لایا گیا ہے۔ ریمانڈر رجسٹریشن ہوا ہوگا اس کا۔"

"جی سر! میں نے ہی کیا ہے۔"

"دیکھو اسے رخسانہ کے سپرد کردو اور رخسانہ سے کہو کہ وہ جیلر صاحب کی بہن ہے۔ میری رشتہ دار ہے۔ اسے دو نمبر کوٹھری میں رکھو اور وہ لڑکی حمیدہ جسے تین سال کی سزا ہوئی ہے اسے صائمہ کے پاس بھیج دو تاکہ صائمہ کا دل لگا رہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں سمجھ میں آگیا ہے نا۔"

"یس سر!" ہم لوگوں نے وسیم کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار دیکھے تھے لیکن بہرحال وہ سلیوٹ کر کے باہر نکل گیا تھا۔ اصغر جمیل نے کہا:

دو نمبر کی کوٹھری جو ہے وہ آپ یہ سمجھ لیجئے قاضی صاحب کہ وہ آپ کے گھر کا ایک کمرہ ہے۔ بستر اور ضرورت کا دوسرا سامان' صفائی ستھرائی اصل میں ہر جگہ گنجائش رکھی جاتی ہے ہم جانتے ہیں کہ کبھی کبھی کسی قیدی مرد یا کسی قیدی عورت کے لئے بہت بڑی سفارشیں بھی آجاتی ہیں۔ جیل کے نظام کو سنبھالنے کے لئے اور اپنی نوکری برقرار رکھنے کے لئے ہمیں ان سفارشوں پر عمل بھی کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم ایسے انتظامات ہر جیل میں رکھتے ہیں۔ اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ لڑکی بس اپنے گھر سے جدا ہے باقی

اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور دوسری لڑکی حمیدہ' وہ بھی ایک معصوم سی شریف زادی
ہے جسے کچھ لوگ زبردستی خلع دلوانے پر مصر تھے اور انہوں نے اسے سزا دلوا دی ہے
لیکن بہرحال اپنی سزا کے دن مختصر سے مختصر کئے جا رہی ہے۔ وہ ساتھ رہے گی تو صائمہ کو
کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"اصغر جمیل میں تمہارا شکرگزار ہوں۔"

قاضی صاحب نے کہا اور اصغر جمیل سنجیدہ ہوگیا اس نے کہا:

"قاضی صاحب پولیس کی شکل اتنی خراب ہوگئی ہے بعض لوگوں کے غلط اعمال
سے کہ اسے انسانوں کی بجائے کچھ اور سمجھ لیا گیا ہے لیکن ہوتے تو ہم بھی انسان ہی
ہیں۔ ہمارے بھی گھر ہوتے ہیں۔ ان گھروں میں ہمارے بیوی بچے ہوتے ہیں۔ رشتے
ناتے ہوتے ہیں' ہم جانور تو نہیں ہوتے بس اپنے فرائض سرانجام دینے کے لئے تو پھانسی
گھر کا جلاد بھی ہوتا ہے۔ فرض پورا کرتا ہے اب اس فرض کو پورا کرتے ہوئے اس کے
دل پر کیا بیتی ہوگی۔ یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔"

"ہاں! ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن بہرحال! میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ناصر جمال کچھ
اطمینان ہوا؟" قاضی صاحب نے کہا اور ناصر جمال نے جھک کر قاضی صاحب کے پاؤں
پکڑ لئے' پھر بولا:

اگر آپ جیسے لوگ نہ ہوں تو سچی بات یہ ہے کہ پھر نیکی کا لفظ بھی مٹ جائے۔"
قاضی صاحب نے اسے سنبھالا اور اصغر جمیل سے بولے:

"اچھا اصغر! اب اجازت دو۔ پھر ملاقات کروں تم سے' لیکن بہرحال تمہارا یہ
احسان مجھ پر واجب ہوگیا۔ جب بھی کبھی وصول کرنے کو دل چاہے میں خلوص دل سے
حاضر ہوں۔" اصغر جمیل ہمیں باہر تک چھوڑنے آیا۔ قاضی صاحب نے ناصر جمال سے
کہا:

"تمہارے بیوی بچے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ لیکن ابھی تھوڑا وقت مجھے
دو۔ آؤ میرے ساتھ۔" ایک بار پھر ہم کار میں بیٹھ کر چل پڑے اور اس بار ہم آفس میں
داخل ہوگئے تھے۔ ناصر جمال کو یہاں سکون سے بٹھانے کے بعد قاضی صاحب نے کہا:

"یہ کچھ فارم ہیں ان پر دستخط کرو۔ میں صائمہ کا کیس بھی اپنے ہاتھ میں لے رہا

ہوں۔ یہاں سے گھر جاؤ۔ اپنے سارے نظام کو سنبھالو جو مشکل پیش آئے گی' اسے خندہ
پیشانی سے برداشت کرو اور اس بات پر اطمینان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ کا امتحان تو
لے لیتا ہے اسے سزا نہیں دیتا اور نہ کسی کو سزا دینے دیتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت
یہ ہے کہ تم بے گناہ تھے آزاد ہوگئے۔ صائمہ بھی بے گناہ ہے اپنی آبرو کے تحفظ کے لئے
اس نے ایک بھیڑیا مار دیا۔ تو اس بھیڑیے کی موت کے الزام میں اسے سزا نہیں
ہوگی۔ انشا اللہ میں اس کے وکالت نامے کے کاغذات پر کرلوں گا۔ تم اس پر دستخط کردو۔
اس بات کا تو تمہیں اندازہ ہو ہی گیا ہے کہ جیل میں وہ کس انداز میں رہے گی۔ ابھی نہیں
لیکن کل یا پرسوں ہم اس کے پاس چلیں گے' اصل میں قتل کا معاملہ ہے۔ ابھی اس کی
ضمانت نہیں ہوگی۔ افسر تفتیش کرے گا حالانکہ بات کھلی ہوئی ہے لیکن تم بالکل فکر مت
کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"میں نے اسے اپنے سینے پر بٹھا کر پروان چڑھایا ہے قاضی صاحب' جیل چلی گئی'
حالات کمبخت ایسے تھے کہ ہم اپنے گھر میں صحیح طور پر گزارہ نہیں کرسکتے تھے۔ ہماری
مجبوریوں کو محسوس کرکے اس نے گھر سے باہر قدم نکالا لیکن پھر حالات کا شکار ہوگئی۔
بس مگر قاضی صاحب میں نے تو آپ کو ایک بھی پیسہ فیس کا نہیں دیا۔ آپ نے صرف
اللہ کے نام پر یہ سب کچھ کیا ہے۔"

اللہ کے نام کے ساتھ کبھی صرف کا لفظ استعمال مت کرنا۔ آئندہ خیال رکھنا۔ اگر
کسی خوش نصیب کو اللہ کے نام پر کچھ کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو اس کی خوش نصیبی
آسمانوں پر چمکتے ہوئے ستاروں سے بھی کچھ زیادہ چمکتی ہوئی ہوتی ہے' کیا سمجھے؟ خیال
رکھنا اللہ کے نام کے ساتھ کبھی صرف کا لفظ معمولی انداز میں استعمال مت کرنا بلکہ اس
نام کو تو پوری کائنات پر مسلط سمجھو۔ اس کے علاوہ اور کچھ ہے کیا؟ اور جب اس بات پر
یقین رکھتے ہو تو جاؤ اپنے بیوی بچوں کو خوشخبری سناؤ کہ تم رہا ہو کر آگئے ہو اور صائمہ بھی
بہت جلد ان الجھنوں سے نجات پالے گی۔"

جب ناصر جمال چلا گیا تو میں نے قاضی صاحب سے کہا:

"اور لگتا ہے قاضی صاحب! کہ میرے بھی برے دن ٹلتے جا رہے ہیں اور یقیناً
میری زندگی میں اچھے دنوں کا آغاز ہونے والا ہے کیونکہ میری رسائی آپ جیسے انسان تک

ہو گئی ہے۔"

"دیکھو! مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔ منصور ہم لوگ جذبات میں الجھ گئے ہیں۔ مجھے بتاؤ میں نے کیا کیا ہے اس بارے میں۔ خوش نصیبی تو میری ہے کہ اللہ نے مجھے اولاد سے بھی نوازا اور ایک ذہین دوست سے بھی۔ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے بتاؤ؟ جہاں تک معاملہ میرا ہے تو میں تو اس کیس پر متوجہ اس لئے ہوا تھا کہ ٹیلی فون پر مجھے اس کی آفر ملی تھی اور ایڈوانس رقم بھی۔ کیس ہار جاتا میں۔ بھلا جیتنے کے کیا امکانات تھے۔ میں نے کہہ بھی دیا کہ ناصر جمال اقراری ہے۔ اس کیس کو سنبھالنا مشکل ہو گا لیکن اس نامعلوم شخصیت نے کہا تھا کہ قاضی صاحب آخری وقت تک کوشش کیجئے اور کچھ کر دکھایئے۔ میں جانتا تھا کہ کچھ کر کے نہیں دکھا سکوں گا اس کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی تو یہ کہ ناصر جمال نے اقرار جرم کر لیا تھا دوسری یہ کہ ساجد علی شاہ نے اس کا بھرپور انتظام کر لیا تھا۔

مجھے حجاب یاد آ گئی۔ میں نے کہا: "قاضی صاحب ساجد علی شاہ بہرحال ایک بڑے بیرسٹر ہیں۔ یہ کیس بے شک وہ ہار گئے ہیں لیکن آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ہر شخص میرا مطلب ہے جس کے خلاف کیس لڑ رہے ہوں ایسے ہی جانی دشمن بن جاتے ہیں جیسے بیچارے ناصر جمال کے لئے بنے ہوئے تھے۔"

"ہاں اصل میں وہ مکمل طور پر پروفیشنل ہیں جب کوئی کیس اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو پھر اسے ہر قیمت پر جیت لینے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور ہر قسم کا احساس ذہن سے نکال دیتے ہیں۔"

"کیا مناسب ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بالکل نہیں! ایک فی صد بھی نہیں۔ پیسے زندگی کی بہت بڑی ضرورت ہوتے ہیں منصور! لیکن ہمیں ہر جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ رزق حلال عبادت ہے اور رزق حلال وہی ہے جو اپنی محنت سے حاصل کیا جائے اور اس کے لئے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ میں نہ صرف ساجد علی شاہ سے بلکہ ایسے ہر شخص سے اختلاف رکھتا ہوں جو صرف اپنے مفاد کے لئے دوسرے کی زندگی کو حقیر جانے۔ ارے بابا ہمارا ایک پیشہ ہے لیکن جس طرح ایک ڈاکٹر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مریض کو صحیح دوا دے تاکہ وہ صحت کی جانب مائل ہو۔ اسی طرح وکیل کا فرض بھی یہ ہے کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ہونے دے۔

ہاں اگر دوسرا گناہ گار ہے تو پھر اسے اپنے فرائض نیک دلی اور سچائی کے ساتھ پورے کرنے چاہئیں۔ منصور بیٹے تم سے کوئی بات کہتے ہوئے صحیح معنوں میں خود کو شرمندگی کا احساس ہوتا ہے لیکن تمہارا بزرگ ہوں۔ پہلی اور آخری بار یہ ہدایت کروں گا کہ وکالت کرنا اپنے پیشے کے ساتھ مخلص رہنا اور اس بات کا مکمل طور پر خیال رکھنا کہ تم وہ ڈاکٹر ہو جسے صحیح مرض کی تشخیص کر کے علاج کرنا ہے۔ کچھ مفاد کے لئے کبھی کسی بے گناہ کو نظرانداز مت کرنا۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں تم سے ان الفاظ کی، لیکن یہ بھی میرا فرض ہے کہ یہ الفاظ تمہارے سامنے ادا کروں۔"

"میں ان الفاظ کو اپنی زندگی کی طرح قیمتی تصور کروں گا قاضی صاحب!" میں نے جواب دیا۔ پھر ماحول کو بدلنے کے لئے میں نے کہا: "ایک اور بات قاضی صاحب! کیونکہ یہ ایک پیغام ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی اپنا پیغام دے تو اسے دوسرے تک پہنچانا فرض ہے۔ یہ پیغام حجاب ساجد علی شاہ کی طرف سے ہے۔"

"ہاں ہاں بتاؤ حجاب ساجد علی شاہ کی بیٹی ہے اور ان کے پینل میں وکالت کرتی ہے۔"

"اس نے مبارکباد پیش کی ہے آپ کو۔ اس کیس کے جیت جانے کی۔"

"حجاب نے؟"

"جی ہاں۔"

بہرحال اس کا شکریہ ادا کر دینا۔ ویسے ایک بات کہوں۔ شاہ صاحب کے بارے میں اتنا تو بتا چکا ہوں کہ وہ صرف کاروباری آدمی ہیں لیکن بہرحال حجاب کی یہ فراخدلی مجھے متاثر کرتی ہے۔"

"آپ براہ کرم اس کا اظہار کبھی نہیں کیجئے گا۔" میں نے کہا:

"سمجھ رہا ہوں۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ فرض کی ادائیگی بڑا سکون دیتی ہے۔ اپنے معمولات کی تکمیل کے بعد انسان جس قدر سکون محسوس کرتا ہے اسے شاید صحیح الفاظ نہ دیئے جا سکیں۔"

ہم نے اپنے کام کا دوسرے دن سے باقاعدہ آغاز کر دیا۔ سب سے پہلے جیل جا کر صائمہ جمال سے وکالت نامے پر دستخط کرائے۔ اس سے ملاقات کی اور اسے بڑے

دلاسے دیئے۔ حسرت و یاس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اسی دن دوپہر کے بعد ایک خاصا سنسنی خیز واقعہ پیش آیا۔ میں اور قاضی صاحب کورٹ کے معاملات سے نمٹنے کے بعد دفتر میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ کچھ اور افراد بھی ہمارے لئے کام کرتے تھے اور قاضی صاحب کے کمرے سے الگ ان کے لئے کمرہ مخصوص تھا۔ آنے والی شخصیت ایک بھاری بھرکم جسم کی مالک اور چہرے ہی سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی دولت مند آدمی ہے۔ انگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں، جسم پر اعلیٰ درجے کا سوٹ ایک سیکرٹری ٹائپ کی چیز اس کے ساتھ جو ایک پرادب نوجوان تھا۔ بہرحال ہم نے ہمیشہ کی طرح اجنبی مہمان کا خیر مقدم کیا۔ اسے بیٹھنے کی پیشکش کی تو اس نے سیکرٹری سے کہا:

"تم جاؤ باہر بیٹھو۔"

"جی سر۔" نوجوان سیکرٹری باہر چلا گیا۔ تو نووارد نے میری طرف دیکھا اور قاضی سے بولا:

"آپ کو تو میں جانتا ہوں جناب بیرسٹر صاحب لیکن یہ نوجوان؟"

"آپ مطمئن رہیے۔ یہ میرے قریب ترین عزیز ترین ساتھی ہیں۔"

"گویا ان کی موجودگی میں میں آپ سے ہر راز کی بات کرسکتا ہوں؟"

"جی، بالکل" اس شخص نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور چونکہ موٹا لفافہ اوپر سے کھلا ہوا تھا اس لئے ہزار ہزار روپوں کے نوٹوں کی پوری گڈی سامنے آگئی۔ ایک لاکھ نقد تھے۔ اس شخص نے یہ نوٹ قاضی صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا نام علی رحمان ہے اور اگر آپ تھوڑا سا غور کریں تو شاید میری آواز پہچان جائیں۔" قاضی صاحب نے تعجب بھری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور بولے:

بخدا آپ کی آواز شناسا لگ رہی ہے لیکن یاد نہیں آرہا کہ یہ آواز میں نے کہاں سنی؟ یا میری آپ سے کہاں اور کس جگہ ملاقات ہوئی تاہم میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"شکریہ! میری صرف آپ سے ٹیلی فون پر بات ہوئی ہے اور میں نے آپ کو ناصر جمال کا کیس لڑنے کے لئے درخواست کی تھی۔ جسے آپ نے منظور کرلیا اور ناصر جمال کو رہائی مل گئی۔ مسز ہاشم کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ مسز ہاشم علی نے اصل میں ساجد علی شاہ

کو وکیل اس لئے کیا تھا کہ ناصر جمال کو سزائے موت دلوا کر اصل حقیقتوں کو چھپا جائیں لیکن! مجھے مسز ہاشم علی سے کوئی پرخاش نہیں تھی بس میں ہاشم علی کے کالے کرتوتوں کو منظر عام پر لانا چاہتا تھا اور میری کاوش میں آپ نے میری مدد کی۔ یہ کسی کاروباری رقابت کا معاملہ نہیں ہے۔ اب میں آپ کو تفصیل کیا بتاؤں؟ ہاشم علی بہت ہی بدکار انسان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ موت کے بعد کسی کو برا نہ کہا جائے لیکن آپ مجھے بتایئے کہ کیا کسی برے کو اچھا کہنا جھوٹ نہیں ہے یا پھر ایک غلط نظریے کے تحت ایک بے گناہ کو سزائے موت دی جارہی ہو تو کیا اس پر خاموشی اختیار کرلیجائے؟ مسز ہاشم علی اپنے شوہر کو موت کے بعد بدنام نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں لیکن میرے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور میں دنیا کے سامنے ہاشم علی کا اصل چہرہ لانا چاہتا تھا جو آپ کی مدد سے ممکن ہوگیا۔"

ہم نے دلچسپی سے اس شخص کو دیکھا اور قاضی صاحب نے کہا۔ "علی رحمان صاحب! پہلے بھی آپ نے مجھے ایک انتہائی معقول رقم معاوضے کے طور پر پیش کی تھی اور اب غالباً یہ ایک لاکھ روپے ہیں۔ پہلی بات تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ آپ کی پہلی رقم بھی اب میرے پاس امانت کی شکل اختیار کرگئی ہے اور یہ رقم میں قبول نہیں کروں گا۔ آپ نے مجھے نیکیوں کا انعام دے دیا ہے۔ کسی بے گناہ کو موت کے چنگل سے نکالنا ثواب کا کام ہے اور آپ نے مجھے اس کا موقع دیا ہے بس یہی میرا معاوضہ ہے۔ علی رحمان صاحب میں سمجھتا ہوں اس معاوضے کا حق دار ناصر جمال ہے۔ یقینی طور پر وہ بیچارہ اس دوران ملازمت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہوگا۔ غربت وافلاس کے مارے ہوئے لوگ ہیں وہ اسی غربت وافلاس نے اس لڑکی کو بھی نوکری کے لئے نکلنے پر مجبور کیا تھا جس پر ہاشم علی نے بری نگاہ ڈالی۔ پورے خلوص کے ساتھ آپ سے یہ عرض کررہا ہوں کہ یہ رقم آپ ناصر جمال کو دیں اور جس طرح بھی ممکن ہوسکے اس کی مدد کریں۔"

"خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ بہت بڑی بات ہے وکیل کا نام جس قدر محترم ہے آپ جیسے لوگوں نے اس کی لاج رکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں آپ کو ایک حق دے رہا ہوں۔ ناصر جمال جہاں کہیں ملازمت کررہا تھا وہاں اسے ملازمت سے نکالا گیا ہو یا نہ نکالا گیا ہو میری ایک چھوٹی سی فرم ہے "رحمان سنز" کے نام سے۔ آپ جب بھی مناسب

سمجھیں ناصر جمال کو وہاں ملازمت کے لئے بھیج دیں۔ میں اسے بہترین تنخواہ پر ملازمت دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے اگر اس کی بہن کسی طرح اس مصیبت سے بچ جائے تو میں اسے بھی یہی پیشکش کروں گا اگر آپ کا حکم یہ ہے کہ یہ رقم میں ناصر جمال کو دے دوں تو میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اپنے ہاتھوں سے یہ رقم اسے پہنچائیں۔ بہت اچھے انسان ہیں آپ۔ بس میرا دل چاہا کہ میں آپ سے ملاقات کرلوں اور اپنے آپ کو پردے میں نہ رکھوں۔ وہ سب کچھ ہوگیا جو میں چاہتا تھا۔ اس سے بڑی خوشی مجھے اور کہاں سے مل سکتی ہے۔ آپ یقین کیجئے میں شریف آدمی ہوں کسی کو جسمانی نقصان پہنچانا میری فطرت میں نہیں ہے۔ کبھی میں نے انتقام کا راستہ اختیار نہیں کیا لیکن ہاشم علی نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اس کے نتیجے میں میں اتنی رقم خرچ کرکے اس کی زندگی کا سودا بھی کرسکتا تھا لیکن پھر اس گناہ کو میں کسی طور اپنے دل سے نکال سکتا تھا۔ بہرحال! جو ہوا ہے وہ ہاشم علی کی برائیوں کا نتیجہ ہے علی ان برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اب بھی کوشاں تھیں۔ خیر ایک وفاشعار بیوی کی حیثیت سے انہوں نے جو کچھ کیا وہ شاید ان کے لئے بہتر ہو لیکن کم از کم ایک بے گناہ شخص زندگی پا گیا۔"

"ایسی ہی بات ہے لیکن اگر میں آپ سے یہ پوچھوں علی رحمان صاحب کہ آپ کے ساتھ ہاشم علی نے کیا کیا تھا تو آپ بتانا پسند کریں گے؟" قاضی صاحب نے سوال کیا اور علی رحمان تیکھے انداز میں مسکرانے لگے پھر بولے: "سینے میں جلن ہے میرے۔ کہا جاتا ہے کہ مرجانے والے کے بارے میں کوئی بری بات نہ کہی جائے۔ مگر میں کیا کروں۔ میرے چھالے مجھے زبان کھولنے پر مجبور کررہے ہیں۔ محترم میں چٹاگانگ میں رہتا تھا چٹاگانگ میں میری ایک فرم تھی اور ہاشم علی اس فرم کا منیجر کے طور پر کام کرتا تھا۔ ہمارا ملازم تھا وہ۔ یہ مسز ہاشم علی اور ان کا اپنا چھوٹا سا خاندان یوں سمجھ لیجئے کہ اپنی نمک حلالی کا ہر ثبوت پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ پھر سابق مشرقی پاکستان کے حالات بگڑے اور ہم لوگ منتشر ہوگئے۔ کچھ ایسے عوامل پیدا ہوئے کہ مجھے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ زندگی بچانے کے لئے پوشیدہ ہونا پڑا۔ ہاشم علی نے بڑی چالاکی سے کام لے کر کچھ اس قسم کی جوڑ توڑ کی کہ اسے میرے اثاثے حاصل کرنے میں دقت پیش نہیں آئی۔ یعنی آپ یہ سمجھ لیجئے کہ کچھ لوگوں سے مل کر اس نے میری اس فرم پر مکمل قبضہ کرلیا اور پھر تمام

تر اثاثے لے کر وہاں سے فرار ہوگیا۔ حالانکہ وہ یہ جانتا تھا کہ میں کہاں ہوں مجھے بروقت اطلاع مل گئی تو میں نے اس سے رابطہ قائم کیا اور کہا: ہاشم علی ایسا تو نہ کرو۔ میرا سب کچھ تو اپنے قبضے میں نہ کرو۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ اس وقت کا رابطہ جن لوگوں سے ہے اور جن کی مدد سے اس نے یہ سب کچھ حاصل کیا ہے اگر وہ انہیں ایک اشارہ کردے تو وہ میری تکہ بوٹی کردیں۔ یہی احسان کیا کم ہے اس کا کہ اس نے مجھے زندہ رہنے دیا ہے۔ ہاشم علی نے مجھ سے کہا۔ قاضی صاحب کہ وہ اگر چاہے تو مکتی باہنی کے لوگوں کو میرا پتہ بتا دے۔ اس لئے زندگی بچاؤں اپنی یہی کافی ہے۔ اور اس کے بعد یہ وہاں سے یہاں منتقل ہوگیا۔ اس نے اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرکے یہاں سے بھی ہر طرح کی مراعات حاصل کیں اور فرم بنا کر بیٹھ گیا۔ فطرتاً بدخو تھا۔ آوارہ مزاج تھا۔ وہاں بھی اس نے جو شیطانی اقدام کئے تھے وہ ناقابل بیان ہیں۔ جب وہ یہاں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے اپنی برائیوں کو یہاں بھی اسی انداز میں فروغ دیا۔ یہاں آنے کے بعد میں اس سے ملا اور میں نے اس سے کہا کہ میں اسٹیبلش ہونا چاہتا ہوں وہ میری مدد کرے تو آپ یقین کیجئے کہ اس نے میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے اپنی شیطنیت کی انتہا کردی تھی۔ اتنا بے بس کردیا تھا اس نے مجھے کہ اگر میں ہمت سے کام نہیں لیتا تو شاید مجھے خودکشی ہی کرنی پڑجاتی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں نے پھر سے محنت کی اور ایک چھوٹا سا مقام حاصل کرلیا۔ بس یہ وجہ تھی۔ وہ ختم ہوگیا اور ایک بے گناہ مصیبت میں گرفتار ہوگیا۔ مگر میں اسے جانتا تھا چنانچہ میں نے مقدور بھر کاوش کی اور حقیقت منظر عام پر آگئی۔ بس یہ ہے میری کہانی۔"

"یہ کہانی اس قدر مختصر تو نہیں ہے کہ عقب میں شرافت اور شیطنیت کی ایک پوری تصویر ہے۔ بہرحال اللہ کی رسی دراز بے شک ہوتی ہے کمزور نہیں ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو ہونا تھا ہوگیا اور میں آپ کی اس ایثار پسندی کی بھی تعریف کرتا ہوں علی رحمان صاحب' نیکوکاروں کو بہرحال ان کی نیکیوں کا صلہ ملتا ہے۔ انشا اللہ اس بچی کو ہم رہا کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ آپ صرف اپنا وعدہ پورا کیجئے۔"

"جس لمحے آپ کہیں گے۔"

"بہتر۔" پھر علی رحمان رخصت ہوگیا میں قاضی صاحب کی طرف دیکھنے لگا تو قاضی

صاحب نے کہا:

"کیسا لگ رہا ہے منصور؟"

"بہت اچھا لگ رہا ہے قاضی صاحب۔ زندگی جیسے جیسے آگے بڑھتی جارہی ہے اور دنیا کے تجربات حاصل ہورہے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ میرا غم تو کوئی غم ہی نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں مجھ سے کہیں زیادہ مظلوم اور غم زدہ لوگ موجود ہیں اور مجھ سے کہیں زیادہ دکھی ہیں وہ۔ بس ایک دکھ ہے میرے سینے میں۔ ماں نے جلدی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ کون سا حق تھا جو میری ماں میرے ذریعے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ آہ کاش مجھے اس کے بارے میں معلوم ہو جاتا تو یہ آسانی ہوتی مجھے کہ میں اس کے لئے اپنی کاوشوں کا آغاز کر دیتا۔"

"دیکھو بات وہیں آجاتی ہے۔ ہم اس کارخانہ حیات میں بڑی مختصر سی معلومات رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم تک پہنچنا ہوگا اسے روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت سے پہلے کچھ حاصل کرنے کی کوشش بے سود ہوتی ہے' جلد بازی کسی طور پر بہتر نہیں ہوتی۔ صبر بے حد قیمتی چیز ہے اور اس کا پھل بہرحال ہم اس کی مٹھاس سے انکار نہیں کرسکتے۔"

بے چارے قاضی صاحب اور ریحانہ باجی جس طرح میرے لئے سایہ ثابت ہوئے تھے میں اس کا شکر نہیں ادا کرسکتا تھا۔ میری زندگی میں اتنا بڑا انقلاب لے آئے تھے نظام احمد صاحب اور میں اپنی منزل پر تقریباً پہنچ گیا تھا۔ زندگی کے شب و روز میں کوئی قدرت نہیں تھی۔ میں بے چینی سے وقت کا انتظار کررہا تھا۔ ساجد علی شاہ مختلف قسم کے انسان تھے۔ ہوسکتا ہے اس چوٹ کی تکلیف ان کے دل میں ہو لیکن چھپائے رکھنے کے عادی تھے۔ حجاب سے اکثر سامنا ہوتا رہتا تھا اور وہ بہت اچھی طرح مجھ سے پیش آتی تھی۔ پھر میرا رزلٹ آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیابی سے نوازا تھا اور رزلٹ معلوم کرنے کے بعد میں سیدھا قبرستان پہنچا تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر ماں کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ یہاں آکر میں جذباتی ہوجاتا تھا میں زاروقطار رونے لگا۔ میں نے اپنی آنسوؤں سے ماں کی قبر بھگوتے ہوئے کہا:

وہ ہوگیا ہے امی جس کی خواہش آپ کے دل میں تھی۔ شکایت ہے مجھے آپ سے

میں نے تو آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرویا لیکن آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ مجھے وکیل بنانا چاہتی تھیں۔ میں وکیل بن گیا ہوں امی میں وکیل بن گیا ہوں۔ اب آپ بتایئے وہ کون غاصب ہے جس نے آپ کا حق مارا ہے مجھے اس کی نشاندہی کیجئے ورنہ یہ سب کچھ بے کار ہوجائے گا۔ بہت دیر میں ماں کے قدموں میں آنسو بہاتا رہا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر رات کو میں گھر پہنچا تھا۔ ریحانہ باجی اور نظام احمد میرا انتظار کررہے تھے۔ دونوں سنجیدہ تھے۔

مجھے کچھ دیر ہوگئی۔" میں نے شرمندہ لہجے میں کہا:

"نہیں بیٹے معذرت کا یہ انداز اختیار نہ کرو' تم نے جو کیا ہے وہی مناسب تھا بس ہمارا دل یہ چاہتا ہے کہ تم ہمیں اپنے ہر عمل میں شریک رکھو' بنیادی وجہ سمجھتے ہو نا ہم بھی بے اولاد ہیں' دو بوڑھے بہن بھائی زندگی کی گاڑی جس طرح بھی بن پڑ رہا ہے دھکیل رہے ہیں' تمہاری شکل میں ہمیں ایک ایسا خوبصورت موتی مل گیا ہے جس سے بچوں کی طرح کھیل لیتے ہیں' لیکن بہرحال تمہارے اپنے مسائل ہیں اگر اتنا سا کرلیتے کہ ماں کی قبر پر ہمیں بھی لے چلتے تو ہم بھی فاتحہ پڑھ لیتے اور اپنی بہن سے کہتے کہ بہن آپ کا بیٹا تنہا نہیں ہے ہم نے اسے آپ سے قرض لے لیا ہے تو دل کو خوشی ہوتی اور ہوسکتا ہے کہ مرحومہ کی روح کو بھی خوشی ہوتی' خیر یہ شکایت بالکل نہیں ہے بس جذبات کا اظہار ہے' مبارکباد قبول کرو اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی کی ہر کامرانی نصیب کرے۔"

ریحانہ باجی اپنی جگہ سے اٹھیں' انہوں نے آگے بڑھ کر میری پیشانی چومی اور کچھ فاصلے پر رکھا ہوا مٹھائی کا ڈبہ اٹھا کر لائیں اس میں سے مٹھائی نکالی' مجھ سے کہا کہ منہ کھولو' میں نے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے مجھے مٹھائی کھلائی پھر اس کے بعد میں نے مٹھائی کے ڈبے سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا نکالا قاضی صاحب اور ریحانہ باجی کو کھلایا اور دونوں نے مجھے لپٹا لیا۔

"خدا کی قسم کاش جذبات کو دکھانے کے لئے سینے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی ہوتی اور انسان دوسرے کو یہ احساس دلا سکتا کہ وہ کتنا خوش اور کتنا غمگین ہے۔"

"آپ کو رزلٹ کیسے معلوم ہوا ----؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہیں تو پھر بھی شاید دیر سے پتہ لگا ہو' بھائی نے مجھے گیارہ بجے ہی فون کرکے بتا

دیا تھا کہ منصور نے بہترین کامیابی حاصل کی ہے اور اس وقت سے میں کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی تھی، ہم لوگ آپس میں ہی سارے خوشیاں منائیں گے، ان خوشیوں میں ہم نے باہر کے کسی آدمی کو شریک نہیں کیا ہے۔"

کھانے کی میز پر واقعی بڑی رونق تھی ریحانہ باجی نے اپنی خوشیوں کا اظہار پورے دن باورچی خانے میں گزار کر کیا تھا۔ میں نے بھی ان کی خوشیوں میں ڈٹ کر شرکت کی، دل ہلکا ہوگیا تھا، محبت کے یہ رشتے تو بہت پہلے ہی قبول کر لئے تھے میں نے ---- پھر قاضی صاحب کہنے لگے۔

کل کورٹ جانا ضروری نہیں ہے بارہ بجے نکلیں گے بلکہ کچھ اور دیر سے نکلیں گے اور میں بار کونسل میں تمہارا رجسٹریشن کرادوں گا۔ بار کونسل کے چیرمین غفار جذبی صاحب سے ٹیلی فون پر میری بات چیت ہوچکی ہے، آفس بھی نہیں جائیں گے کہ کوئی مصروفیت سر نہ پڑ جائے۔"

"جی -----" میں نے جواب دیا۔

دوسرے دن ہم پونے ایک بجے بار کونسل میں پہنچ گئے غفار صاحب ہمارا انتظار کررہے تھے، مجھے دیکھ کر ایک مخصوص انداز میں بھنویں سکیڑیں، پہلے بھی میں انہیں کئی بار دیکھ چکا تھا، بڑے خوش مزاج اور ہنستے مسکراتے آدمی تھے، مجھے دیکھ کر کہنے لگے۔

"کیا یہ منصور ہیں؟"

"جی -----"

"یار ایک بات بتاؤ قاضی -----!"

جی فرمایئے -----!"

"یہ وہ لڑکا نہیں ہے جو اکثر تمہارے ساتھ تمہارے فائل پکڑے دیکھا جاتا رہا ہے۔"

"جی وہی ہے۔"

"یعنی کمال ہے، تم نے گوہر نایاب کو ایک بھدے سے لفافے میں رکھا ہوا تھا، بھئی واہ یہ ہوئی ذرا سنسنی خیز بات، منصور صاحب میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کرو، اصل میں قاضی میرا دوست بلکہ بہت اچھا دوست ہے اس نے فون کیا، نام وغیرہ بتا دیا تمہارا، میں تو اس حیثیت سے تمہارا آشنا تھا ہی نہیں، لیکن بہرحال رجسٹریشن کے سارے کاغذات میں نے ٹائپ کروالئے ہیں اور دیکھو تمہارے دستخط کرنے سے پہلے سارے دستخط خود ہی کردیئے ہیں، چلو اب تم بھی ہمیں اپنے آٹوگراف دے دو۔"

"میں نے جذبی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور رجسٹریشن کے تمام کاغذات پر ان کی ہدایت کے مطابق دستخط کردیئے۔ اس کام سے فراغت حاصل کر کے جذبی صاحب نے میز کی دراز سے مٹھائی کا ڈبہ نکالا اور بولے:

"لو اب ذرا اپنے ہاتھوں سے ہم دونوں کو مٹھائی کھلاؤ، ویسے تو تمہیں ایک باقاعدہ پارٹی دینا ہوگی، بھئی قاضی صاحب کچھ خرچ کر ڈالئے۔ ساجد علی شاہ کو تو آپ نے الٹا کردیا ہے بڑے حیران ہیں وہ، پتہ ہے مجھ سے کیا کہہ رہے تھے!"

"کہہ رہے تھے کہ کوئی وظیفہ پڑھا ہے قاضی نے، کیونکہ حقیقت وہ خود بھی نہیں پاسکے تھے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ کوئی الہ دین کا چراغ وغیرہ مل گیا ہے ورنہ قاضی صاحب میں اس قدر بھاگ دوڑ کی سکت کہاں ہے؟"

"میری دعا ہے کہ انہیں بھی الہ دین کا کوئی چراغ مل جائے اور وہ حقیقتوں کو جان کر مظلوموں کی داد رسی کریں۔"

"ہاں بالکل بالکل ----- چار پیسوں کے لئے انسانی جان لینے کا حساب روز حشر دینا پڑے گا اور اس وقت مشکل ہوگی، صحیح بات ہے۔"

جذبی صاحب بہت اچھے تھے، بہرحال اچھے لوگوں کے ساتھی بھی اچھے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں، کہنے لگے۔ ہاں بھئی منصور میاں یہ بتاؤ کہ یہ پارٹی وارٹی کا انتظام کب ہورہا ہے!"

"سر جب آپ حکم دیں۔" میں نے کہا۔

"کیوں بھئی قاضی -----!"

"یار ایک بات عرض کروں، بس ایک ہفتہ اور دے دو ہمیں، اس ایک ہفتے میں اور بھی کام کرنے ہیں رجسٹریشن تو ہوگیا ہے لیکن جذبی ابھی منصور کو منظر عام پر نہیں لاتا، یہ میری درخواست ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن ذرا سی وضاحت تو کردو۔"

"میرا مطلب ہے اس کی شخصیت ابھی سامنے نہ آئے تو اچھا ہے' کچھ وقت کے بعد باقاعدہ سرپرائز دیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے ظاہر ہے کہ اس رجسٹریشن کے لئے کوئی تقریب یا تقریر تھوڑی کرنی پڑے گی بس تصویریں درکار ہوں گی منصور کی۔ وہ بعد میں لگا دیں گے' اور پھر بہرحال کئی نئے ساتھی ہوں گے اور بھی کچھ لوگ کامیاب ہوئے ہیں یہ رجسٹریشن میں پہلا ہی کر رہا ہوں۔ وہ لوگ ابھی اپنی کامیابی کی دھن میں مست ہوں گے اور پھر ویسے بھی انہیں ابھی تو کچھ مہینے کی ٹریننگ کرنا ہوگی تمہارے سرٹیفکیٹ نے کام بنا دیا ہے بلکہ شاید اس سے کچھ اوروں کا بھی فائدہ ہو جائے۔ منصور میاں بڑا اچھا طریقہ اختیار کیا آپ نے۔ آپ کو چھ مہینے تک پریکٹس کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا ہے' یعنی تم اب عدالت میں براہ راست بھی کوئی کیس لڑ سکتے ہو۔ صرف اسسٹ کرنا ضروری نہیں ہے۔"

میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ قاضی صاحب نے کہا۔ "اتنا سا کام کر لینا کوئی جرم نہیں ہے جذبی تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"بے شمار افراد پریکٹس کئے بغیر سرٹیفکیٹ لے کر اس فیلڈ میں آجاتے ہیں اور معمولی معمولی کیس کرتے رہتے ہیں' تمہارا اور منصور میاں کا تو بہرحال گہرا ساتھ ہے اور بلاشبہ انہوں نے تمہاری اردلی کا روپ اختیار کر کے اپنی عظمت کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے بھی کئی بار انہیں دیکھا ہے تمہارے ساتھ اور یقین کرو صرف یہی سوچا ہے کہ منصور تمہارے اردلی ہیں' بڑائی ہے یہ ان کی۔"

"بہت شکریہ ----!"

پھر اس کے بعد جذبی نے اسی وقت اپنے پی اے کو بلا کر کاغذات اس کے حوالے کئے' ہدایات جاری کیں اور کہا کہ تصویریں بعد میں آ جائیں گی۔

پھر ہم باہر نکل آئے ---- قاضی صاحب نے مجھ سے کہا کہ دو تین دن تک میں آفس میں ہی کام کروں اور صائمہ کا کیس تیار کروں' چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق دوسرے دن میں مصروف ہو گیا' قاضی صاحب تنہا ہی کورٹ گئے تھے' میں کام کرتا رہا اور جب شام کو چار بجے تک قاضی صاحب واپس نہ آئے تو تھک کر میں باہر نکل آیا اور کار لے کر چل پڑا' بس یونہی آوارہ گردی کا موڈ تھا تھکن دور کرنے کے لئے ---- آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ سوچا کہاں جاؤں' ساحل پر چلا جاؤں لیکن پھر دل میں یہ خیال آیا کہ ماں اکیلی ہے اس کی خدمت میں حاضری سے بہتر عمل اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ قبرستان پہنچ گیا کار کھڑی کی' ماں کی قبر پر پھول ڈال کر فاتحہ وغیرہ پڑھی وہیں بیٹھ گیا لیکن چند ہی لمحوں کے بعد قدموں کی آوازیں گونجیں' میں نے گردن اٹھا کر دیکھا تو نادر زماں تھا' سادہ کپڑوں میں ملبوس ---- اسے دیکھ کر میں چونک پڑا' نادر زماں نے کہا:

"بات اصل میں کچھ بھی نہیں ہے' میں تمہیں اب بے مروت بھی نہیں کہوں گا بلکہ سیدھی سی بات ہے کہ تم ذہنی طور پر ایک پولیس والے کی حیثیت سے مجھے قبول نہیں کر پائے بہت عجیب سی بات ہے میں واقعی اس بات کو ابھی تک سمجھ نہیں سکا ویسے تو کوئی بات نہیں ہے لیکن حیات علی شاہ بھی بڑے حیران ہیں کہتے ہیں کہ سائیں ایسا لگتا ہے جیسے یہ لڑکا ہم سے نفرت کرتا ہے حالانکہ رضوانہ نے اس بات کی بہت مخالفت کی اور بولی کہ ڈیڈی جو شخص کسی کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنے پر تیار ہو جائے وہ کسی سے نفرت نہیں کر سکتا بلکہ اس کے دل میں تو محبتوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ خیر میں نے اپنا تبصرہ محفوظ رکھا البتہ میرے اپنے دل میں بھی ایک خلش ہے' کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ تمہارے لئے صحیح پولیس والا بن جاؤں الٹا لٹکا کر مار لگاؤں اور پوچھوں تم سے کہ اصل بات بتاؤ مجھ سے بھاگنے کا کیا پس منظر ہے' اچھا خیر چھوڑو اس بات کو دیکھو میں تم سے آخری ایک بات کہہ رہا ہوں' کل رات کا کھانا میرے ساتھ کھانا' حیات علی شاہ کو بھی مدعو کیا ہے میں نے' وہ آئیں گے اور تمہیں بھی آنا ہوگا۔"

میں مسکرا دیا۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔"

نادر زماں خاموشی سے چلا گیا تھا لیکن دوسرے دن میں اپنا وعدہ پورا نہیں کیا' ساری باتیں اپنی جگہ بہت کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا لیکن وہ شخص مجھے یاد تھا جس نے اپنی دولت کے بل بوتے پر' اپنے آپ کو میری ماں کے قتل سے بری کر لیا تھا۔ میں نہیں گیا' پھر کوئی چوتھا دن تھا۔ قاضی صاحب کورٹ چلے گئے تھے میرے چپڑاسی نے آکر مجھے بتایا کہ ایک صاحب اور ایک لڑکی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ انہیں بھیج دو اور جب وہ دونوں میرے سامنے آئے تو میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا یہ دونوں صورتیں میری شناسا تھیں۔

کچھ لمحے تو یقین ہی نہیں آیا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہی ہے' نادر زماں اور رضوانہ تھے' نادر زماں سے تو میں کورٹ تک میں چھپتا رہا تھا' اسے یہاں کے بارے میں کیسے معلوم ہوگیا' بظاہر ہربات سمجھ میں نہیں آرہی تھی' ایک لمحے حیرت کا غلبہ رہا پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا' بہرصورت نادر زماں بہت اچھا انسان تھا۔ اس کا احترام بھی کرتا تھا اسے پسند کرتا تھا' میری بڑی پذیرائی کی تھی اس نے' میں نے مودبانہ انداز میں انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی' رضوانہ کا چہرہ بجھا بجھا تھا' نادر زماں بھی ناراض نظر آرہا تھا لیکن بہرحال دونوں بیٹھ گئے' نادر زماں نے کہا:

"کیا سمجھتے تھے تم' کیا تم مجھے ایک ناکارہ پولیس والا سمجھ رکھا تھا کہ تمہارے بارے میں معلومات ہی نہ حاصل کرسکوں' بتا سکتے ہو کہ میں یہاں تک کیسے پہنچا۔" نادر زماں نے سخت لہجے میں کہا:

میں سنبھل گیا تھا' میں نے مسکرا کر کہا۔ "نہیں بتا سکتا۔"

"یار ویسے ایک بات کہوں' دیکھو جو کچھ کہہ رہا ہوں برا نہیں ماننا جو حقیقت ہے اس سے ہٹ کر بات نہیں کروں گا' تم ایک عام سے ٹیکسی ڈرائیور تھے' میری نگاہوں میں نہایت شریف النفس اور اچھی شخصیت کے مالک' میں نے تمہیں ہمیشہ عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا پھر تم نے مجھ پر ایک احسان کردیا' حالانکہ تم نہیں جانتے تھے کہ رضوانہ سے میرا کوئی تعلق ہے' لیکن بہرحال جیسے بھی سہی' میں تمہارا احسان مند ہوگیا' تم مجھے پسند بھی تھے۔ اس لئے کچھ دلی قربت ہوگئی تم سے۔ اس کے بعد تمہاری شخصیت کا کچھ دوسرا انداز دیکھا اور ان تمام چیزوں نے مجھے متاثر کردیا' حیات علی شاہ اور رحمت علی شاہ بھی رضوانہ کی وجہ سے تم سے بہت متاثر ہوگئے تھے تم نے جس طرح رضوانہ کی مدد کی تھی حیات علی شاہ نے اس احسان کا بدلہ دینا چاہا لیکن میں نے تمہاری شخصیت کے بارے میں ان سے کہا کہ وہ لالچی آدمی نہیں اور وہ ان تمام چیزوں کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ اسے اس کی نیکی کا معاوضہ دینے کی کوشش نہ کی جائے' بات حیات علی شاہ کی سمجھ میں آگئی' ٹیکسی چلانا تو کوئی بری بات نہیں ہے' آدمی اپنے پیشے سے چھوٹا لگنے لگتا ہے تم بڑے ہو یا چھوٹے' مجھے یہ بات بتا دو۔ دیکھو بڑائی یہ تھی تمہاری کہ اگر ہم نے تمہاری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو تم اس ہاتھ کو قبول کرتے' محبت اور یگانگت کے لئے

درجوں کا تعین بے شک کیا جاتا ہے لیکن جہاں یہ درجے ختم کئے جائیں وہاں ان کی پذیرائی ہونی چاہیے مگر تم نے بار بار کی پیشکش کے بعد ہماری یہ پیشکش ٹھکرا کر چھوٹا ہونے کا ثبوت دیا ہے' یہ ظاہر کرنا چاہا ہے تم نے کہ تم درحقیقت احساس کمتری کا شکار صرف ایک ٹیکسی ڈرائیور ہو جو نیکیاں تو کرلیتا ہے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑتی کہ اپنے خود سے ایک قدم آگے نکال کر دنیا دیکھے۔"

بہت تلخ الفاظ تھے نادر زماں کے' لیکن نادر زماں ایک اچھا آدمی تھا۔ میں نے اپنا لہجہ نرم ہی رکھا اور کہا۔ آپ لوگ بیٹھے بھی نہیں اور اب جب نادر زماں صاحب آپ نے میری حیثیت کا تعین کردیا تو میں دوبارہ یہ کہہ بھی نہیں سکتا کہ آپ لوگ براہ کرم تشریف رکھئے آپ کے لئے چائے منگواؤں یا ٹھنڈا' سر آپ حکم دیجئے' مجھے کیا کرنا ہے آپ کا کہنا بالکل درست ہے میں واقعی ٹیکسی ڈرائیور ہوں' مالی طور چھوٹا' ذہنی طور پر چھوٹا' ہرلحاظ سے چھوٹا' غلطی سے اتنی بڑی شخصیت کو بہن کہہ دیا تھا' آپ کے ساتھ تو میں نے ایسی کوئی گستاخی نہیں کی۔ اگر آپ کو ایسا محسوس ہوا ہے تو پہلے تو معافی مانگتا ہوں اور اگر قابل معافی نہ ہوں تو سزا دے لیجئے کیا عرض کرسکتا ہوں ---"

نہیں ایسی باتیں مت کرو' اس دن قبرستان میں ایک کار کھڑی ہوئی تھی جو شاید وکیل صاحب کی ہے اور تم شاید ان کے ڈرائیور۔ اس کے بارے میں میں نے رجسٹریشن آفس سے معلومات حاصل کیں اور اس وقت یہاں قاضی صاحب کے ڈرائیور کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا تھا کہ تم یہاں بیٹھے نظر آئے' منصور تم برا مت ماننا' میں بار بار یہ جملے کہتے ہوئے افسوس بھی محسوس کرتا ہوں' صرف ایک بار یہ بتا دو کہ اگر ہم نے تمہیں یا حیات علی صاحب نے تمہیں اتنا پیار سے اپنے قریب بلانے کی کوشش کی تھی تو تم نے اتنا گریز کیوں کیا اب اس وقت یہ جو تم فائلیں وغیرہ پھیلائے بیٹھے ہوئے ہو اور جس لباس میں ملبوس ہو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تھوڑے بہت سلیقے کے آدمی بھی ہو' مگر یہ سلیقہ اس وقت کہاں چلا جاتا ہے جب کچھ شریف لوگ تمہیں اپنے طور پر مدعو کرتے ہیں اور تم جاہلوں کی طرح ان کے جذبات کا خیال کئے بغیر فرار ہوجاتے ہو' غائب ہوجاتے ہو' جب کہ تمہارا انتظار کیا جاتا ہے' بس اس کا جواب مجھے اور رضوانہ کو چاہیے ---"

"آپ نے ابھی چھوٹے اور بڑے کی بات کی تھی آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ دو پہلو ہیں یعنی کوئی بھی شخص چھوٹا اور بڑا ہوتا ہے۔ اس طرح سے ایک لفظ کے دو رخ ہوتے ہیں محبت اور نفرت' دوستی اور دشمنی' ان کا بھی اپنا ایک پوزیٹو اور نگیٹیو ہوتا ہے۔ آپ کسی کے اندر کے نگیٹیو کو کیوں ابھارنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے میرے دل و دماغ میں کوئی تاریکی ہو' میں اس تاریکی کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا نادر زماں صاحب! آپ نے مجھے محبت کا مقام دے کر مجھ پر احسان کیا ہے' بات جہاں تک رضوانہ کی ہے تو محترمہ رضوانہ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہیں۔ میں نے ان پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اس احسان کا صلہ ایک ٹیکسی تو بہت بڑا ہے' دس روپے کا ایک نوٹ بھی ہو سکتا تھا۔ شکر ہے ایسا کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا میں نے ان کی خدمت کرنے کا۔ ہاں اگر یہ معاوضہ سمجھنا چاہیں تو میری اس گستاخی کو میرا معاوضہ سمجھ لیں جسے انہوں نے برداشت کرلیا اور وہ گستاخی یہ تھی کہ میں نے انہیں بہن کہہ دیا۔ ایک اتنی بڑی شخصیت کو بہن کہہ کر جیل نہ جانا بڑے فخر کی بات ہے کیوں کہ بہن بھائی تو برابر کی سطح کے ہوتے ہیں' بس میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

وہ دونوں حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر نادر زماں چند لمحے سوچتا رہا اور اس کے بعد پلٹتا ہوا بولا:

سنو اب ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے لیکن یہ یاد رکھنا ہم تم سے خوش نہیں ہیں۔ تمہاری الجھی ہوئی احمقانہ باتیں رضوانہ سمجھ سکی ہوں تو سمجھ سکی ہوں میں نہیں سمجھ سکا۔ دوستی' دشمنی پیار' نفرت نگیٹیو' پوزیٹو' پتہ نہیں کیا کیا کہہ گئے ہو۔ اگر دل چاہے اور یہ احساس ہو کہ تم نے اپنی جانب بڑھنے والے ہاتھوں کو جھٹک دیا ہے' جبکہ وہ محبت سے تمہاری سمت بڑھ رہے تھے تو آجانا ---- رضوانہ بھی اور میں بھی سب لوگ تمہارا انتظار کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ دونوں تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئے اور میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔"

میں نے سوچا کہ نادر زماں پر اس وقت بھی جذباتی ہو کر میں اس حقیقت کا انکشاف کر سکتا تھا لیکن میں نے ہمت سے کام لیا ہے' وقت آجانے دو' ساری حقیقتیں منکشف کروں گا' یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس انداز میں ہوں گی' ممکن ہے کہ حیات علی شاہ کے سینے میں گولیاں اتار کر میں اس حقیقت کا انکشاف کروں یا ممکن ہے قاضی

صاحب کی تعلیمات اور محبتوں کا معیار مجھے راستہ بدلنے پر مجبور کردے اور اس وقت میں اپنی زبان سے یہ بات تمہیں بتاؤں کہ حیات علی شاہ کون ہے اور میں اس کا نمک خوار نہیں بن سکتا۔

بہرحال انسان کی حیثیت سے میں اس گفتگو کے بعد کافی دیر تک تکدر کا شکار رہا۔ نادر زماں اچھا انسان تھا اور خاصی عزت کرتا تھا میں۔ اس کی خرابی تھی تو بس یہ تھی اس میں کہ وہ حیات علی شاہ سے متعلق تھا حالانکہ حیات علی کا معاملہ بھی اب میرے ذہن میں کچھ اور شکل اختیار کرچکا تھا۔ خاص طور سے اس تصور کے ساتھ کہ کبھی کبھی انسان غلطی سے وہ عمل کر جاتا ہے جس کا ارادہ نہیں ہوتا۔ حیات علی شاہ نے جان بوجھ کر میری ماں کو ہلاک نہیں کیا تھا وہ ایک حادثہ تھا اور اس کے بعد اس نے ایک عام آدمی کی مانند اس حادثے سے لاعلمی کا اظہار کرکے اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کی تھی۔ فرق صرف اتنا سا تھا کہ اس کے لئے اس نے دولت کا سہارا لیا تھا اور یہی اس کے اور میرے درمیان نفرت کی وجہ تھی مجھے اس کی دولت سے نفرت اس لئے نہیں تھی کہ وہ دولت مند کیوں ہے۔ مجھے اس کی دولت سے نفرت اس لئے تھی کہ اس دولت کے ذریعے وہ میری ماں کو قتل کرنے کے باوجود قاتل قرار نہیں دیا گیا۔ میں جانتا تھا کہ دوسرے طریقے سے بھی وہ اس حادثے کے بعد اپنے آپ کو بچا سکتا تھا' لیکن اس نے ایک الگ راستہ اختیار کیا۔ اس طرح میں بھی شازیہ کا مجرم بن گیا تھا اس لئے نہیں کہ میں نے جان بوجھ کر اسے ٹیکسی میں نہیں بٹھایا تھا بلکہ بس ذہنی الجھنوں کا شکار تھا اور عادتاً میں نے انکار کردیا تھا جیسے کہ عموماً ٹیکسی ڈرائیور کردیا کرتے ہیں لیکن اس کے نتیجے میں وہ گھر کے سرپرست سے محروم ہوگئی' مجرم تو میں بھی تھا۔ میں اگر حیات علی شاہ کو کیفر کردار تک پہنچاؤں تو اس کے بعد اپنے ضمیر کی اس چبھن کو کیسے برداشت کر سکوں گا کہ شازیہ مجھے کیفر کردار تک نہیں پہنچا سکتی۔

پھر قاضی صاحب کورٹ سے واپس آگئے بہت خوش نظر آرہے تھے اور بہت دیر تک مجھ سے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے کہا:

"بھئی منصور دنیا عجیب جگہ ہے ایک کیس کیا جیت لیا ہم نے بار روم میں لوگ قاضی صاحب کے احترام میں کھڑے ہونے لگے ہیں۔ اس میں قصور میرا بھی نہیں ہے'

ساجد علی شاہ خود اپنے آپ کو تماشا بنائے ہوئے ہیں' پتہ ہے کیا ہوا۔۔۔۔"

نہیں۔۔۔۔"

"بس جیسے ہی میں بار روم میں داخل ہوا' ساجد علی شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گئے' حالانکہ یہ بڑی بے وقوفی کی بات ہے' ہماری آپس میں تو دشمنیاں نہیں ہوتیں۔ دو فریقوں کی طرف سے ہم وکیل کے طور پر پیش ہوتے ہیں' حقیقت سامنے آجاتی ہے' پتہ نہیں ساجد علی شاہ صاحب کس قسم کے آدمی ہیں انہوں نے اس مسئلے کو اپنی انا کا سوال بنا لیا ہے۔ میرا خیال ہے منصور وہ ضرور ایسے کسی کیس میں ہاتھ ڈالیں گے جو ہمارے مخالف ہو' ان کے خیال میں ان کی ساکھ بگڑ گئی ہے وہ اپنی اس ساکھ کو سنبھالنے کی کوشش ضرور کریں گے۔۔۔۔"

"یہ تو اچھی بات ہے جناب' ہم ایسی دشمنی کو ذاتی رنگ دینے کے بجائے اگر مقابلے کا رجحان پیدا کرلیتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک زیادہ صحت مند عمل ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔"

پھر اس گفتگو کے دوسرے دن اس وقت جب میں کسی کام سے نکلنے والا تھا۔ قاضی صاحب کورٹ میں ہی تھے اور مجھے وقت سے پہلے کورٹ سے باہر جانا تھا۔ قاضی صاحب سے یہ بات طے ہوچکی تھی کہ دو تین گھنٹے کے بعد وہ یہاں سے جائیں گے اور میں اپنا کام کرکے واپس آجاؤں۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اور اس وقت باہر نکلتے ہوئے میں نے یہ سوچا تھا کہ کسی ہوٹل میں کھانا کھاؤں گا' جیسے ہی کار کی پارکنگ تک پہنچا مجھے حجاب کی آواز سنائی دی۔

"منصور صاحب' منصور صاحب۔۔۔۔"

"میں رک گیا' ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ حجاب تیز قدموں سے چلتی ہوئی میرے پاس آگئی اور بولی: "اگر زحمت نہ ہو تو دوسری طرف کا دروازہ بھی کھول دیجئے۔"

ایک لمحے تک میں نے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی لیکن وہ گھوم کر دوسری جانب پہنچ گئی تھی۔ اس کے الفاظ سمجھ کر میں نے دروازہ کھول دیا اور وہ پر اطمینان انداز میں میرے پاس آ بیٹھی۔ تھوڑی سی حیرانی بے شک ہوئی تھی لیکن حجاب نے ہمیشہ ہی

میرے ساتھ یہ بے حجابی کی تھی اور تھوڑی سی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتی رہی تھی' مجھے اس وقت ایک خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا' وہ بھی بڑے باپ کی بیٹی ہے' لیکن میرے ساتھ مجھے جاننے کے باوجود اگر عزت سے پیش آرہی ہے تو مجھے پذیرائی کرنی چاہیے۔

میں نے کار ریورس کرکے اسے آگے بڑھا دیا اور بولا ۔۔۔ "جی حکم فرمایئے میں سمجھا کہ آپ کو کسی شے کی ضرورت ہے کوئی ایسی چیز جو کینٹین سے لانی ہے۔"

"جی ہاں ایسا ہی ہے' آپ براہ کرم مجھے کسی اچھے سے ریسٹورنٹ تک لے چلئے میں بھوکی ہوں۔"

"ضرور ضرور۔ آپ فرمایئے کہاں جائیں گی۔۔۔۔"

"چلتے رہئے' تھوڑا سا آگے چل کر طے کرلیں گے۔" حجاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر ہم صدر پہنچ گئے اور یہاں ایک اچھے ہوٹل کے سامنے اچانک ہی حجاب نے کہا:

"کبھی اس ہوٹل کا کھانا کھایا ہے آپ نے ۔۔۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولی ۔۔۔ "اب اتریئے' بیٹھے کیوں ہیں۔۔۔۔"

"مس حجاب۔۔۔۔"

"پلیز اتریئے نا' سڑکوں پر تماشے نہیں کیا کرتے۔" اس نے کہا اور جب تک میں نیچے نہ اتر گیا وہ نیچے نہیں اتری۔ میں نے دروازہ لاک کیا تو وہ بھی دوسری طرف کا دروازہ لاک کرکے میری طرف دیکھنے لگی۔

پھر بولی۔"آیئے۔"

جانا پڑا تھا اس سے زیادہ گریز کرنا مناسب بھی نہیں تھا تاہم ریسٹورنٹ میں داخل ہوکر ایک میز کے گرد بیٹھ گئے تو وہ بولی۔۔۔۔

"یہ زبردستی کی دعوت ہے لیکن بہرحال۔۔۔۔"

"مس حجاب' ساجد علی شاہ کہاں تھے اس وقت۔" میں نے بے اختیار سوال کیا اور وہ بھی بے اختیار مسکرا پڑی پھر بولی۔

"یہی تو موقع مل گیا ہے آج۔" اصل میں آپ کے سوال پر مجھے تھوڑا سا ناراض ہونا چاہیے تھا' لیکن خلوص دل کے ساتھ ڈیڈی کی اس چھوٹی سی تنگ دلی کا جرم قبول کرتی ہوں' اصل میں ایک جیتنے والا اگر ہار جائے تو بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے' آپ

یقین کریں مسٹر منصور کہ میں ڈیڈی سے متفق نہیں ہوں' میں کہتی ہوں کہ یہ کوئی اکھاڑہ نہیں ہے جہاں پہلوان اپنی اپنی طاقت کے بل پر کشتیاں لڑتے ہیں۔ یہ سچائیوں کی جیت اور جھوٹ کی شکست کا معاملہ ہے اور اگر جھوٹ کو شکست ہوتی ہے تو اس کا افسوس نہیں کرنا چاہیے یا برا نہیں منانا چاہیے بلکہ اس شکست پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے لیکن ڈیڈی کا مزاج ذرا مختلف ہے ایک بات بتاؤں مسٹر منصور جب میں الگ سے اپنا دفتر بناؤں گی اور وکالت شروع کروں گی تو آپ یقین کریں کہ کوشش یہ کروں گی کہ حق اور سچ کا ساتھ دوں' پیٹ بھرنے کے لئے الٹے سیدھے کیس نہ لوں' ویسے ہم پیٹ بھرنے کے لئے یہاں آئے ہیں' آپ یہ تو نہیں کہیں گے کہ اس وقت آپ کو بھوک نہیں لگ رہی کیونکہ خالص لنچ کا وقت ہے --- ویٹر" اس نے میرے کچھ بولنے سے پہلے ویٹر کو اشارہ کیا اور مینو اٹھا کر میرے اور اپنے سامنے رکھ دیا ---- ویٹر قریب آگیا تھا اس نے کہا --- "جی بتائیے کیا لیں گے آپ ----"

آپ خود بتا دیجئے۔" میں نے اپنے سامنے کا کارڈ بند کرتے ہوئے کہا اور حجاب نے انتہائی بے تکلفی سے کچھ کھانوں کا آرڈر دے دیا۔ ویٹر آرڈر نوٹ کرنے کے بعد چلا گیا تھا' میں نے ہنس کر کہا -----

"پہلا امتحان تو آپ نے مجھ سے یہ لیا ہے مس حجاب کہ میرے برابر کی سیٹ پر بیٹھ کر سفر کیا ہے اور دوسرا یہ کہ اب اس ہوٹل میں بھی میں آپ کے برابر بیٹھا ہوا ہوں' چلئے یہ دونوں باتیں تو آپ کی ذات تک محدود تھیں' لیکن یہ کارڈ آپ نے میری طرف بڑھا کر میرا ایک عجیب سا امتحان لیا ہے' میں تو انگریزی پڑھنا نہیں جانتا -------"

حجاب نے گھور کے مجھے دیکھا اور بولی: "آپ جانتے ہیں مسٹر منصور کہ جھوٹ کسی بھی شکل میں بولا جائے تو ایک گناہ اس کے حساب میں لکھا جاتا ہے' زندگی میں ویسے ہی کم جھوٹ بولنے پڑتے ہیں جو ہم بے مقصد جھوٹ بول کر اپنے وجود پر گناہوں کے بوجھ کو بھاری کرتے رہیں ----"

مجھے ایک دم شرمندگی کا سا احساس ہوا تھا بہرحال میں گردن جھکا کر خاموش ہو گیا۔

وہ چند لمحات میرے بولنے کا انتظار کرتی رہی' پھر بولی -----

"مزید اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی' نصیحت کی کوئی بات کسی بھی زبان سے

نکلے اسے گرہ میں باندھ لینا چاہیے کیئے کہ ہمیشہ سچ کہیں گے اور سچ کے سوا کچھ نہ کہیں گے۔" اس نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا لیکن شکر ہے کہ ویٹر آگیا تھا اور ہمارے سامنے پلیٹس لگانے لگا تھا پھر جب وہ اس کام سے فارغ ہو کر آگے بڑھ گیا تو میں منتظر رہا کہ وہ اپنے جملے دہرائے گی لیکن اس نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی۔

کھانا سرو ہو گیا' کھانے سے فراغت حاصل کر کے چائے پی گئی وہ مجھے دیکھتی رہی پھر بولی:

"جناب بات ہو رہی تھی انگریزی جاننے کی یا نہ جاننے کی' یہ انگریزی انداز میں جو کھانا کھایا گیا ہے یہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ آپ مینرڈ ہیں پڑھے لکھے ہیں اور میں آج تک اس بات پر شرمندہ ہوں جب میں نے آپ کو قاضی صاحب کا اردلی سمجھ کر کینٹین سے کچھ لانے کے لیے کہا تھا ----"

"مس حجاب میں نے آپ سے اس دن بھی عرض کیا تھا کہ اس بات کو یاد دلا کر مجھے شرمندہ نہ کریں کوئی ایسی بات نہیں تھی' سڑک چلتے ہوئے بھی کوئی کسی سے اپنے کسی کام کے لیے کہہ دیتا ہے۔"

"نہیں پھر بھی ---- مجھے نجانے کیوں اس کا افسوس رہا تھا ----؟"

"چلئے آج آپ نے میری اتنی دلجوئی کر کے اپنا قرض چکا دیا' کھانا کھلایا ہے مجھے اپنے برابر بیٹھا کر' کار میں میرے ساتھ سفر کیا ہے جبکہ بیگمات پچھلی سیٹ پر بیٹھتی ہیں اور اب بل بھی آپ ہی کو ادا کرنا ہوگا' ایک غریب آدمی یہ بل کہاں سے ادا کر سکتا ہے۔"

"وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی پھر اس کے بعد اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔ ویٹر نے بل لا کر رکھا تو اس نے بل پے کیا اور اس کے بعد اٹھتی ہوئی بولی۔ "چلیں -----؟"

میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ناراض ہو گئی ہے ہم دونوں اندر سے باہر آگئے اور مجھے خدا حافظ کہہ کر ایک جانب بڑھ گئی۔ میں کھڑا رہ گیا تھا۔ یہ اس کی ناراضگی کا اظہار تھا۔ آگے جا کر وہ ایک بک اسٹال میں داخل ہو کر نجانے کافی دیر تک وہ کیا تلاش کرتی رہی' پھر باہر نکلی' میں وہیں موجود تھا' میں نے کہا:

"مس حجاب آپ کہاں تشریف لے جائیں گی؟"

"ارے آپ یہیں موجود ہیں مسٹر منصور ----؟"

"آپ کے ساتھ آیا تھا۔"

"نہیں پلیز مجھے کچھ اور کام ہیں' تھوڑی سی شاپنگ کرنی ہے۔ آئی ایم سوری میں آپ سے کہہ کر نہیں گئی۔ آئی ایم ویری سوری آپ کا بے حد شکریہ' آپ جس کام سے نکلے تھے جائیے' میں نے ویسے ہی آپ کا کافی وقت ضائع کرادیا۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر آگے بڑھ گئی۔ اب اس سے زیادہ تو میں اس کی خوشامد نہیں کرسکتا تھا چنانچہ میں نے بھی کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔

اپنے کام کرنے کے بعد میں واپس آیا اور نظام احمد صاحب کو ساتھ لے کر گھر چل پڑا۔ زندگی کے شب و روز کسی خاص تبدیلی کے بغیر جاری رہے' یہی زندگی ہوتی ہے صبح و شام کے مشاغل یکساں ہی ہوتے ہیں' اگر ان میں کوئی مزید قابل ذکر بات آجائے تو وہ کہانی یا افسانہ بن جاتی ہے' واقعات چھوٹے ہوں یا بڑے' دلچسپ ہوں یا غیر دلچسپ زندگی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ قاضی صاحب نے ایک کارڈ مجھے دکھایا اور بولے: "شام کو جذبی صاحب کے ہاں ڈنر ہے' تقریبیں کرنے کے بہت شوقین ہیں وہ۔ ان کی بیٹی اور داماد امریکہ سے آئے ہیں ان کے اعزاز میں ڈنر دیا ہے انہوں نے۔ ان کا داماد امریکہ کے ایک اسپتال میں نیورو سرجن ہے تمہیں بھی چلنا ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔" البتہ شام کو قاضی صاحب نے ایک خوبصورت سوٹ جو ہر طرح سے مکمل تھا۔ ٹائی شرٹ یہاں تک کہ سوٹ اور موزے بھی ساتھ تھے' مجھے دیتے ہوئے کہا:

"یہ پہننا ہے تمہیں۔"

میں نے حیرت سے سوٹ کو دیکھا اور کہا۔ "یہ ----"

"ریحانہ باجی نے سلوایا ہے اگر اس کے بارے میں کوئی گفتگو کرنی ہے تو ان سے کرلو۔" میں ہنس پڑا میں نے کہا:

"میرا دماغ خراب ہے جو ڈانٹ کھاؤں گا۔" قاضی صاحب خوش ہوگئے' کہنے لگے۔

بس سمجھنے کی بات ہے' اصل میں ہمیں تو قدرت نے ایک تحفہ دیا ہے' ریحانہ باجی

اور میں ایک بور زندگی گزار رہے تھے۔ ایک جوان بیٹا دے کر اللہ تعالیٰ نے خوشی کے کچھ دن عطا کئے ہیں' ہم ظاہر ہے اور کس کے لئے کیا کریں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں قاضی صاحب' میں جانتا ہوں کہ آپ کے دلوں میں میرے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ میری زندگی بھی آپ کے سامنے ہے' میں آپ کو یہی درجہ دینے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔"

"شکریہ بیٹے۔" دروازے کے باہر سے ریحانہ باجی کی آواز سنائی دی۔ اس آواز میں بھراہٹ تھی اندر آکر انہوں نے میری پیشانی چومی اور درحقیقت مجھے یہی لگا جیسے میری ماں کے ہونٹوں کا لمس میری پیشانی پر آچکا ہو۔ ایک لمحے کے لئے کسی چیز نے آنکھوں کی طرف دوڑ لگائی لیکن اس نمی کو میں نے پی لیا اور ریحانہ باجی کے سینے سے سر اپنا لگا دیا۔ کچھ لمحوں تک یہ منظر بڑا جذباتی رہا تھا قاضی صاحب نے کہا۔ "تو پھر ہم انتظار کررہے ہیں جناب!"

یہ ایک سچ ہے کہ بہت قیمتی سوٹ تھا اور میں جو زندگی گزارتا رہا تھا اس میں میں نے اپنے آپ کو ایک معمولی سے انسان کے روپ میں دیکھا تھا۔ تعلیم کے دوران اس وقت تک جب تک کہ ماں زندہ تھی اچھے لباس پہننے کا شوق بھی تھا مجھے۔ بعد میں زندگی سے بیزاری نے سارے شوق چھین لئے تھے۔ ماں کی آرزو کی تکمیل کے لئے پڑھتا ضرور رہا تھا۔ باقی کسی شے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی آج یہ سوٹ پہن کر جب اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو خود کو بھی نہیں پہچان سکا لیکن بہرحال ماں جیسے ہونٹوں کا لمس آج مجھے پھر اپنی پیشانی پر محسوس ہوا تھا' اس نے دل میں ایک خوشی پیدا کردی تھی۔

ریحانہ باجی بھی ساتھ تھیں۔ میری وجہ سے ان لوگوں کے اندر امنگیں پیدا ہوگئی تھیں اور اس دوران ایک دو بار ہم لوگوں نے تھوڑی سی تفریح بھی کی تھی' ساحل پر چلے جاتے یا پھر کسی خاص پروگرام میں۔

جذبی صاحب نے معمول کے مطابق دوسرے لوگوں کی طرح ہماری پذیرائی بھی کی تھی۔ ان کی بیٹی اور داماد ان کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ جذبی صاحب نے ہمارا تعارف بھی کرایا اور پھر بڑی عزت سے بیٹھنے کی پیشکش بھی کی گئی۔ مہمان آتے رہے اس دوران نظام احمد قاضی صاحب ہمیں غفار جذبی کے بارے میں بتاتے رہے تھے کہ وہ کس طرح

کے انسان ہیں۔ صاحب حیثیت تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کی پشت بہت مضبوط ہوتی ہے لیکن پھر میں اس وقت چونکا جب میں نے حیات علی صاحب، رضوانہ اور رحمت علی کو دیکھا۔ ان لوگوں نے جن سیٹوں کا انتخاب کیا تھا وہ اتفاق سے کچھ اس ڈائریکشن میں تھیں کہ ہمارا آمنا سامنا ہوتا تھا ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں تکدر پیدا ہوا لیکن پھر میں نے خود کو سنبھال لیا۔ ایسا تو ہزاروں بار ہوگا، میں ظاہر ہے اب کوئی ایسا عمل نہیں کرسکتا تھا جو حیات علی شاہ کے خلاف ہوتا لیکن اس سے رابطے رکھنا بھی میرے لئے ممکن نہیں تھا چنانچہ میں نے اپنے آپ کو اس طرف سے بے پروا کرلیا۔

غفار جذبی بار کونسل کے چیئرمین تھے اور اس وقت تمام بیرسٹر اور وکلاء کچھ جج صاحبان یہاں موجود تھے۔ ساجد علی شاہ کا موجود نہ ہونا کچھ غیر حقیقی سا ہوتا۔ ساتھ میں حجاب اور مسز ساجد علی شاہ بھی تھیں۔ ان کا انداز حجاب کے نقوش سے مماثل ان خاتون کو دیکھ کر ہوتا تھا۔ پھر ایک دوسرا منظر دیکھنے کو ملا۔ حیات علی شاہ، ساجد علی شاہ کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور دیر تک ساجد علی شاہ سے گلے ملتے رہے تھے، پھر ساجد علی نے رحمت علی کو سینے سے لگایا، اور اس کے بعد رضوانہ کے سر پر ہاتھ پھیرا دونوں خواتین رضوانہ کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ یہ سب کچھ میں نے غیر اختیاری طور پر دیکھا تھا لیکن اب اتنی بڑی جگہ بھی نہیں تھی کہ ان لوگوں کی نگاہیں مجھ پر نہ پڑتیں، میں صرف اپنے محسوسات سے کام چلا رہا تھا۔ میں نے رضوانہ ہی نہیں بلکہ حجاب کو بھی اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔ دو ناراض لڑکیاں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

تھوڑی دیر کے بعد غفار جذبی مہمانوں کے درمیان آگئے اور پھر انہوں نے جو کچھ کیا اس کی توقع نہ مجھے تھی اور نہ قاضی صاحب کو۔ جذبی صاحب نے اپنی بیٹی اور داماد کا تعارف سامنے آکر مہمانوں سے کراتے ہوئے کہا:

"خواتین و حضرات آپ لوگوں کی تشریف آوری پر بہت خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اس خیال کے ساتھ کہ میرے معزز دوست مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں کہ میری گزارش پر آجاتے ہیں، جتنے افراد یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں یہ جس حیثیت کے مالک ہیں وہ میری اوقات سے کہیں بڑھ کر ہے۔ میں آپ سب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، میری بیٹی اور داماد سے آپ واقف ہیں کیونکہ اللہ کے فضل سے صرف چند ہی افراد

ایسے ہیں جو اس شادی میں شریک نہ ہوئے ہوں گے، میرا داماد ماشاء اللہ امریکہ کے ایک بہت بڑا اسپتال میں نیورو سرجن ہے اور یہی شعبہ میری بیٹی کا بھی ہے، یہ لوگ سال کے سال آتے ہیں، دو سال ہوئے ہیں ان کی شادی کو، میں ان کے لئے آپ کی دعائیں چاہتا ہوں، یہ تو رہا ان کا تعارف لیکن آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ بچپن سے میں کچھ جاسوسی ناولوں وغیرہ سے شوق رکھتا ہوں اور پراسرار سنسنی خیز کہانیاں پڑھنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ کسی ایسے عمل سے دلچسپی انسان کی اپنی ذات کا ایک حصہ بھی ہوتی ہے مجھے انوکھے انکشافات کرنے کا شوق ہے اور خوش قسمتی سے آج ایک اور ایسا موقع مل گیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ جن شخصیتوں کے بارے میں یہ انکشاف کروں گا ان کی کیا کیفیت ہوگی کیونکہ مجھے منع کردیا گیا ہے کہ میں ابھی ان کا تعارف کسی سے نہ کراؤں لیکن اپنی سنسنی خیز کیفیت کو مدنگاہ رکھتے ہوئے اور اپنی فطرت سے مطابقت رکھتے ہوئے میں اپنے پیٹ کی اس تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا جسے میں کافی دنوں سے برداشت کرتا چلا آیا ہوں اور میں اس وقت بحالت مجبوری اپنے پیٹ کا وزن ہلکا کردینا چاہتا ہوں خدا کے لئے مجھے اس کی اجازت دیجئے گا اور برا نہ مانئے گا۔"

جذبی صاحب کے ان الفاظ اور ان کی گفتگو کا انداز بڑا پرمزاح تھا۔ بہت سے ہونٹوں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ ہنسی کی کچھ آوازیں بھی ابھریں۔ لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے، میں نے ایک لمحے تک تو کوئی خیال ہی نہیں کیا تھا، کیونکہ میری توجہ بٹی ہوئی تھی لیکن قاضی صاحب نے بڑبڑانے والے انداز میں کچھ کہا تو میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"مجھ سے کچھ کہا----؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے جذبی صاحب پٹڑی سے اتر گئے۔ ان کے الفاظ یہی بتاتے ہیں۔"

میں اب بھی کچھ نہیں سمجھ سکا، جذبی صاحب پھر بولے۔

"اصل میں کسی بھی پیشے سے تعلق رکھنے والے شخص کا اپنے ہم پیشہ افراد سے گہرا رابطہ ہوتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ دیانتدارانہ طریقوں سے سوچا جائے تو پیشہ بھی خاندانوں کی ترتیب کرتا ہے۔ میرا خیال ہے آپ میں سے کوئی بھی اس بات سے غیر متفق نہ ہوگا۔ ہماری لائن میں جب کوئی شخص آتا ہے تو ہم اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور ایک طرح سے وہ ہمارے اپنوں میں سے ایک ہوجاتا ہے۔ پیشوں میں اگر مقابلے کا

رجحان نہ ہو تو کام نکھرتے نہیں ہیں بلکہ ڈل ہوجاتے ہیں ہم ایک خوبصورت چیز تیار کرتے ہیں' دوسرا اس سے متاثر ہوتا ہے اگر وہ اس سے خوبصورت چیز تیار کرے تو اسے مقابلے کا ایک صحت مند رجحان کہا جاسکتا ہے' ویسے تو ظاہر ہے ہمارے پیشے میں شامل ہونے والے افراد مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں' مختلف شہروں سے تعلق رکھتے ہیں اور جب وہ ہمارے درمیان آتے ہیں تب ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں' لیکن بعض کردار ایسے ہوتے ہیں' جو بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز انداز میں ہماری نگاہوں میں آتے ہیں۔میں نے ابھی یہ بھی عرض کیا تھا کہ میں جاسوسی ناول اور سنسنی خیز کہانیاں پڑھنے کا شوقین رہا ہوں اپنے پیشے میں ایک نئے فرد کی آمد میرے لئے ایک پراسرار دلچسپی کا باعث بنی۔ یہ شخص بہت دن سے ہماری نگاہوں کے سامنے تھا کبھی یہ فائلوں کا گٹھرا اٹھائے ایک سینئر بیرسٹر کے ساتھ ادب سے گردن جھکائے پیچھے پیچھے چلتا نظر آتا تھا۔ کبھی ہم اسے ان بیرسٹر صاحب کی گاڑی ڈرائیور کرتے دیکھتے تھے۔ اس کی جو ظاہری شکل تھی اس سے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ وکالت کے معزز پیشے میں ہمارے ساتھی کی حیثیت سے سامنے آنے والا ہے اور پھر جب میرے پاس اس کا رجسٹریشن کرایا گیا تو میں حیران رہ گیا۔ وہ وکالت کا امتحان اعلیٰ پیمانے پر پاس کرچکا تھا اور اس کے استاد اسے مسلسل تربیت دے رہے تھے۔ اس وقت وہ شخص ہمارے درمیان موجود ہے آپ میں سے بیشتر افراد نے اسے کورٹ میں دیکھا ہوگا۔ آج اس حیثیت سے اسے آپ کے سامنے میں اس تقریب میں پیش کررہا ہوں۔ یہ میری اس تقریب کی ورائٹی ہے اور اب میں آنکھیں بند کرکے اس معزز شخص سے درخواست کروں گا کہ براہ کرم وہ میرے پاس آجائے۔ آنکھیں میں اس لئے بند کررہا ہوں کہ ابھی ان لوگوں کی جانب سے اس انکشاف کی اجازت نہیں تھی۔ اس طرح میں ایک محاورے کو عملی شکل دے رہا ہوں یعنی خطرہ دیکھ کر ریت میں منہ چھپالینا یا بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلینا۔ آپ کچھ بھی سمجھ لیں' درخواست کرتا ہوں اپنے نوجوان دوست منصور سے ---- مسٹر منصور اور جناب نظام قاضی ---- قاضی صاحب براہ کرم اپنی اس خوبصورت تخلیق کو اجازت دیجئے کہ وہ یہاں آجائے۔"

"جاؤ۔" قاضی صاحب نے کہا اور میں خاموشی سے اٹھ کر جذبی صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس وقت اپنے خاص شناساؤں کے رد عمل کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی

تھی' میں جانتا تھا کہ حجاب' حیات علی شاہ صاحب اور ساجد علی شاہ صاحب کس کیفیت کا شکار ہوں گے۔

لوگوں نے کچھ لمحوں تک سرگوشیاں کیں اور اس کے بعد تالیوں کی آواز ابھری' ایک بیرسٹر صاحب نے کھڑے ہو کر کہا:

"وکالت کے معزز پیشے میں ہم اپنے اس نوجوان دوست کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

"شکریہ ---- میں صرف شکریہ ادا کروں گا۔" میں نے گردن خم کرکے کہا اور پھر جذبی صاحب کی طرف رخ کرکے بولا۔ "اجازت جناب ----- ؟"

"کچھ کہو گے نہیں اپنے بارے میں ---- ؟"

"معذرت۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور اس کے بعد واپس آکر قاضی صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد میں نے رضوانہ حجاب ان تمام بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ رضوانہ اور حجاب میرے جانب دیکھ رہی تھیں جبکہ ساجد علی شاہ حیات علی شاہ سے مصروف گفتگو تھے۔ چہرے کے تاثرات سے کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ جذبی صاحب نے معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد معزز مہمانوں کو کھانے کی دعوت دی اور کھانے کے بعد یہ تقریب ختم ہوگئی' قاضی صاحب اور میں ریحانہ باجی کے ساتھ گاڑی میں آکر بیٹھے اور گاڑی اسٹارٹ کرکے چل پڑے' قاضی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا:

"جذبی سے ویسے تو ہر امید رکھی جاسکتی ہے' خوش باش آدمی ہے' خوش مزاج بھی ہے لیکن بہرحال اس انکشاف پر ناخوش نہیں ہوں اور ناخوش کیوں ہوگا' ظاہر ہے یہ انکشاف تو ہونا ہی تھا۔"

دوسرے دن کورٹ میں غفار جذبی صاحب نے خود ہی ہمیں تلاش کیا اور دور ہی سے دیکھ کر کان پکڑ لئے اور سیدھے کھڑے ہوگئے۔ قاضی صاحب اور میں ہنستے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔

"زبان بھی بند رکھوں گا' کان پکڑے ضرور ہیں لیکن کھلے ہوئے ہیں جلدی جلدی جو کچھ کہنا ہے کہہ لو' بس دل چاہا تھا کہ کوئی ورائٹی ہو' سو میں نے یہ کام کرڈالا اور مجھے یقین ہے کہ اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"شرمندہ کرنے میں آپ کا جواب نہیں ہے جذبی صاحب خدا کے لئے ہاتھ نیچے
کیجئے لوگ دیکھ رہے ہیں۔"

"بس اتنا ہی چاہتا تھا کہ مسکرالو۔" جذبی صاحب نے کہا اور ہنستے ہوئے آگے بڑھ
گئے۔ میں اور قاضی صاحب بھی ہنسنے لگے تھے۔ قاضی صاحب نے کہا:

"میں نے کہا تھا نا اچھا انسان ہے' نہ نفع نہ نقصان لیکن بہرحال یہ دوسروں کے
لئے نفع بخش ہی ثابت ہوتا ہے۔"

اس بات کے دوسرے دن کورٹ میں کوئی کیس نہیں تھا ہمارے پاس۔ البتہ اس
کے بعد والے دن صائمہ جمال کی پہلی پیشی تھی' ہم لوگ آفس ہی میں تھے کہ ناصر جمال
آگیا۔ گردن جھکائے ہوئے تھا اور عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آرہا تھا' ہمارے سامنے بیٹھا
اور بولا:

"دل چاہتا ہے کہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑوں آپ لوگوں کے سامنے۔ جب کوئی اپنا
مصیبت میں نظر آتا ہے تو نجانے آنکھیں کیوں بھر آتی ہیں۔"

ناصر دنیا بہت بڑی ہے اس بڑی دنیا میں اگر ہمت سے جینے کی کوشش نہ کی تو لوگ
تمہیں کھا جائیں گے' کیا سمجھے حوصلہ رکھو' بہرحال جو پیشکش تمہارے لئے کی گئی ہے اور
اس شریف آدمی نے جس طرح ہمیں اپنے بارے میں بتایا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری
خوش بختی کا ایک دروازہ کھلا ہے۔ علی رحمان ویسے بھی بہت اچھا انسان نظر آتا تھا اب
ذرا صائمہ کے لئے تھوڑا سا کام کررہے ہیں اللہ مالک ہے' ہوجائے گا سب کچھ ----"

سربد نصیبی جب گھیرتی ہے تو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے' مصائب کی زندگی
انسان کو سر اٹھانے کی مہلت نہیں دیتی۔ اس حادثے کا سبب کافی حد تک میں ہوں لیکن
آپ یقین کیجئے جناب کہ میں نے ہر وہ ممکن کوشش کی تھی جس سے میرے گھر کے
حالات بہتر ہوں۔ اس وقت میں بے روزگار تھا اور پوری دیانتداری کے ساتھ نوکری
حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے محنت مزدوری کے لئے بھی اپنے آپ کو پیش
کیا' لیکن ایک تعلیم یافتہ آدمی کا حلیہ دیکھ کر لوگ اسے مزدوری نہیں دیتے۔ سرکاری
وغیر سرکاری دفتروں کے چکر کاٹتے کاٹتے میری زندگی ختم ہوتی جارہی تھی میں ان دفتروں
سے اتنا واقف ہوچکا ہوں کہ شاید ہی اس دنیا کا کوئی فرد ہو۔ معاشرہ انسانیت کو دفن کرچکا

ہے اور جینے کا سہارا بھی چھن گیا ہے۔ بس دنیا کے بارے میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں
لیکن کیا فائدہ۔ ہمارے پاس ذرائع نہیں تھے کہ ہم جائز طریقے سے روزی کما سکیں۔
زندہ درگور ہوگئے تھے' اخبارات میں چھپنے والی خبروں پر پہلے کوئی یقین نہیں آتا'
بے روزگار لوگ خودکشی کرلیا کرتے ہیں' بچوں کو قتل کردیتے ہیں۔ دریا میں پھینک دیتے
ہیں' سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون لوگ ہوتے ہیں وہ۔ لیکن جب بے روزگاری نے اس
حال کو پہنچا دیا تو ان لوگوں کے دل کا درد بھی سامنے آگیا۔ بہرحال جب نوبت یہاں تک
پہنچی تو میری بہن مجبوراً باہر نکلی اور نوکری کرنے لگی۔ آہ جناب اس دنیا میں بے درد اور
ظالم لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں یہ لوگ۔ کسی حسین اور نوجوان
لڑکی کو ملازمت دے دی جاتی ہے۔ خواہ وہ اس کی اہل ہو یا نہ ہو' بعض اشتہارات اس
لئے جاری کئے جاتے ہیں کہ دلچسپی کا سامان پورا کرنے کے لئے کوئی حسین چہرہ ان تک
پہنچ جائے۔ بہرحال ہم مجبور ہوگئے اور آخر کار صائمہ کو نوکری کرنی پڑی۔ ہاشم علی کیسے
انسان ہیں میں نہیں جانتا تھا لیکن بس اتنا کافی تھا میرے لئے کہ میری بہن نوکری کر رہی
ہے۔ بہرحال مجھے ہر لمحے اس کی فکر رہتی تھی' ذرا بھی اس کی واپسی میں دیر ہوجاتی تو میں
بے چین ہوجاتا تھا۔ بارہا میں نے چھپ چھپ کر ہاشم علی صاحب کو دیکھ کر یہ اندازہ
لگانے کی کوشش کی کہ وہ کس طرح کے انسان ہیں لیکن اس سلسلے میں میرا تجربہ ناکام رہا۔
اس دن بھی یہی سب کچھ ہوا تھا جس کی تفصیل آپ لوگوں نے معلوم کرلی۔ میں نے یہ
سوچا کہ اس ناکارہ زندگی کو اپنی بہن پر قربان کردیا جائے' لیکن وکیل صاحب -----" وہ
ایک بار پھر رونے لگا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "میری قربانی رائیگاں چلی گئی' میری بہن
اب ایک قاتلہ ہے اور ---- اور ---- اسے سزا ہوجائے گی؟ آہ مجھے کچھ نہ سہی لیکن اپنی
بہن کی زندگی تو عزیز تھی اور ہے کیا کہوں کیا نہ کہوں۔"

"تم اتنے پریشان کیوں ہو ناصر جمال' میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم نے پہلے بھی حماقت کا
ثبوت دیا اور اب بھی احمقانہ ردعمل کا اظہار کررہے ہو' کیا خیال ہے تمہارا اگر تمہیں
پھانسی ہوجاتی تو تمہارا خاندان عزت سے جی سکتا تھا' تمہاری بہن ایک قاتل کی بہن
کہلاتی۔ تمہارا پورا خاندان اس قتل میں ملوث ہوجاتا۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ لوگ کسی کو
منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے تمہارا فیصلہ غلط تھا' سنو' صائمہ حفاظت خود اختیاری کے

تحت قتل کے جرم کی مرتکب ہوئی ہے اور میں نے تم سے اس دن بھی کہا تھا کہ حفاظت خود اختیاری اور انتہائی اقدام کے تحت کسی کو قتل کردینے کی سزا موت نہیں ہو سکتی، ہم لوگ کام کر رہے ہیں۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم نے اس سلسلے میں لاپروائی اختیار رکھی ہے۔"

"لیکن کیا کروں میں، کیا کروں"

"اللہ سے دعا اور وقت کا انتظار ----"

ناصر جمال کو ہم نے سمجھا بجھا کر روانہ کر دیا۔ پہلی ہی پیشی میں جو دلائل ہم نے پیش کئے اور جو گواہ پیش کئے جاچکے تھے ان کو سامنے رکھ کر ہم نے صورت حال کافی بدل دی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ساجد علی شاہ نے اس کیس سے ہاتھ اٹھا لیا تھا اور دوسری طرف سے مسز ہاشم نے بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ بہرحال چوتھی پیشی میں جج صاحب نے فیصلہ سنا دیا اور نہ صرف صائمہ کو باعزت بری کیا بلکہ اس کے بارے میں بہترین ریمارکس بھی دیئے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی عزت کے تحفظ کے لئے اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا دینے والی شخصیت قابل احترام ہے اور ہاشم علی جیسے لوگ لعنت کے قابل ہیں جو بچیوں کی مجبوری سے اس طرح فائدے اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ عدالت صائمہ جمال کو باعزت بری کرتی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے تحت اس کے ہاتھوں ہلاک ہوجانے والے ہاشم علی کی مذمت کرتے ہوئے اسے رہا کیا جاتا ہے۔

سب لوگ موجود تھے، بس ساجد علی شاہ صاحب نہیں تھے۔ اس کے بعد جو جذباتی مناظر پیش آسکتے تھے وہ پیش آئے۔ بہت کچھ کہا گیا، ہم نے ان سے کہا صرف ہمارے لئے دعائیں کی جائیں۔ اس کے علاوہ اور ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔

بہرحال یہ مسئلہ ختم ہوگیا لیکن زندگی کے بہت سے دلچسپ مسائل زندگی کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ اس دن مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ جب نادر زماں نے مجھے کورٹ میں دیکھا۔ میں ایک کمرہ عدالت سے باہر نکل رہا تھا میرے جسم پر کالا کوٹ تھا، نادر زماں اپنی وردی میں ملبوس تھا اور وہ اس کمرے میں داخل ہو رہا تھا ہم دونوں بالکل آمنے سامنے آگئے۔ میں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر ایک لمحے کے لئے رک کر گردن جھکائی لیکن نادر زماں راستہ کاٹ کر اندر چلا گیا اور اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ میں چند لمحے وہاں کھڑے رہنے کے بعد آگے بڑھ گیا تھا۔ بہرحال میرا جتنا قصور تھا

میں نے اپنے ضمیر سے اس کے لئے اپنے ردعمل کی اجازت لے لی تھی اور میرا ضمیر مجھ سے یہی کہتا تھا کہ جو واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جو کچھ نگاہوں کے سامنے ہوا تھا اور اس کا زندگی بھر کی محرومیوں سے جتنا گہرا تعلق تھا، اس کے بعد حیات علی شاہ کو نظرانداز تو کیا جاسکتا تھا لیکن اسے معاف نہیں کیا جاسکتا تھا چنانچہ میں مطمئن ہوگیا۔ ایک اور چھوٹا سا ذہنی جھٹکا مجھے اس وقت لگا جب بذریعہ ڈاک ہمیں ایک دعوت نامہ حیات علی شاہ کی طرف سے موصول ہوا۔ اس میں میرے اور قاضی صاحب کے گھرانے کے لئے رضوانہ کی شادی میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔

یہ کارڈ دیکھ کر میں بہت دیر تک الجھن کا شکار رہا لیکن آخر فیصلہ میں نے یہی کیا کہ جانا ممکن نہیں ہے۔ کسی طور ممکن نہیں ہے، بس جو ہوچکا ہے اسے واپس نہیں لایا جاسکتا لیکن اس سے اس قدر چشم پوشی بھی اختیار نہیں کی جاسکتی۔

دن گزرتے گئے اور مزید کافی دن گزر گئے ایک دن اپنے ایک کلائنٹ کے ساتھ رات کے کھانے پر مدعو تھا اور وقت سے کچھ پہلے اس ہوٹل پہنچ گیا تھا جو اعلیٰ درجے کا فائیو اسٹار ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا۔ میرے کلائنٹ نے وہیں مجھ سے ملاقات کی درخواست کی تھی ---- اور میں بیٹھا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا کہ میری نظر بائیں سمت کی میز پر اٹھ گئی اور وہاں میں نے رضوانہ کو دیکھا جو انتہائی خوبصورت لباس میں چہرے پر میک اپ کئے ہوئے ایک نوجوان لڑکے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ رضوانہ سے نظریں ہٹا کر میں نے اس نوجوان لڑکے کو دیکھا اور ایک بار پھر میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ کیا دلچسپ ہیں زندگی کے حالات بھی، کیا انوکھا زمانہ ہے، وقت ہمیشہ ایسے جھٹکے دیتا ہے کہ انسان چند لمحوں کے لئے سنسنا کر رہ جائے۔ رضوانہ کے ساتھ میں نے جس نوجوان لڑکے کو دیکھا تھا وہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔

یہ وہی دمدار ستارہ تھا جو ایک بار ہیرو بننے کے لئے مجھے انٹرنیشنل اسٹوڈیو میں نظر آیا تھا۔ اور بعد میں کچھ دلچسپ واقعات کے ساتھ اس کی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ مجھے گھڑی والا پورا قصہ یاد آگیا۔ لیکن رضوانہ کے ساتھ اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ پھر یہ حیرت خود بخود رفع ہوگئی تھی۔ مجھے یاد آگیا کہ رضوانہ کی شادی تھی۔ اور اس کا کارڈ ہمارے لئے بھی آیا تھا۔ دونوں اندرون سندھ کے رہنے والے تھے۔ ہوسکتا ہے کسی

طرح دونوں کے درمیان خاندانی روابط ہوں۔ لیکن! یہ ہیرو اب سنبھل گیا ہے یا ویسے کا ویسا ہی ہے۔ ویسے خوبصورت لڑکا تھا۔ اور رضوانہ کے ساتھ اس کی جوڑی خوب جچ رہی تھی۔ مجھے ایک عجیب سی اُلجھن کا احساس ہوا میں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ مجھے دیکھ نہ لیں اس لڑکے کے بارے میں تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھے پہچان سکے گا۔ لیکن رضوانہ نے اگر مجھے دیکھ لیا تو ممکن ہے وہ پھر جذباتی ہوجائے۔ بڑی بوریت ہوئی میں نے کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ میرا کلائنٹ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اس نے مجھے ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ایسے حالات پیدا کرکے وہ اپنے لئے ہمدردیاں کھو دیتے ہیں۔ وقت اور زبان کی پابندی انسانیت کا ایک لازمی جزو ہے۔ اور جو انسانیت کے معیار سے پہلی ہی سیڑھی سے خود کو گرا دے تو مزید سیڑھیاں چڑھنا دشوار ہوجاتا ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ کچھ دیر اس کا انتظار کروں گا۔ اور اس کے بعد چلا جاؤں گا۔ کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ اس لئے اس وعدے کی لاج رکھ لینا چاہتا تھا۔ اس بات کے بھی امکانات تھے۔ کہ اسے کوئی ایسا ہی مسئلہ پیش آگیا ہو۔ اگر اس کی دیر ہوجانے کی وجہ مجبوری ہوئی تو خیر۔ جان بوجھ کر اگر کوئی دیر کرے تو اس کا مقصد ہے کہ مستقبل میں بھی وہ درد سر ثابت ہوگا۔ اور پھر میں نے چور نگاہوں سے رضوانہ اور اسے دیکھا۔ جس کا نام تک مجھے معلوم نہیں تھا۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی۔ البتہ ایک طوفان سا اٹھا۔ یا پھر اگر یہ کہا جائے کہ وہ لڑکا طوفان کی طرح اٹھا اور دوڑنے کے سے انداز میں میری طرف آیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے چہرے کی سرد مہری برقرار رکھی تھی۔ پھر وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا:

"چاہے آپ ویٹروں کو بلا کر مجھے کرسی سے اٹھوا دیں دھکے دے کر ہوٹل سے باہر نکلوا دیں لیکن بیٹھوں گا ضرور آپ کے پاس تھوڑی دیر۔ باتیں بھی کروں گا آپ سے۔ اور آپ خود اٹھ جائیں گے تو آپ کا پیچھا کروں گا۔ جہاں تک آپ جائیں گے وہاں تک جاؤں گا۔ پھر باتیں کروں گا آپ سے۔ دیکھ لوں گا آپ کس طرح مجھے دھتکار دیتے ہیں۔" کچھ ایسا انداز تھا اس کا کہ مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ اب انسان ایسی باتوں کے جواب میں کوئی بری بات تو نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے کہا تھا۔

"نہ میں ویٹروں کو بلوا کر آپ کو اٹھواؤں گا۔ نہ آپ سے بے رخی اختیار کروں گا۔ کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ تو میں ضرور سنوں گا بیٹھئے۔"

"اور یہ کہیں گے آپ کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں مگر ایک منٹ۔ میں اسے بھی بلالوں۔" میں بھلا کیا منع کرتا۔ لیکن میں نے اپنی سرد مہری برقرار رکھی تھی۔ اس نے رضوانہ کو اشارہ کیا۔ رضوانہ کافی ہچکچا رہی تھی۔ لیکن بہرحال وہ پھر اپنی جگہ سے اٹھی آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی میری میز تک آئی اور اس نے کہا:

"بیٹھو بیٹھو رضوانہ بیٹھو۔" وہ بیٹھ گئی اس نے مجھے سلام کیا تھا۔ اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا:

"جناب آپ کا نام تو ابھی مجھے رضوانہ نے بتایا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ میرا نام نہیں جانتے ہوں گے۔ میرا نام احمد ایاز ہے تھوڑی دیر پہلے رضوانہ نے مجھے ایک کہانی سنانی شروع کی۔ کہنے لگی کہ یہ کہانی ایک لڑکی کی ہے کہانی یہ ہے کہ وہ لڑکی اندرون سندھ سے کراچی آئی تھی اور یہاں فلم انڈسٹری کے چکر میں بھٹک رہی تھی۔ کہ کچھ آوارہ منش لوگ اس کی تاک میں لگ گئے۔ اس کی عزت آبرو اور اس کی زندگی خطرے میں پڑگئی۔ اور جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بہت ہی غلط اور بہت ہی بڑا قدم اٹھا چکی ہے اس قدم کے اٹھانے کے صلے میں اسے اپنی عزت آبرو بھی گنوانی پڑے گی۔ اور ماں باپ کے لئے بھی وہ موت کا باعث بن سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک بہت ہی باعزت گھرانے سے تھا۔ لیکن تقدیر جب انسان کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے اور یہ محسوس کرتی ہے کہ جو اسے سبق ملا' وہ کافی تھا تو پھر اس کے لئے بندوبست بھی کرتی ہے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور نے جو اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ اس کی عزت بچانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ اور اسے محفوظ کردیا۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور بڑی پراسرار شخصیت کا مالک تھا۔ رضوانہ نے مجھے وہ کہانی سناتے ہوئے کہا کہ بعد میں وہ ٹیکسی ڈرائیور مختلف روپ میں سامنے آیا۔ تو بارہا ملا۔ لڑکی کے بزرگوں نے اس کی اس خدمت سے متاثر ہو کر اسے بہت کچھ دینے کی پیشکش کی وہ کرایے پر ٹیکسی چلاتا تھا۔ اور ٹیکسی کے مالک کو باقاعدہ روزانہ رقم ادا کرتا تھا۔ لڑکی کے والد نے پیش کش کی کہ وہ اسے ایک ٹیکسی دینے کے لئے تیار ہے۔ اور اس نے نہایت نخوت سے یہ پیش کش ٹھکرادی۔ پھر اس کے بعد

لڑکی کے والدین اسے ہر موقع پر اپنے قریب لانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس نے لڑکی
کو بہن بے شک کہا تھا۔ لیکن بعد میں شاید اسے افسوس ہوا کہ ایسی ایک لڑکی کو جو گھر
سے بھاگ کر آگئی تھی۔ بہن کہنا کسی عزت دار آدمی کے شایان شان نہیں ہے۔ بہرحال
یہ عجیب و غریب کہانی میں رضوانہ سے سنتا رہا۔ حالانکہ مجھے اس کہانی سے کوئی خاص
دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن ہماری شادی تھوڑے ہی دن پہلے ہوئی ہے۔ اور آپ جانتے
ہونگے جناب کہ انسان ابتدا میں صرف بیوی کی باتیں سنتا ہے۔ اور اس کے بعد کیفیت
بدلتی ہے۔ لیکن یہ انکشاف کرکے رضوانہ نے مجھے حیران کردیا کہ وہ شخص آخر کار ایک
وکیل کے روپ میں نمودار ہوا۔ اس ٹیکسی ڈرائیور نے اپنے طور پر ٹیکسی چلا چلا کر اپنی
تعلیم جاری رکھی تھی رضوانہ نے کہا کہ وہ شخص اپنے اندر واقعی عظمت کا ایک مینار
تھا۔ اس نے کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ ایک بڑی شخصیت کا مالک ہے۔
لیکن پھر ایک انتہائی شاندار وکیل کی حیثیت سے وہ ظاہر ہوا۔ آخر میں رضوانہ نے کہا۔
کہ جانتے ہو وہ لڑکی کون ہے؟ میں نے پوچھا کون؟ کیا وہ باقاعدہ کردار ہے۔ اور رضوانہ
اسے جانتی ہے تو رضوانہ نے کہا کہ وہ لڑکی میں ہوں۔ اور وہ شخص جس نے غلطی سے
مجھے بہن کہہ دیا تھا۔ وہ ہے جو اس میز پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا۔ اور
ایک دم مجھے رضوانہ کی پوری کہانی پر یقین آگیا۔ کیونکہ اب میرا حق بنتا ہے کہ میں
رضوانہ کو اپنی کہانی سناؤں اور آپ کے سامنے سناؤں۔ جناب میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ
میرا نام احمد ایاز ہے والد صاحب کا انتقال ہوچکا تھا۔ اندرون سندھ ماشاء اللہ بڑی
زمینداری ہے۔ بھائی سب کچھ سنبھالتے تھے۔ مجھ پر فلمی ہیرو بننے کا بھوت سوار تھا۔
وہاں سے بھاگا ایک دن انٹرنیشنل اسٹوڈیو میں فلمی اداکار بننے کا شوق میں کھڑا ہوا تھا کہ
ایک شخص مل گیا۔ یہ ایک جعل ساز تھا اس نے مجھ سے بیس ہزار روپے اینٹھ لئے۔ اور
غائب ہوگیا۔ میری حالت جس طرح خراب ہو سکتی تھی رضوانہ تم سمجھ سکتی ہو۔ میرے
پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ جو ٹیکسی ڈرائیور بارش میں مجھے وہاں تک لے گیا تھا۔
اس نے صورت حال کو جان کر مجھ سے کرایہ مانگا اس کے انداز میں میرے لئے نفرت
تھی۔ ایک عجیب سی جلن تھی اس کے لب و لہجے میں۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس
نے نہایت غصے سے کہا کہ میں اپنی گھڑی اسے دے دوں۔ رضوانہ میں نے اسے اپنی قیمتی

گھڑی دے دی اور وہ لے کر چلا گیا۔ اس کے عوض وہ مجھے اتنی رقم دے گیا تھا کہ میں
ہوٹل مین ذلیل ہونے سے بچ جاؤں۔ رضوانہ میں نے اس کا انتظار کیا کیونکہ وہ کہہ گیا تھا
کہ وہ آئے گا۔ اور گھڑی بیچ کر جو رقم حاصل ہوگی اس میں سے اپنی رقم لے کر بقیہ رقم
مجھے لوٹا دے گا۔ مجھے ایک فیصد امید نہیں تھی۔ لیکن وہ آگیا۔ اس نے وہی کیا جو کہا تھا۔
اور میں نے محسوس کیا کہ وہ شخص مجھے سبق دینا چاہتا ہے۔ ورنہ نہ اسے اپنے کرائے
سے دلچسپی تھی نہ گھڑی بکوانے سے۔ اور مجھے سبق مل گیا۔ رضوانہ میں واپس چلا گیا۔
مین نے اپنے بھائیوں پر بالکل یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مجھ پر کیا بیتی ہے اور میں کس مقصد
کے تحت گیا ہوں۔ تم یقین کرو اگر یہ بات انہیں پتہ چل جاتی۔ تو وہ اتنے حساس ہیں کہ یا
تو مجھے گولی مار دیتے یا خود کشی کر لیتے۔ میری عزت قائم رہ گئی۔ اور میں پورے وثوق سے
یہ بات کہتا ہوں کہ یہ صرف اس شخص کی وجہ سے ہوا تھا۔ اور جانتی ہو وہ شخص کون تھا؟
یہ یہ یہ جن کا نام تم نے مجھے منصور بتایا ہے۔" رضوانہ نے ایک بار نگاہیں اٹھا کر مجھے
دیکھا میں مسکراتی نگاہوں سے ایاز کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ویٹر کی طرف اشارہ کیا۔ اور
جب ویٹر ہمارے قریب آگیا تو میں نے اس سے کہا:

"ہو سکتا ہے دس سے لے کر پندرہ منٹ تک یا آدھے گھنٹے تک ایک صاحب
یہاں اس میز پر آئیں اور تم سے پوچھیں کہ یہاں کوئی آیا تھا یا نہیں تو انہیں بتانا کہ
منصور صاحب یہاں آئے تھے۔ اور اتنی دیر یہاں بیٹھ کر انہوں نے انتظار کیا ہے۔ اور
اب کم از کم تین دن تک آپ سے نہیں مل سکتے۔ کیونکہ وہ مصروف ہیں۔ میں نے ویٹر کو
ایک نوٹ ٹپ کے طور پر دیا اور اس نے گردن جھکائی اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ اور
رضوانہ نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی کرسی کھسکائی کھڑا ہوا
اور میں نے جھک کر ان دونوں سے کہا:

"اور آپ دونوں جانتے ہیں کہ وہ شخص جس نے آپ دونوں کو بے وقوف بنایا تھا
ایک ہی تھا۔ یعنی شاکر خان یہ بات نادر زماں اچھی طرح جانتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ واپس
لوٹا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازے پر رک کر
میں نے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا۔ ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں حیرت سے
آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرا یہ قدم ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اس

کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ بہرحال ہرچیز کے کچھ نہ کچھ اثرات تو ذہن پر طاری رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا مل جانا۔ اس کلائنٹ کا نہ پہنچنا دونوں باتیں مجھے ناگوار گزری تھیں۔ لیکن بہرحال! ایسی باتوں کا کسی پر اظہار کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ البتہ یہ بات قاضی صاحب کو معلوم تھی کہ مجھے کلائنٹ سے ملنا ہے۔ انہوں نے مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ تو میں نے انہیں بتا دیا کہ اس شخص نے زبردستی مجھے ڈنر کے لئے کہا تھا۔ جب کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن جو وقت اس نے دیا تھا اس کا تقریباً پون گھنٹہ زیادہ میں نے انتظار کرکے گزارا۔ اور اس کے بعد وہاں سے چلا آیا۔ قاضی صاحب نے پروقار انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

”خدا کی قسم بہت اچھا کیا۔ یہاں سے انسان کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور بہرحال! اس دنیا میں ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ جنہیں نہ اپنے وقت کا خیال ہوتا ہے اور نہ دوسرے کے وقت کا۔ بالکل ٹھیک کیا تم نے۔ پھر دوسرے دن میں اور قاضی صاحب کورٹ میں پہنچے۔ مصروف تھے کہ ہمارا وہی کلائنٹ کورٹ میں ہم سے ملا۔ اور میرے پاس پہنچ کر کسی قدر ترش لہجے میں بولا:

”آپ عجیب آدمی ہیں جناب! کل آپ نے مجھے ملنے کے لئے وقت دیا تھا اور آپ غائب ہوگئے۔ کیا یہ پیشہ ورانہ اصول کے خلاف بات نہیں ہے۔“

”آپ کا نام شہباز خان ہے نا جناب؟“ میں نے سوال کیا۔

”خیریت آپ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے میرے نام کی فکر میں کیوں پڑگئے۔“ اس نے کہا:

”اور آپ شاید بہت بڑے آدمی ہیں۔ مگر معاف کیجئے گا۔ مالی طور پر آپ بڑے آدمی ہونگے۔ میرے اپنے خیال میں آپ بہت چھوٹے آدمی ہیں۔ آپ نے کیا وقت دیا تھا مجھے؟ میں نے اس سے زیادہ ترش لہجہ اختیار کیا۔

”تھوڑی بہت دیر انسان کو ہو ہی جاتی ہے۔“

”نہیں ----“ انسان کو تھوڑی بہت دیر نہیں ہوتی اگر میری بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔“

”بہت زیادہ بااصول بن رہے ہیں آپ۔“

”میں ہوٹل پہنچا تھا۔ جس قدر میری قوت برداشت میرا ساتھ دے سکی۔ میں آپ کا انتظار کرتا رہا۔ اور اس کے بعد ویٹر کو بتا کر چلا آیا۔ یقینی طور پر ویٹر نے آپ کو بتایا ہوگا کہ میں آپ کا انتظار کررہا تھا۔“

”لیکن آپ کو تھوڑی بہت دیر تو انتظار کرنا چاہیے تھا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ مجھے اگر تھوڑی دیر ہوگئی تو آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔“

”شہباز خان صاحب خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور آپ نے ہمیں کوئی رقم نہیں دی۔ معاف کیجئے گا ہم بااصول لوگوں کا کیس لیتے ہیں۔ بے اصول لوگ چاہے کچھ بھی ہوں لیکن اچھے انسان نہیں ہوتے۔ ہمارا ایک انداز ہے کام کرنے کا۔ اور اس میں ہم آپ کے لئے کوئی رعایت نہیں کرسکتے۔“

”آپ کا مطلب ہے آپ میرا کیس نہیں لے رہے؟“

”جی! میرا یہی مطلب ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک ٹھیک نوجوان ہیں نا ابھی۔“

یقینی طور پر اسے پیشے میں نئے آئے ہیں۔ یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ مجھے تعجب ہے کہ قاضی صاحب جیسے سینئر بیرسٹر نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ دنیا میں اپنے اندر تھوڑی بہت لچک رکھنا پڑتی ہے۔ اسی طرح دنیا آگے بڑھتی ہے۔“

قاضی صاحب نے مجھے یہی بتایا ہے کہ دنیا میں اپنے اندر تھوڑی بہت لچک رکھنی چاہیے۔ اسی طرح دنیا آگے بڑھتی ہے۔ اور اسی لچک کے تحت میں آپ کے ساتھ اس سے زیادہ تلخ الفاظ نہیں استعمال کررہا۔ جتنے میں کرچکا ہوں۔ یقینی طور پر آپ ہم سے کسی بہتر وکیل کو کرنا پسند کریں گے۔ کیونکہ ہم جیسے لوگ جو شروع ہی سے عدم تعاون کرتے ہیں۔ آپ جیسے لوگوں کے لئے کبھی اچھے ثابت نہیں ہوسکتے۔ اجازت دینا پسند کریں گے آپ؟“

”ٹھیک ہے آپ کی مرضی۔“ اس نے کہا۔ قاضی صاحب تھوڑے فاصلے پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ پھر جب وہ چلا گیا تو قاضی صاحب نے کہا:

”اور مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں اس سختی کے ساتھ اتنے عمدہ الفاظ میں

اسے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ ویری گڈ' ویری گڈ' ویری گڈ اور یہ فخر مجھے حاصل ہے کہ ایک شاندار انسان کی تکمیل میں میرا بھی تھوڑا بہت ہاتھ ہے۔" میں جذباتی ہوگیا تھا میں نے کہا:

قاضی صاحب اس انسان کی تکمیل میں مکمل طور پر آپ کا اور ریحانہ باجی کا ہاتھ ہے۔ ورنہ آپ یقین کیجئے! پتہ نہیں کیا ہوتی میری شخصیت؟"

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔ اور اللہ تمہیں ہر مشکل سے بچائے۔" قاضی صاحب نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ میں خاموش ہوگیا تھا۔ پھر دوسرے دن ہم اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور آج ہمیں کورٹ میں کوئی کام نہیں تھا۔ کہ ہمارے اردلی نے ہمیں ایک خاتون کے آنے کی اطلاع دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم نے انہیں طلب کرلیا۔ آنے والی خاتون برقع میں ملبوس تھی۔ اس کا قدو قامت خاصا لحیم شحیم تھا۔ اندر پہنچنے کے بعد اس نے ہم دونوں کو دیکھا۔ اور چہرہ نمایاں کردیا۔ بالکل یونہی لگا جیسے چاند بدلی سے نکل آیا ہو۔ بہت ہی خوبصورت رنگ وروپ تھا۔ اور بہت ہی اعلی درجے کے نقوش تھے۔ عمر کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ کیونکہ جسامت ذرا بہتر تھی۔ ہمارے اشارے پر وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ قاضی صاحب نے کہا:

"آپ کے لئے کچھ پینے کو منگوایا جائے؟ باہر شاید گرمی ہے۔"

جی اگر ایک گلاس پانی مل جائے تو آپ کی عنایت ہوگی۔

"کولڈ ڈرنک لے لیجئے۔" قاضی صاحب بولے اور وہ خاتون گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔ قاضی صاحب نے اردلی کو بلایا۔ اور کولڈ ڈرنک لانے کی ہدایت کرنے کے بعد انہوں نے کہا:

"اس عرصے میں اگر آپ چاہیں تو اپنی آمد کی وجہ بتا سکتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو پرسکون کرنے کے لئے پہلے کولڈ ڈرنک لے لیں۔"

"نہیں اسے آجانے دیجئے۔ اس دوران میں آپ کو اپنی آمد کی وجہ بتانا چاہتی ہوں۔ آپ میں سے ایک صاحب نظام قاضی ہیں نا۔"

"میں ہوں اور یہ میرے ساتھی منصور احمد ہیں۔"

"میں نے یہ اس لئے معلومات حاصل کی ہیں کہ کسی نے مجھے آپ کے بارے میں

بتایا تھا۔ اور میں بڑا گھوم پھر کر یہاں تک پہنچی ہوں۔ تاکہ کسی کو میری آمد کی یہاں اطلاع نہ ہوسکے۔"

"جی آپ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی مشکل ہمیں بتا سکتی ہیں۔"

"دیکھئے سر! میرا مسئلہ کچھ اس طرح کا ہے کہ میں مکمل اعتماد چاہتی ہوں۔ کیونکہ اگر میرے مخالفوں کو میری کارروائی کی تفصیلات معلوم ہو جائیں تو مجھے اس سے شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

اس کے لئے خاتون آپ کو یہ اطمینان دلایا جا سکتا ہے کہ ہم آپ کا کیس لیں یا نہ لیں۔ کم از کم آپ کو یہ اطمینان ضرور دلا سکتے ہیں کہ آپ اگر کوئی تفصیل بتائیں گی۔ تو وہ ہمارے پاس بطور امانت رہے گی۔ کیونکہ بہرحال ہم کوئی کیس لینے کے لئے کسی کے گھر نہیں جاتے۔ لوگ ہی ہم تک پہنچتے ہیں۔ آپ کی تفصیل ہمارے پاس بطور امانت رہے گی۔ اس لئے آپ بے فکر ہوکر ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کا مسئلہ کیا ہے؟"

"قاضی صاحب آپ ہیں نا" خاتون نے قاضی صاحب کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھا۔

"جی! مجھے ہی نظام احمد کہتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے قاضی صاحب کہ میرا مقدمہ آپ کے ضمیر پر بوجھ نہیں بنے گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ آپ صرف سچائی کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس لئے میں اور بھی آپ کی جانب سے مطمئن ہوں۔"

"شکریہ بیٹی! تم نے مجھے یہ عزت دے کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ میرا یہی طریقہ کار ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ رزق حلال کما سکوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ہمیشہ مجھے ایسے ہی رزق عطا کرے۔" لڑکی نے چند لمحے کے لئے گردن جھکالی۔ لڑکی کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ اس کی جسمانی حیثیت دیکھ کر اس کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن چہرے کے نقوش میں معصومیت تھی۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی عمر زیادہ نہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ سوچتی رہی۔ پھر بولی:

"میرا نام فوزیہ رحمان ہے۔ میرے والد کا نام علی رحمان تھا۔ علی رحمان صاحب یہاں یارن بنانے والی ایک فیکٹری کے مالک تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے میری والدہ کا انتقال میری کم عمری میں ہی ہو گیا تھا۔ ہم بہن بھائی کو چھوڑ کر وہ اس دنیا سے رخصت ہو

گئی تھیں میرا بھائی مجھ سے دو سال چھوٹا ہے۔ میرے والد نے ہم دونوں کی پرورش بہت اچھے انداز میں کی۔ حالانکہ ان کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ اور بہت سے لوگوں نے انہیں پیش کش کی کہ ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے وہ دوسری شادی کرلیں۔ لیکن والد صاحب ہم دونوں بہن بھائی سے بہت پیار کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے دوستوں کو یہی جواب دیا تھا کہ وہ سوتیلی ماں لاکر ان بچوں پر ظلم نہیں کرسکتے۔ ماں سے محرومی کا کبھی احساس نہیں ہونے دیا ہمیں۔ اور اس کے بعد ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ والد صاحب کی صحت بھی بہت اچھی تھی۔ ہم لوگ انتہائی خوش حال تھے۔ لیکن بہت سی نگاہیں والد صاحب کی اس دولت پر جمی ہوئی تھیں۔ آپ کو اندازہ ہے جناب کہ ایسا ہوتا ہے۔ پھر کسی طرح کچھ سازشیوں نے والد صاحب کو ٹریپ کر ہی لیا۔ اور ایک دن شازیہ سلطان ہماری سوتیلی ماں کی حیثیت سے ہمارے گھر میں داخل ہوگئیں۔ والد صاحب کی وجہ سے ہم نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ لیکن بہرحال! یہ اندازہ تھوڑے ہی عرصے بعد ہوگیا کہ شازیہ بہت سی سازشوں کے ساتھ ہمارے گھر میں آئی ہیں۔ احمر میرے بھائی کا نام ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد احمر نشہ کرنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک لاابالی فطرت کا نوجوان تھا۔ لیکن نشہ وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی البتہ وہ اب باقاعدہ ایک نشہ کرنے والا آدمی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ذہنی طور پر وہ ایک معذور انسان ہے۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے لیکن میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ اسے نشہ آور ادویات کا عادی بنایا گیا ہے۔ اور جناب اس سلسلے میں میں کھل کر یہ الفاظ کہہ سکتی ہوں۔ کیونکہ نشہ کا عادی بنانے میں شازیہ سلطان کا ہاتھ ہے۔ دیکھئے ہو سکتا ہے کہ پورے طور پر آپ کو مطمئن نہ کرسکوں۔ اپنے اس خیال کے سلسلے میں۔ لیکن کچھ ایسی حسیات ہوتی ہیں جو انسان کو پورے اعتماد کے ساتھ کسی سلسلے میں یقین کرنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ میں اپنی زندگی کے بدترین دور سے گزر رہی ہوں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ شازیہ بیگم کیا ہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ دنیا کے سامنے ان کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔ لیکن یہ بات میں ہی جانتی ہوں کہ ان کے ذہن میں کیا ہے؟ والد صاحب کے انتقال کے بعد وہ ساری ذمہ داریاں انہوں نے خود ہی سنبھال لی ہیں۔ جو والد صاحب کی تھیں۔ اور والد صاحب نے شاید ان کے لئے وصیت بھی چھوڑی ہے۔ جس کی رو سے وہ اپنے آپ کو ان تمام چیزوں

کا حق دار سمجھتی ہیں۔ آپ یقین کیجئے! انہوں نے ایک ایسا جال بن رکھا ہے جس کا کوئی تار کمزور نہیں ہے۔ میں ان کے رویئے کو' ان کے انداز کو دیکھتی رہی ہوں۔ اور اس کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔ آخر کار میں نے یہی اندازہ لگایا کہ سوچی سمجھی سازش کے تحت میرے بھائی کو نشہ آور ادویات کا عادی بنایا گیا ہے تاکہ وہ ذہنی طور پر معذور ہوجائے۔ وکیل صاحب بہت بے بس ہوں۔ میں شازیہ سلطان کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتی۔ ان کا دائرہ اختیار بہت وسیع ہے۔ اور ان کا حلقہ احباب بھی اتنا ہی وسیع۔ ہمارے گھر میں عالی شان پارٹیاں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے لوگ آتے ہیں۔ اور شازیہ بیگم ان کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتی ہیں۔ ان کی خاطرمدارات ہوتی ہے۔ میں کیا کیا بتاؤں آپ کو۔ کس کس طرح کے لوگ وہاں آتے ہیں۔ میں تو یہ سمجھ لیجئے کہ وہاں ایک بے بس پرندہ کی مانند ہوں اور میرا بھائی کسی بھی قابل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی وکیل صاحب وہاں انہوں نے اپنے ایک عزیز کو بھی رکھا ہوا ہے۔"

"ایک بات۔ ایک بات۔" قاضی صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اور فوزیہ رحمان! قاضی صاحب کی صورت دیکھنے لگی۔

"اس گھر میں آپ کے اور آپ کے بھائی کے علاوہ۔"

"وہی میں آپ کو بتانے جارہی تھی کہ شازیہ بیگم نے احسان نامی ایک شخص کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اور بتاتی ہیں کہ وہ ان کا تایا زاد بھائی ہے۔"

"سلطان ان کے والد کا نام ہے۔"

"شادی کے بعد بھی وہ اپنے نام کے ساتھ اپنے والد کا نام ہی استعمال کرتی رہیں۔"

"جی ہمیشہ! وہ خود کو شازیہ سلطان کہلانا پسند کرتی ہیں۔ میں خاص طور سے آپ کو احسان کے بارے میں بتا رہی تھی کہ احسان کو انہوں نے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔"

"احسان کس قسم کا آدمی ہے؟"

"وہ نوجوان ہے۔ اور بظاہر بالکل صحیح نظر آتا ہے۔ اچھی شکل و صورت کا مالک ہے۔"

"آپ کے لئے کوئی رشتہ وغیرہ آیا؟ میرا مطلب ہے معاف کیجئے گا۔"

"نہیں قاضی صاحب! اس طرف توجہ دینے کی فرصت نہ میرے والد صاحب کو ملی اور میں اپنے بارے میں تو آپ کو بتا ہی چکی ہوں۔"

"ٹھیک! اب آپ یہ بتایئے کہ میرے لئے کیا حکم ہے؟"

اسی دوران ہمارا چپراسی کولڈ ڈرنک لے آیا تھا۔ اس نے ادب سے یہ ہم سب کے سامنے رکھ دیں۔ قاضی صاحب نے اسے اشارہ کیا اور وہ کولڈ ڈرنک کے گھونٹ لینے لگی۔ اس دوران میں اور قاضی صاحب دونوں اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگے تھے۔ اس کا چہرہ بتاتا تھا کہ واقعی وہ بہت پریشان ہے۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس نے کہا:

"قاضی صاحب! آپ کے یہ الفاظ ہمدردانہ ہیں۔ لیکن آپ مجھ سے یہ نہ کہیں کہ میں آپ کو کیا حکم دوں۔ اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے آپ کو میں نے۔ ابھی میں اس دنیا کے لئے تجربہ کار نہیں ہوں۔ میرا قدو قامت میری ماں کی طرح ہے۔ لیکن قاضی صاحب! میں دنیا کو بہت کم جانتی ہوں۔ آپ براہ کرم میرے لئے کچھ کیجئے۔ بس اور کچھ نہیں۔ کچھ شناسائیاں ہیں میری۔ ان کے تحت میں آپ تک آئی ہوں۔ اور آپ سے مدد چاہتی ہوں۔"

"لیکن بیٹی کوئی ایسی بات ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے۔ جسے ہم ٹھوس پیمانے پر کوئی جواز بنا سکیں۔ فرض کرو تم کہتی ہو کہ شازیہ سلطان یا شازیہ بیگم تمہارے بھائی کے سلسلے میں ملوث ہیں۔ مگر اس کا کوئی ثبوت ہے پاس۔ کیا تم پولیس کو اس سلسلے میں کوئی رپورٹ پیش کی ہے۔ یا پھر کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے۔ جس کے تحت ہم شازیہ بیگم پر کوئی الزام لگا سکیں؟ یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ شازیہ بیگم نے ہی تمہارے بھائی کو نشہ کا عادی بنایا ہے۔ فرض کرو تمہیں اس کا یقین ہے لیکن قانون کو یقین دلانے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں۔ ویسے اصولی طور پر تمہیں اپنے بھائی کو کسی ہسپتال میں داخل کرانا چاہیے۔ جہاں نشہ آور ادویات سے چھٹکارے کا علاج ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تمہیں سب سے زیادہ پریشانی اپنے بھائی کے لئے ہونی چاہیے۔ ایک بات بتاؤ اس دوران کبھی کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے جس سے تمہیں شازیہ بیگم پر کوئی خاص شبہ ہوا ہو۔"

"میں واقعہ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے شازیہ بیگم کو خود پر گہری نگاہ رکھتے دیکھا ہے۔ بلکہ بعض اوقات میں نے یوں محسوس کیا ہے جیسے شازیہ بیگم

کی نگاہوں میں میرے لیے نفرت کی آگ جلتی رہتی ہو۔ وکیل صاحب آپ یہ سوچیں گے کہ جب انسان کسی جانب سے شبہ کا شکار ہوجاتا ہے تو الٹی سیدھی باتیں سوچتا رہتا ہے۔ آپ خدا کے لئے یہ بات نہ سوچئے میں آپ کو اپنی اس "چھٹی حس" کے تحت یہ یقین دلا رہی ہوں کہ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ کسی بھی وقت مجھے ہلاک کردیا جائے۔ میرا بھائی معذور ہو ہی چکا ہے۔"

"ایسا تو نہیں ہے مس فوزیہ! کہ چونکہ آپ کے ذہن میں یہ تمام کارروائی اس شکل میں ہے اس لئے آپ یہ خطرہ محسوس کرتی ہوں۔ آپ خود دیکھئے کہ اس سلسلے میں ہم آخر بنیاد کیا بنائیں گے؟"

"آہ! کاش میں صحیح راستہ اختیار کرسکتی۔ پولیس کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں۔ کہ وہاں تک پہنچنا اپنے آپ کو عذاب میں گرفتار کرنے والی بات ہے۔ مجھے ہمیشہ خوف محسوس ہوتا رہا ہے۔ اخبارات میں پڑھتی رہی ہوں کہ۔ کہ لیکن آپ تک آنے میں مجھے کوئی دقت نہیں محسوس ہوئی۔"

"ایک کوشش کی جاسکتی ہے" قاضی صاحب نے کہا اور میں چونک کر قاضی صاحب کو دیکھنے لگا۔ قاضی صاحب بولے:

"ایسا ممکن ہے کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ شازیہ سلطان سے علیحدہ ہوجاؤ۔ کوئی اور رہائش گاہ اختیار کرلو۔ مگر اس کے لئے بھی تمہیں یہ الزام لگانا پڑے گا ان پر کہ تمہیں وہاں سے کوئی اخراجات نہیں ملتے۔ تم پریشانیوں کا شکار رہتی ہو۔ تمہارا بھائی نشہ کا عادی ہوگیا ہے۔ تم اسے ہسپتال میں داخل کرا کے اس کا علاج کرانا چاہتی ہو۔ مگر اس کے لئے تمہارے پاس فنڈ نہیں ہے۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ تمہارے باپ کی جائیداد میں سے تمہیں اور تمہارے بھائی کا باقاعدہ حصہ دے دیا جائے۔ ہونہہ! شازیہ سلطان اپنے لئے جو کچھ چاہتی ہیں وہ اسے الگ کرلیں۔ اگر وہ اس بات سے انکار کرتی ہیں تو پھر قانونی طور پر انہیں نوٹس دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر انکار نہیں کرتیں تو میرا مشورہ ہے بیٹی! کہ تم اپنے حصہ کی جائیداد وغیرہ لے کر فوری طور پر ان سے الگ ہو جاؤ۔ اپنے بھائی کو ہسپتال میں داخل کراؤ اور خود اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرو۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بہتر کام تمہارے لئے اور کوئی نہ ہوگا۔ بھائی ٹھیک ہوجائے تو تمہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ

کرنے میں آسانی ہوگی۔ دیکھو! مخلصانہ طور پر میں تم سے یہی کہہ سکتا ہوں کہ اپنی زندگی بچانے کے لئے۔ جھگڑوں میں نہ رہا جائے تو بہتر ہے۔ وہ گردن جھکا کر سوچ میں پڑ گئی پھر بولی:

"آہ کاش میں آپ سے کچھ اور بھی کہہ سکوں۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہارا ہر لفظ میرے پاس امانت رہے گا۔ خدا نخواستہ تم اگر جھوٹ بھی بول رہی ہو اور مجھے کسی مرحلے پر تمہارے جھوٹ کا شبہ ہوجائے گا۔ تو میں تم سے کنارہ کش ضرور اختیار کرلوں گا۔ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے کسی کے سامنے منظر عام پر لانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ کیونکہ بہرحال! اگر تم غلط سمت سفر کررہی ہو تو تمہیں وہ نقصان خود بخود پہنچ جائے گا۔ جو کسی کو جھوٹا اور بدنام کرنے کے لئے کوئی برا عمل کرنے سے پہنچ سکتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں آپ سے بالکل اتفاق کررہی ہوں۔ یہ آپ سمجھ لیجئے کہ میں خوف زدہ بھی ہوں۔ اور مجھے ایک اور شبہ بھی ہے۔"

"وہ کیا-----؟"

"احمر کی ذہنی حالت نشہ آور ادویات کی وجہ سے بے شک خراب ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کا بدن اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ مجھے اس کے بارے میں تشویش بھی ہوگئی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اسے ہلکا زہر دیا جا رہا ہے۔" قاضی صاحب نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بولے:

"ہم اس کے لئے اس کا طبی معائنہ کرا سکتے ہیں۔"

"میں میں کیسے کرا سکتی ہوں جناب۔ میں کیسے کرا سکتی ہوں آپ خود سوچئے۔ میں ایک ایسے گھر میں رہ رہی ہوں۔ جہاں شازیہ سلطان ہیں۔ ان کا کزن احسان ہے۔ اور میں میں تو بالکل بے سہارا ہوں۔ ایک معذور بھائی کی بہن جو اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا۔ جب کہ شازیہ سلطان کے شناسا اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں کہ ان کی نگاہوں سے بچنے کے لئے مجھے اپنے کمرے میں رہنا پڑتا ہے۔ جناب میں آپ سے صرف قانونی مدد ہی مانگنے نہیں آئی بلکہ اپنے دکھ بھی آپ کو سنانے آئی ہوں۔ آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ مجھے انکار کردیجئے گا۔ لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ جس طرح میں آپ تک پہنچی

ہوں اگر یہاں سے مایوس ہوئی تو دنیا بھر میں تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ ایک بات عرض کرسکتی ہوں میں۔ میرے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم پڑی ہوئی ہے۔ یہ رقم اس جیب خرچ سے محفوظ کی تھی میں نے جو ابو مجھے دیا کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب ہم بھی خوشیوں سے ہمکنار تھے۔" اس نے گردن جھکالی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو زمین پر گرنے لگے۔ قاضی صاحب خاموش رہے تھے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا:

"سنو کیا تم تحریری طور پر یہ بات کہہ سکتی ہو یا اس پر شبہ ظاہر کرسکتی ہو کہ احمر کو زہر دیا جارہا ہے۔ کیا یہ کرسکتی ہو تم؟"

"اس سلسلے میں بھی آپ ہی وکیل صاحب مجھے مشورہ دے سکتے ہیں۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے اردگرد کوئی دیوار نہیں ہے۔ جس کا سہارا لے کر میں کوئی قدم آگے بڑھا سکوں۔ اگر آپ معاوضہ لے کر اور ایک مظلوم و بے بس لڑکی کی مشکل کو محسوس کرکے میری مدد کرسکتے ہیں تو میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہوں کہ پہلی بار آپ کے سامنے زبان کھولی ہے۔ آپ میری مدد کریں۔ میں اس جیب خرچ کا تذکرہ ابھی کررہی تھی۔ جو ابو ہمیں دیا کرتے تھے۔ میرے اخراجات محدود تھے۔ میں نے اسے عام طور سے محفوظ ہی رکھا۔ یہ میرا الگ اکاؤنٹ ہے۔ جس کا میرے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔ میں اس میں سے۔"

"ایک منٹ ایک منٹ۔ میں نے آپ سے نہ تو معاوضے کی بات کی ہے۔ اور نہ ہی کوئی اور بات کی ہے۔ اصل میں حالات اس طرح الجھے ہوئے ہیں کہ ہم براہ راست شازیہ سلطان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتے۔ قانونی کارروائی کرنے کے لئے ہمیں ثبوت درکار ہوتے ہیں۔ آپ نے صرف زبانی طور پر یہ کہا ہے کہ آپ کے بھائی کا ذہن ماؤف کیا گیا ہے۔ آپ اگر ہمت سے کام لیں تو زہر والی بات پر اپنے شبہ کا اظہار اپنی سوتیلی ماں پر کرسکتی ہیں۔ اور اپنی درخواست میں یہ کہہ سکتی ہیں کہ آپ کو آپ کے ورثے میں سے حصہ دلا دیا جائے۔ اور آپ اپنی سوتیلی ماں سے الگ زندگی گزارنے کی خواہش مند ہیں۔"

"اگر یہ آپ کا مشورہ ہوگا تو میں ایسا ہی کروں گی۔"

"ٹھیک ہے آپ اگر اس بات پر راضی ہیں تو درخواست ہم تیار کرلیں گے۔ اب آپ اس سلسلے میں تمام پتہ وغیرہ ہمیں بتا دیجئے۔" اور وہ تفصیلات بتاتی رہی۔ جب یہ تمام تفصیلات معلوم ہوگئیں تو قاضی صاحب نے میری طرف دیکھا۔ اور میں نے آنکھیں بند کرکے گردن خم کردی۔ یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قاضی صاحب مجھے نظرانداز کررہے ہیں۔ بلکہ میں یہ جانتا تھا کہ وہ اپنے تجربے کی روشنی میں اس سے سوالات کر رہے ہیں۔ اور میری طرف سے مداخلت نہ ہونے کا مطلب ہے کہ وہ مناسب سوالات کر رہے ہیں۔ لڑکی نے کہا:

"تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"تمہارا پتہ اور ٹیلی فون نمبر میرے پاس محفوظ ہے۔ میرا ٹیلی فون نمبر۔ چاہو تو میرا کارڈ لے لو۔ یا اسے ذہن نشین کر لو تاکہ میرے اور تمہارے درمیان رابطہ رہے۔ اور کوئی بھی بات فوری طور پر تم مجھے بتا سکو۔ اپنے ان ساتھی کے بارے میں بتا چکا ہوں میں۔ ان کا نام منصور ہے۔ مجھے یا انہیں تم تفصیلات بتا سکتی ہو۔"

"بے حد شکریہ جناب! اگر آپ حکم دیں تو یہ تھوڑی سی رقم لے کر آئی ہوں۔ تاکہ۔"

"نہیں بیبے نہیں! ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اگر تمہارے مسئلے کا کوئی حل تلاش کر سکے تو یوں سمجھ لو کہ بعد میں مکمل فیس تم سے مانگ لیں گے۔ اور وہ اتنی نہیں ہوگی کہ تمہیں ناگوار گزرے۔" اس نے ممنون نگاہوں سے قاضی صاحب کو دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"میں کہنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں لیکن خود مجھے احساس ہورہا ہے کہ جو کچھ کہوں گی۔ اس وقت ہلکا ہوجائے گا۔ ایسے جیسے کوئی شخص مشکل میں گرفتار ہوکر کسی اپنا مددگار پاتا ہے۔ تو اسے حیرت ہوتی ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں جناب کہ شاید قدرت نے آپ کو میری مشکل کا حل بنایا ہو۔ اور میں صحیح جگہ پہنچ گئی ہوں۔"

"انشاء اللہ ہم ہر طرح سے تمہاری بہترمدد کریں گے۔ فکر مت کرو۔" پھر وہ اٹھ گئی۔ اور چہرہ ڈھک کر وہاں سے چلی گئی۔ میں اور قاضی صاحب دیر تک خاموش بیٹھے رہے تھے۔ اس کے بعد قاضی نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولے:

"ہم دونوں کے درمیان ایک عجیب سا رشتہ ہے منصور! دنیا کی نگاہوں میں جناب قاضی صاحب' بلکہ قاضی نظام احمد صاحب بڑے پائے کے بیرسٹر ہیں اور بیرسٹر قاضی صاحب کی نگاہوں میں الہ دین کا وہ جن ہے۔ جو اللہ کی عنایت سے انہیں حاصل ہوگیا ہے۔ چنانچہ جن صاحب آپ سے آپ کے تاثرات جاننا چاہتا ہوں۔ قاضی صاحب کے طرز گفتگو پر مجھے ہنسی آگئی" میں نے کہا:

"الہ دین کا چراغ تو آپ ہی نے گھسا تھا قاضی صاحب ورنہ جن کا ماضی تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"بس بیٹے! ماضی میں بہت سے دکھ اور بہت سے سکھ ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں انہیں بھول جانا ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

"جی! معافی چاہتا ہوں۔ آپ نے ایک لفظ کہا۔ تو اس کا جواب دینے پر مجبور ہوگیا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کے سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں آپ نے اسے جو طریقہ کار بتایا ہے۔ وہ بے حد مناسب ہے۔ ایک اور بات بھی میرے ذہن میں آئی ہے۔ وہ یہ کہ تھوڑا سا اس ماحول کا جائزہ لے لیا جائے تو ہمیں ہمارا کام کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔ اس وقت بہتر یہ ہوگا کہ خود فوزیہ رحمان کو میرے بارے میں علم نہ ہوتا۔ اور کسی طرح میں اس کی نگاہوں میں نہ آتا۔"

"اگر ایسا ہوتا تو تم کیا کرتے؟"

"فوزیہ رحمان کے گھر میں داخل ہوکر اس کا تجزیہ کرتا۔" قاضی صاحب نے حیرانی سے مجھے دیکھا اور بولے:

"گویا باقاعدہ وہاں جاکر جاسوسی کروگے؟"

"جی قاضی صاحب' آپ ذرا سا غور کیجئے گا' آپ کی رہنمائی میں' میں نے وکالت کا یہ پیشہ اختیار کیا ہے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں قاضی صاحب کہ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو دولت کے حصول سے گریز کرتے ہوں۔ بڑے قناعت پسند اور بہت ہی اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں وہ لوگ' لیکن ان کی تعداد بہت کم بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے' آپ بہت کچھ حاصل کرسکتے تھے۔ اپنی زندگی میں

اور یہ تاویل قطعی بے معنی ہے کہ آپ کو دولت کی ضرورت نہیں تھی' لیکن آپ نے کچھ اصول بنائے اور انہی اصولوں کو اپنی آسودگی کا رنگ دے لیا' قاضی صاحب میں بھی آپ کی رہنمائی میں اس نگر میں اترا ہوں اور سچ کی تلاش میں سرگرداں ہوں' پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا کیوں رہوں' جب سچ کو تلاش کرنا ہے تو اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد ضروری ہے۔"

"بیٹے کون کہتا ہے کہ ہم دولت مند نہیں ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی زندگی صرف ایک دن کی زندگی ہے' عاقبت کی زندگی کے مقابلے میں تو دنیا میں مال جمع کرنے کی بجائے ہم عاقبت کے لئے کچھ پس انداز کیوں نہ کریں' خدا تمہیں تمہارے اس نیک ارادے کا اجر دے" ٹھیک ہے' آؤ اس بوجھل موضوع سے گریز کریں' تو پھر یہ بتاؤ کہ طریقہ کار کیا اختیار کرو گے -----"

"فوزیہ رحمان کے کہنے کے مطابق احمر نشہ آور ادویات کا عادی ہے' لیکن اس سے پہلے وہ ٹھیک ہو گا اس وقت اس کی شناسائیاں بھی ہوں گی' دوست وغیرہ بھی ہوں گے۔ میں احمر کا ایک قدیم دوست ہوں جو کوئٹہ میں رہتا تھا یا ملک سے باہر چلا گیا تھا یعنی دوبئی شارجہ وغیرہ' تھوڑے سے تحائف لے کر میں اس کی کوٹھی پر پہنچ جاتا ہوں ایک ڈیڑھ ہفتے قیام کے لئے دوبئی سے آیا ہوں۔ بھلا احمر کے علاوہ میرا اور کون دوست ہو سکتا ہے جس کے ساتھ میں یہ وقت گذاروں' اس طرح میں وہاں اپنے لئے ایک جگہ تلاش کر لوں گا اور جہاں تک معاملہ رہا فوزیہ رحمان کا تو بے شک وہ مجھے دیکھ کر چونکے گی لیکن میں اسے سنبھال لوں گا ---------"

قاضی صاحب کچھ سوچ میں ڈوب گئے' پھر بولے۔ "تمہارا مطلب ہے کہ ہم فوزیہ رحمان کو بھی اس سلسلے میں اطلاع نہ دیں -----"

"بالکل' بات اصل میں وہی آ رہی ہے نا کہ ہم نے یکطرفہ طور پر شکایت سنی ہے' یعنی فوزیہ رحمان' شازیہ سلطان کے بارے میں کہتی ہے کہ وہ ایک غلط عورت ہے اور اس نے یہ سارا کھیل کھیلا ہوا ہے' تھوڑا سا پتہ تو چلنا چاہیے کہ کیا اس کے الفاظ بالکل درست ہیں۔ قاضی صاحب ہمارے درمیان گفتگو ہو چکی ہے کہ اس وقت دنیا اس قدر تیز ہو چکی ہے کہ کسی ایک کے کہے ہوئے پر سو فیصدی یقین نہ کیا جائے بلکہ تھوڑا سا ماحول

کا خود بھی جائزہ لے لیا جائے فوزیہ کو بھی اصلی شکل میں دیکھنے کا موقع ملے گا' میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ کاش میں اس وقت یہاں موجود نہ ہوتا تو مجھے بڑی آسانی ہو جاتی ---------"

"ہاں یہ تو ہے ----- لیکن اندازہ بھی تو نہیں تھا کہ کس نوعیت کا کیس ہو گا' ورنہ تمہیں نظرانداز کر دیا جاتا ایسا کرتے ہیں کہ اب یا تو اس عمارت میں کوئی اور کمرہ حاصل کرتے ہیں یا دفتر بدل لیتے ہیں تمہارا آفس میں الگ بنا دوں گا تاکہ" قاضی صاحب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئے اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"خیر یہ بعد کی باتیں ہیں' آپ مجھے یہ بتائیے کہ کیا آپ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔"

"دو سو فیصد کرتا ہوں' قاضی صاحب نے پُراعتماد لہجے میں کہا:

"بس تو مجھے چند روز کی چھٹی چاہیے۔"

پھر ہم موضوع پر تفصیلی بات چیت کرتے رہے تھے اور قاضی صاحب اس میں نکتہ رس کرتے رہے تھے یہاں تک کہ ہم ایک پروگرام پر متفق ہو گئے میرے لئے یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا اور میرا ذہن اس تجربے میں خاصی فرحت محسوس کر رہا تھا اور بہرحال اپنے شہر کراچی کی حیثیت کسی بھی طرح دوبئی' شارجہ یا دنیا کے جدید ترین ممالک سے کم نہیں ہے' کسی کو تحفے وغیرہ دینے کے لئے جو کچھ دوبئی سے حاصل ہو سکتا ہے وہ یہاں سے بھی مل سکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ تحفے انسانی ذہن و دل میں لچک پیدا کرتے ہیں۔

چنانچہ دوسرے دن خاصی خریداری کی گئی اور اچھی خاصی رقم اس مد میں خرچ ہو گئی۔ پھر میں فوزیہ رحمان کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ نہایت خوبصورت بنگلہ تھا اور اس کی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا کہ بڑے لوگ یہاں رہتے ہیں' بنگلے پر چوکیدار بھی تھا' میں نے اسے بتایا کہ میں احمر رحمان کا دوست ہوں' شارجہ سے آیا ہوں تو وہ مجھے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گیا' میرے پاس ایک سوٹ کیس اور ایک سفری بیگ تھا باقی اور ثبوتوں کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی ان کا مہیا ہونا بھی مشکل تھا' جیسے ٹکٹ وغیرہ یہ تمام چیزیں بہرحال حیثیت رکھتی تھیں لیکن میں ان حالات سے نمٹ سکتا تھا جو ان کے

نہ ہونے سے پیدا ہو سکتے تھے چوکیدار نے کہا:

"وہ صاحب جی احمر صاحب کے بارے میں تو مجھے نہیں معلوم کہ ہیں یا نہیں ہیں، لیکن میں اندر جا کر بیگم صاحب کو اطلاع دیتا ہوں۔"

"شکریہ ----- میں نے جواب دیا اور انتظار کرنے لگا اپنے اس نئے کام سے میں بے حد سنسنی خیزی محسوس کر رہا تھا، پھر دروازہ کھلا اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں جہاں سے شازیہ سلطان، احمر یا فوزیہ اندر داخل ہونے والے تھے لیکن جو شخصیت اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر میرے اعصاب بری طرح کشیدہ ہو گئے، ایک لمحے کے لئے میرے چہرے کی جو کیفیت ہوئی اگر اسے باریک بینی سے دیکھا جاتا تو یقینی طور پر دیکھنے والا یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا ہے، جھٹکا لگنے والی بات بھی تھی آنے والا شاکر خان تھا۔

کئی احساسات بیک وقت ذہن میں ابھرے تھے۔ شاکر خان کا اس طرح اچانک سامنے آجانا اس کا یہاں موجود ہونا اور پھر یہ بات کہیں شاکر خان مجھے پہچان نہ لے لیکن اس وقت سوچنے کا بالکل موقعہ نہیں تھا میری بہترین اداکاری اس وقت صورت حال کو ٹال سکتی تھی۔ میں نے اجنبی نگاہوں سے شاکر خان کو دیکھا۔ شاکر خاں کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ غالباً اس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ میرا چہرہ اسے شناسا شناسا سا کیوں لگ رہا ہے؟ پھر وہ دو قدم اور آگے بڑھا اور بولا:

"ہیلو۔"

"جی صاحب۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔ ہماری ملاقات کہیں پہلے بھی ہو چکی ہے۔"

"جی---؟" میں نے پر اخلاق انداز میں مسکراتے ہوئے کہا:

"جی ہاں لیکن مجھے یاد نہیں آرہا کہ میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے؟"

"سر! ہو سکتا ہے آپ نے مجھے مڈل ایسٹ میں کہیں دیکھا ہو؟"

"آپ ملک سے باہر رہتے ہیں؟"

"جی ہاں ایک طویل عرصہ ہو گیا۔ میرا قیام شارجہ میں ہے۔ اور تقریباً چھ سال بعد وطن واپسی ہوئی ہے۔"

"اوہو، اچھا اچھا بعض اوقات چہرے کس قدر دھوکہ دیتے ہیں۔ آپ یقین کیجئے آپ کی صورت میرے ایک ایسے شناسا کی ہے جو مجھے بہت ہی عزیز تھا۔ میں تو آپ کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ شارجہ میں آپ کہاں ملازمت کرتے ہیں۔"

"ایک چھوٹی سی فرم ہے بس اس میں ملازم ہوں۔"

"ٹھیک لیکن یہاں میں آپ کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں جبکہ اس گھر میں میرا اکثر آنا جانا رہتا ہے۔"

"جی میں احمر کا دوست ہوں۔ ہم دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھ چکے ہیں۔"

"گڈ گڈ گڈ یہ مسئلہ ہے۔ کیا آپ نے احمر کو اطلاع کرا دی ہے؟"

"جی ہاں ملازم اسے اطلاع دینے گیا ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد ہی دبلے پتلے جسم کا ایک نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر ایک لمحہ میں یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بیمار شخصیت کا مالک ہے۔ اندر آتے ہوئے بھی اس کے پیروں میں لغزش پیدا ہوئی تھی۔ شاکر خان نے جلدی سے اسے سہارا دیا۔ اور ایک صوفے پر بٹھا کر قریب ہی بیٹھتا ہوا بولا:

"احمر یہ تمہارے دوست ہیں۔ شارجہ سے آئے ہیں" احمر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا۔ پھر حیرت سے بولا:

"مگر میں آپ کو پہچان کیوں نہیں پا رہا؟"

"کمال کر رہے ہو یار۔ اور یہ تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ میں نادر ہوں۔ نادر علی خان۔ بھول گئے مجھے۔ اسکول اور کالج میں ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے۔"

"سوری نادر" سوری اصل میں میری یادداشت بہت خراب ہو گئی ہے۔ ہاں مجھے یاد آرہا ہے یاد آرہا ہے، واقعی تم تو ہو میرے دوست وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ لڑکھڑایا اور میں نے جلدی سے اٹھ کر اسے سنبھال لیا۔"

"کیا حالت ہو گئی ہے تمہاری، احمر کیا حالت ہو گئی۔"

"بس ذرا کچھ بیمار ہوں۔" احمر کی زبان میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی۔"

"فوزیہ کہاں ہیں۔ فوزیہ باجی کہاں ہیں؟" میں ان سے پوچھوں تو آخر تمہاری یہ حالت کیسے ہو گئی؟"

"ارے نہیں فوزیہ کا کوئی قصور نہیں ہے اس میں تم فکر مت کرو ٹھیک ہوجاؤں گا۔ مگر تم بہت دن کے بعد آئے ہو؟"

تمہیں بتا کر گیا تھا میں۔ خط و کتابت بھی ہوتی رہی ہے میری تم سے۔ میں نے کہا تھا کہ شارجہ میں مجھے نوکری مل گئی ہے۔"

"ہاں ہاں' ہاں کہا تھا تم نے۔ احمر بلاوجہ میری ہر بات کی تصدیق کر رہا تھا۔ اپنی کیفیت کو بہتر بنانے کی کوشش میں تھا وہ اور اظہار نہیں ہونے دینا چاہتا تھا وہ کہ اس کی یاداشت بہت خراب ہوگئی ہے۔ پھر اس نے کہا:

"وہ تم شارجہ سے آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"کہیں نہیں میں نے سوچا کہ پہلے تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ فوزیہ باجی کہاں ہیں میں پوچھ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں سمجھ میں نہیں آرہا۔ میں دیکھتا ہوں۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن شاکر خان جلدی سے بولا:

"احمر تم بیٹھو میں فوزیہ کو بلا کر لاتا ہوں۔" اور پھر شاکر خان باہر نکل گیا۔ احمر اب بھی اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔

"میرے دوست! تم تو ایک تندرست و توانا آدمی تھے اور ہم دونوں بہت زیادہ ساتھ رہا کرتے تھے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ چھ سال میں تمہاری حالت یہ ہوجائے گی۔"

"بس بیماری کو کون ٹال سکتا ہے؟ لیکن تم میری بات سنو۔ تم یہیں قیام کرو۔ میں خود کہوں گا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ پھر چند ہی لمحے گزرے تھے کہ نہ صرف فوزیہ رحمان بلکہ اس کے ساتھ دو شخص بھی اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک نوجوان عورت جو ایک حسین لباس میں ملبوس تھی۔ اور دوسرا ایک تندرست و توانا مرد جو ورزشی بدن کا مالک تھا اور چہرے کے نقوش سے اور اپنے رنگ و روپ سے یورپ کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ لباس بھی اس نے بہت شاندار پہنا ہوا تھا۔ فوزیہ کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے

عجیب سی کیفیت نمودار ہوئی۔ اور وہ مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ تو میں نے کہا:

"ہیلو فوزیہ باجی! اب آپ شاید مجھے پہچاننے سے انکار کردیں گی بابا یہاں کا ماحول ہی بدل گیا ہے میں نادر علی خان ہوں احمر کا دوست ہم دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔ اور میں آپ سے مل کر شارجہ گیا تھا۔" فوزیہ نے ایک لمحہ کے اندر اندر سب کچھ سنبھال لیا۔ صورت حال اس کو سمجھ گئی اور آگے بڑھ کر بولی:

"ارے نادر کتنے تبدیل ہوگئے ہو تم۔ تم نے تو اپنا حلیہ ہی بدل لیا بھئی کمال ہے۔ ویری گڈ ویری گڈ۔ احمر پہچان لیا نا تم نے نادر کو؟"

"ہاں کیوں نہیں؟ ہم اسکول میں ساتھ ساتھ پڑھے ہیں اور کالج میں بھی۔" احمر مستانہ انداز میں بولا۔

کافی عرصہ ہوگیا بہت عرصہ ہوگیا۔ کتنا عرصہ ہوگیا اندازا؟" فوزیہ نے مجھ سے ہی سوال کیا۔ بڑی عمدگی سے وہ صورت حال کو نبھا رہی تھی۔

"مجھے تقریباً ساڑھے چھ سال ہوگئے۔"

"اس دوران آئے نہیں؟"

"پہلی بار آیا ہوں۔ میرا تھا ہی یہاں کون؟ جس کے لئے آتا۔ بس وطن کی یاد ستائی۔ آپ لوگ یاد آئے تو میں نے سوچا کہ جا کر دیکھوں۔ اہل وطن مجھے بھول گئے ہیں۔ یا میں انہیں یاد ہوں؟" میں نے کہا:

شاکر خان غائب ہوگیا تھا۔ لیکن جب ہم ڈرائنگ روم میں صوفہ پر بیٹھ گئے تھے تو میں نے ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی پر ایک ہلکا سا سایہ دیکھا۔ اندازہ ہوا کہ کھڑکی کے پیچھے کوئی ساکت و جامد کھڑا ہوا ہے۔ سایہ انسانی ہی تھا۔ میرے ذہن میں شاکر خان کا تصور ابھرا تھا۔ بہرطور یہ ایک سنسنی خیز بات تھی۔ اور یہ سوچ بھی دامن گیر تھی کہ شاکر خان کا یہاں کیا کام؟" فوزیہ نے دونوں افراد سے تعارف کراتے ہوئے کہا:

"یہ میری ممی ہیں شازیہ اور یہ ممی کے کزن احسان ہیں۔"

"ہیلو!" میں نے گردن خم کی اور شازیہ سلطان نے سرد نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا:

"ہیلو۔ ویسے میں نے اس گھر میں پہلے کبھی آپ کا نام نہیں سنا۔ نادر علی صاحب۔"

"کیا کہہ سکتا ہوں؟ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ احمر میرا بچپن کا دوست تھا اور اس گھر سے میرے گہرے روابط رہے ہیں۔"

ٹھیک ہے بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں کے آنے سے۔ آپ غالباً یہیں قیام کریں گے۔"

"ہاں میں یہاں موجود ہوں تو نادر اور کہاں جائیں گے۔" احمر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا:

"ہاں ہاں کیوں نہیں کیوں نہیں؟" پھر اس کے بعد مجھے وہاں رہنے کے لئے کمرہ دے دیا گیا۔ شازیہ سلطان اور احسان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ کس قسم کے لوگ ہیں لیکن کچھ سنجیدہ سنجیدہ سے نظر آئے تھے۔ احمر اس وقت بھی میرے ساتھ موجود تھا۔ اور کہہ رہا تھا:

"میں سمجھ نہیں پاتا کہ میری بیماری کیا ہے؟ بس یوں سمجھ لو کہ لگتا ہے جیسے بدن گل سڑ گیا ہے، ہڈیاں تک بیکار ہوگئی ہیں۔"

"میں آگیا ہوں احمر تم بالکل بے فکر رہو۔ میں تمہارا بہترین علاج کراؤں گا۔ بھلا مجال ہے کسی کی جو تمہیں نقصان پہنچا دے۔"

"ہاں تم آگئے ہو۔ ہم دونوں بہن بھائی تو بڑے اکیلے رہ گئے ہیں۔ ہماری مدد کرنا۔"

"میں نے کہا تم بالکل بے فکر رہو۔" میں نے احمر سے کہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فوزیہ آگئی۔ اس نے احمر سے کہا:

"احمر بھائی زیادہ نہ بیٹھا کرو۔ ڈاکٹر نے کتنی بار منع کیا ہے تمہیں کہ بہت دیر تک بیٹھنا تمہاری صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ اب تھوڑی دیر آرام کرلو۔ اور نادر آپ بھی پلیز ذرا سا خیال رکھئے گا۔ ڈاکٹروں نے احمر کو بہت سختی سے آرام کی ہدایت کی ہے۔"

"جی جی جی جاؤ احمر آرام کرو۔" فوزیہ احمر کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس آگئی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا:

"معافی چاہتی ہوں آپ منصور ہیں نا؟ میں تو آپ کو یہاں دیکھ کر حیران رہ گئی۔"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ اچانک؟"

"ہاں بس۔ آپ سمجھ لیجئے کہ حالات کا تجزیہ کرنے کے لئے میرا یہاں آنا ضروری تھا۔"

"آپ نے بڑا شاندار کردار ادا کیا ہے۔ واقعی بہت بڑی بات ہے۔ آپ نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔"

"جی۔ دوسرے احسان صاحب ہی تھے نا؟"

"جی ہاں اور آپ نے ان کی سرد روی کو بھی دیکھا۔"

"ظاہر ہے اس وقت میں ان کے ذہن پر بھاری پڑا ہوں گا۔"

"اور احمر کو بھی دیکھا آپ نے؟" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"جی۔"

"ویسے آپ نے واقعی بڑی محنت کی ہے۔ آپ یقین کیجئے! آپ کے آجانے سے مجھے ایک دم سے حوصلہ ملا ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔"

"جی! میں آپ لوگوں کے لئے کچھ تحائف بھی لایا ہوں۔"

"جی۔" وہ عجیب سے انداز میں بولی۔ بہرحال میں نے محسوس کیا کہ وہ کافی خوش ہے۔ میں اس کی تنہائی کا بھی اندازہ لگا رہا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے ان دونوں کا بھی تجزیہ کیا تھا۔ شازیہ کے چہرے کی بناوٹ سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک سخت مزاج عورت ہے۔ بہت خوبصورت تھی۔ اور احسان کے ساتھ بہت جچتی بھی تھی۔ احسان بھی خاصی شاندار شخصیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ اور اب مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان بڑی احتیاط سے مجھے کام کرنا پڑے گا۔ رات کے کھانے پر شازیہ کا انداز ہی بدلہ ہوا تھا۔ احسان اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں نے شازیہ اور فوزیہ کو بھی وہاں دیکھا اور احمر کے بارے میں پوچھا۔

"احمر تو اس کے بعد سے مجھے ملا ہی نہیں حالانکہ میں اسی کے لئے یہاں آیا ہوں۔"

"تمہیں پتہ ہے نادر، بلکہ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ وہ کس قدر بیمار ہے۔ اس کی بیماری اصل میں کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتی۔"

"کیا مطلب۔ کیا آپ نے اسے اچھے ڈاکٹروں کو نہیں دکھایا؟"

"یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم نے ایسا نہ کیا ہو؟ لیکن کوئی بھی ڈاکٹر صحیح طور پر نہیں بتا سکتا کہ اس کی بیماری کیا ہے؟ اور سچی بات میں بتاؤں آپ کو نادر کہ مجھے ڈاکٹروں پر اب بھروسہ بھی نہیں رہا ہے۔ اور کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی ہے میری۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے۔" فوزیہ کی آواز میں ایک لمحے کے لئے بھراہٹ ابھری تو شازیہ نے کہا:

حالانکہ میں فوزی کو سمجھاتی ہوں۔ دنیا میں کون سا مرض ہے جس کا علاج نہیں ہے۔ لیکن فوزی کچھ زیادہ ہی بددل ہو گئی ہیں۔ اب آپ یوں کیجئے کہ احمر کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایئے۔" شازیہ کا لہجہ اس کے چہرے کی نسبت بہت نرم تھا۔ میں نے اس طرف خاص طور سے غور کیا تھا۔ فوزیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب میں نے کہا:

"وہ آپ کے کزن کیا نام ہے ان کا؟"

"احسان۔" شازیہ بولی۔

"وہ موجود نہیں ہیں۔"

"اپنی مرضی کا مالک ہے احسان۔ میری الجھنوں کے بعد میرے ساتھ رہتا ہے۔ بڑا سہارا ہے ہمیں اس کا کیوں فوزی؟"

"جی ممی۔" فوزیہ نے کہا۔ مجھے یوں لگا جیسے ممی کہتے ہوئے فوزیہ کے لہجے میں ہلکا سا طنز پیدا ہو گیا ہو۔ میں نے البتہ اسے ابھی تک کوئی ایسا نام نہیں دیا تھا۔ کھانے سے فراغت ہو گئی تو فوزیہ نے کہا:

"نادر! کوئی اور کام تو نہیں ہے؟"

"وہ فوزیہ باجی اصل میں میں کچھ تھوڑے سے تحائف لایا تھا آپ لوگوں کے لئے۔"

"ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟"

"نہیں پلیز۔ آپ بھی آیئے میرے ساتھ۔" میں نے شازیہ سے کہا:

"بھئی میرا تو ان تحائف پر کوئی حق نہیں بنتا۔"

"مجھے آپ کے بارے میں معلوم نہیں تھا ورنہ میں خصوصی طور پر آپ کے لئے

خریداری کرتا۔ آپ آیئے نا۔" پھر میں نے وہ تمام چیزیں ان کے حوالے کیں۔ احمر کے لئے بھی کچھ تھا۔ فوزیہ کے ساتھ ساتھ شازیہ بھی میرے ذہن میں تھی۔ تحفے تحائف انسان کو کچھ قریب لے آتے ہیں۔ شازیہ نے خاصے اچھے احساس کا اظہار کیا تھا۔ اور میں نے فوزیہ سے کہا تھا:

"احمر سو گیا ہے۔"

"کل دن میں یہ آپ سب سے ملاقات کرے گا اس وقت اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہے۔"

"جی۔"

"ویسے آپ کا کتنا عرصہ یہاں قیام رہے گا نادر؟" فوزیہ نے پوچھا۔

"فوزیہ باجی! جب آپ کہیں گی میں چلا جاؤں گا۔"

"کیا میں نے اس لئے یہ بات کہی ہے میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ۔"

"ہاں بس ذرا دیکھوں گا۔ ابھی تو آیا ہوں۔ اس بات کو بڑے خلوص سے کہہ رہا ہوں کہ یہاں اگر آپ لوگوں کو میری وجہ سے ذرا بھی تکلیف ہو تو آپ یقین کیجئے! میں بڑی خوشی سے کسی ہوٹل میں قیام کر لوں گا۔ اور صبح شام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں گا۔"

"یہ کہہ کر تم ہمارے منہ پر تھپڑ مار رہے ہو نادر" فوزیہ نے کہا:

"نہیں فوزیہ باجی! آپ جانتی ہیں کہ میں احمر سے کتنا مخلص ہوں۔" میں نے کہا۔

بات ختم ہو گئی۔ تمام معاملات طے ہو گئے۔ فوزیہ بھی چلی گئی۔ اور شازیہ بھی۔ اور میں ان دلچسپ خیالات کے بارے میں سوچنے لگا لیکن ان دلچسپ خیالات کے ساتھ ساتھ کچھ اور احساسات بھی میرے ذہن میں تھے۔ جب تک یہاں کے بارے میں مکمل معلومات نہ حاصل کر لی جائیں مجھے یہاں قیام کرنا ہو گا۔ ساری دنیا سے کٹ کر لیکن میں یہاں ایسا ماحول پیدا کروں گا تو فوزیہ تو خیر ہے ہی; احسان اور شازیہ بھی میری قربت اختیار کریں۔ احسان کے لئے بھی میں نے نہایت قیمتی تحائف شازیہ کو دیئے تھے۔ پھر دوسرے دن ناشتے کے بعد فوزیہ نے کہا:

"نادر تم احمر کے ساتھ وقت گزارو۔ وہ ذرا دیر سے اٹھنے کا عادی ہے۔ گیارہ بارہ

بجے اگر اٹھ جائے تو چاہو تو اسے لے کر کہیں گھومنے نکل جانا۔ ہوا خوری اس کے لئے بہت ضروری ہے۔ مگر ڈر ہے وہ کہیں نکلنا ہی نہیں۔"

"آپ فکر نہ کیجئے فوزیہ باجی! میں اسے ٹھیک کر کے ہی واپس جاؤں گا۔" میں نے کہا:

"خدا کرے۔" فوزیہ نے مغموم انداز میں گردن ہلا دی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ فوزیہ کس کام سے جا رہی ہے۔ لیکن بہرحال وہ باہر نکل گئی۔ یہ اندازہ میں نے اچھی طرح لگا لیا تھا کہ ان لوگوں کے حالات کافی اچھے ہیں۔ رحمان بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے۔ جس کے سلسلے میں اس گھرانے میں کشمکش چل رہی ہے۔ زندگی کا یہی انداز ہوتا ہے۔ دولت کے لئے انسان نہ جانے کیا کیا جرائم کرلیتا ہے۔ حالانکہ زندگی ایک انتہائی بے کس اور بے چیز ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب شام ہوجائے۔ اور سب کچھ یہیں کا یہیں رہ جائے۔ لیکن انسان یہ سب کچھ کہاں سوچتا ہے؟ اگر زندگی کا مقصد صرف دولت ہو تو سوچیں ٹھیک جاتی ہیں۔ صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور قدم نہ جانے کہاں سے کہاں نکل پڑتے ہیں۔ فوزیہ تو چلی گئی تھی۔ میں احمر کا کمرہ تلاش کرتا ہوا وہاں تک پہنچا۔ دروازے کو آہستہ سے اندر دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ سامنے نگاہ دوڑائی۔ تو احمر گہری نیند سو رہا تھا۔ میں اندر داخل ہوگیا۔ اس کے قریب کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ واپس پلٹا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی باہر قدم رکھا میری نگاہ شازیہ پر پڑی۔ سفید لباس میں ملبوس اس وقت بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی طاری تھی کہنے لگی:

"دوستی ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔ میں دیکھ رہی تھی آپ کو نادر۔ آپ کے چہرے پر غم کے تاثرات بکھرے ہوئے تھے وہ ابھی سو رہا ہے۔ بارہ ایک بجے سے پہلے نہیں جاگے گا۔ اور اگر اس کی کیفیت بہتر ہوئی تو آپ سے ملے گا ورنہ عام طور سے وہ اپنے کمرے میں ہی گھسا رہتا ہے۔ فوزیہ نے یہ بات کہہ تو دی کہ آپ اسے باہر لے جائیے لیکن یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

"ہیلو! لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ میں آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کروں؟" میں نے کہا۔ اور شازیہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے پھر وہ کہنے لگی۔

"آیئے اگر مناسب سمجھیں تو تھوڑا وقت مجھے بھی دے دیجئے۔"

ہاں ہاں کیوں نہیں میں نے کہا اور شازیہ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں ہی لے گئی تھی۔ غالباً بیڈ روم میں لے جا کر کسی کو شک کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ ایئرکنڈیشن ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر بیٹھ کر اس نے مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی:

ہاں آپ کیا کہہ رہے تھے؟ آپ مجھے کیا کہہ کر مخاطب کریں؟"

"معاف! کیجئے گا۔ فوزیہ باجی آپ کو ممی کہتی ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے آپ کی اور ان کی عمر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ میں کسی قیمت پر آپ کو ممی نہیں کہہ سکتا۔" وہ مسکرائی پھر بولی۔

"خیر میں کسی کمپلیکس کا شکار نہیں ہوں۔ کوئی مجھے کچھ بھی کہے کہتا رہے۔ میرے اپنے جذبے پاک ہیں۔ لفظوں سے کیا ہوتا ہے؟ ویسے نادر آپ احمر کے دوست ہیں نا میں چاہتی ہوں کہ احمر تندرست ہوجائے اسے نئی زندگی دینے کے لئے اگر آپ تھوڑا سا وقت اس کے لئے مخصوص کر دیں تو نادر مجھے دلی خوشی ہوگی۔"

"کیوں نہیں؟ آپ یہ بتائیے! میں آپ کو شازیہ کہہ سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ جب تم فوزیہ کو فوزیہ باجی کہتے ہو تو میرا نام لینا بالکل اچھا نہیں ہوگا۔ تم بھی چاہو تو مجھے ممی کہہ لیا کرو۔ آنٹی کہہ لیا کرو۔ یا اگر یہ نہیں کہنا چاہتے تو میڈم کہہ کر مخاطب کرلو۔"

"میڈم عجیب تو نہیں لگے گا۔"

"لگے گا لیکن مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے" میں نے کہا:

"ویسے تم بھی کیا سوچ رہے ہوگے میرے بارے میں۔ زبردستی سر پڑنے والی بات ہے۔ لیکن تم یقین کرو بس ایک عجیب سا لگاؤ محسوس ہوا تم سے۔ سوری میں آپ کی جگہ تم کا لفظ استعمال کر رہی ہوں۔"

"جب لفظوں سے کچھ نہیں ہوتا میڈم! تو آپ کسی بھی طرح مجھے مخاطب کریں۔"

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ویسے میں آپ کے بارے میں تھوڑا سا جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہاں میں بھی چاہتی ہوں کہ تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں۔ تمہیں میرا رشتہ تو معلوم ہی ہو چکا ہو گا۔ نام بھی تمہارے علم میں ہے۔ مختصر یہ بتاؤں کہ رحمان مرحوم خوشی سے مجھے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس عہد و پیمان کے ساتھ کہ میں ان کے بچوں کے لئے ایک اچھی ماں بھی ثابت ہونگی۔ میں کچھ بھی نہ ثابت ہو سکی۔ بس انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اس دنیا میں تنہا چھوڑ دیا۔ اور بہت سی ذمہ داریاں میرے سپرد کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ شاید تم یقین نہ کر پاؤ نادر کہ میں نے اس کے بعد کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں۔ میں بالکل برائی نہیں کر رہی فوزیہ یا احمر کی۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ دونوں میرے ساتھ تعاون پر آمادہ نہیں ہیں۔ ادھر کاروبار کا بوجھ ظاہر ہے میں بھی انسان ہوں میں کسی بھی طرح رحمان کی کمائی کو مٹی میں ملانا نہیں چاہتی تھی۔ اور تنہا میں اسے سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ بحالت مجبوری میں نے احسان کو اپنی مدد کے لئے آمادہ کر لیا۔ احسان بہت اچھا انسان ہے میرا کزن ہے۔ وہ کسی قدر سخت گیر ہے۔ لیکن ہر ایک کے ساتھ نہیں۔ بہت اچھا انسان ہے وہ۔ اور اب میں تم سے احمر کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ احمر نے صرف یہ سوچا کہ میں اس کی سوتیلی ماں ہوں۔ اور تھوڑا سا وہ حالات سے برگشتہ ہو گیا۔ لیکن برگشتگی اسے بہت برے راستوں پر لے گئی۔ فوزیہ شاید تمہیں کبھی نہ بتائے لیکن میں ان سب سے مخلص ہوں۔ کسی کے لئے مری نہیں ہوں میں۔ احمر نے نشہ کی عادت ڈال لی۔ وہ ہیروین پیتا ہے۔ اگر تم راز کی بات کرو تو کوئی کسی کو مجبور کیسے کر سکتا ہے؟ جب تک کہ خود انسان اپنے علاج پر آمادہ نہ ہو۔ اس کی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ مجھے اس کا کتنا غم ہے۔ لیکن بات وہیں آجاتی ہے۔ فوزیہ مجھے سوتیلی ماں کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ارے میں کہتی ہوں کہ رشتہ کچھ بھی ہو۔ انسان ہونا تو انسان ہی ہے نا۔ اور اس کی فطرت میں محبت شامل ہوتی ہے۔ میں کس طرح اسے موت کے منہ میں جانے دوں۔ لیکن آگے بڑھ کر کچھ کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو مجھ پر شک کیا جا سکتا ہے۔ خدا نخواستہ اگر اسے کوئی نقصان پہنچ گیا اور میری کوششوں کے بعد پہنچا تو نہ جانے کیا کیا الزام لگائے جائیں مجھ پر۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن کاش میرے علم میں یہ سب کچھ ہوتا۔ کاش مجھے

دیکھو! تم نے جتنا اپنے بارے میں ظاہر کیا ہے نادر۔ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں احمر کے لئے محبت ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تم یہاں کتنے عرصے کے لئے آئے ہو۔ لیکن یہ درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی کہ خدا کے لئے احمر کا علاج کراؤ۔ کوشش کرو کہ وہ بہتر ہو جائے۔ میری طرف سے اس کا دل صاف کرو۔ تم ان دونوں بہن بھائیوں سے کہو۔ جو کچھ ان کے سینے میں چھپا ہوا ہے مجھے بتائیں۔ وہ سب کچھ کروں گی۔ سب کچھ" اس کی آواز بھرا گئی۔ اور میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا:

"نہیں میڈم آپ مطمئن رہیں مصروفیات چاہے کتنی ہی ہوں بہرحال میں اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔" اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔"

"آئی ایم سوری میں تم سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت چاہتی ہوں۔ دوپہر کا کھانا تنہا ہی کھا لینا۔ فوزیہ بھی گئی ہوئی ہے۔ احسان بھی نہیں ہے۔ پلیز وہ آنسو پونچھتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور میں گردن ہلانے لگا۔ بہت سی باتیں ابھی تشنہ رہ گئی تھیں۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ میں نے اس دوران شازیہ کے چہرے پر بھی نگاہ رکھی تھی۔ لیکن شاید ابھی اپنے تجربے کو مکمل نہیں کر سکا تھا کہ اس کے صحیح تاثر کا اندازہ لگا سکتا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شاکر خان کی یہاں کیا حیثیت تھی۔ سب سے بڑی ذہنی چبھن یہی تھی لیکن اس کے لئے فوری طور پر کسی کے سامنے زبان نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ جب تک کہ صورت حال خود میرے علم میں نہ آئے۔

وقفہ ضروری ہوتا ہے کون کیا ہے اس کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا نہایت مشکل کام ہے۔ بس تھوڑا سا وقت کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے لئے ضروری نہیں تھا کہ میں یہاں رکوں اور میں نے یہی فیصلہ کیا کہ کچھ وقت کے لئے باہر نکلا جائے۔ ایک اور خیال بھی دل میں تھا شاکر خان مجھے یہاں دیکھ چکا ہے۔ ہرچند کہ اس کے چہرے کی الجھن بتاتی تھی کہ وہ اس کشمکش کا شکار ہے۔ کہ میں کون ہوں! جانتا تو ہے وہ مجھے لیکن اس روپ میں نہیں جانتا ہوگا۔ بات اس کی عقل میں بھی نہیں آتی ہوگی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ باہر نکلنے کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ کوئی میرا تعاقب نہیں کر رہا ہے تو ایک ٹیکسی روکی اور اس میں

بیٹھ کر کورٹ چل پڑا۔ اندازہ یہ تھا کہ ابھی قاضی صاحب کورٹ میں ہی ہونگے۔ کئی عدالتوں میں بھاگنے کے باوجود قاضی صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا تو انہیں بار روم میں دیکھا۔ بار روم میں قدم رکھا تو سامنے ہی حجاب نظر آگئی۔ مجھے دیکھ کر ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔ بہرحال اس سے میرا کوئی جھگڑا نہیں۔ میں نے اسے سلام کیا تو وہ بولی:

"خیریت سے ہیں کیا بات ہے کئی دن سے کورٹ میں نظر نہیں آئے۔"

"ہاں نہیں ذرا کوئی ایسا خاص کام بھی نہیں تھا۔" حجاب نے کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولی۔

"کھانا کھالیا؟"

"نہیں کیوں خیریت؟"

"لنچ کی پیش کش کرنا چاہتی ہوں۔ اگر برا نہ محسوس کریں۔ قاضی صاحب کہاں ہیں؟"

"انہیں ہی تلاش کرتا ہوا یہاں بھی پہنچا تھا۔"

"نہیں میرا خیال ہے وہ واپس جاچکے ہیں۔ میں نے انہیں واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کار خود ڈرائیو کر رہے تھے۔"

"ہاں میں ذرا باہر نکلا ہوا تھا۔"

"تو پھر کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں نے کھایا نہیں ہے چلئے کہیں کھالیں۔" میرے ان الفاظ پر وہ ایک لمحہ کے لئے حیران ہوئی۔ پھر میں نے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے۔ اسی کی کار میں ہم ایک اچھے ہوٹل پہنچے تھے۔ میری اس نرم روی سے وہ کافی خوش نظر آرہی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد اس نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر دیا۔ اور ویٹر کے جانے کے بعد مجھ سے کہنے لگی:

"آپ یقین کیجئے منصور! آج آپ کے رویے کو بہتر دیکھ کر مجھے بڑی دلی مسرت ہو رہی ہے۔ آپ منصور آپ۔ مجھے ہمیشہ یوں لگا ہے جیسے، جیسے آپ ہم سے دور رہنا چاہتے ہوں۔ منصور! آپ بھی سوچیں گے کہ میں نہ جانے کس قسم کی لڑکی ہوں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ اس وقت کچھ بھی سوچ لیجئے میں آج آپ سے دل کی ہر بات کہہ دوں گی۔" میں

نے ایک اچٹتی سی نظر حجاب پر ڈالی پھر آہستہ سے کہا:

"حجاب اگر آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں تو بے فکر ہو کر کہئے۔ کیا بات ہے؟ اور اگر آپ نے میرے اندر کوئی ایسی بات محسوس کی ہے جس سے آپ کو میرے کچھ ہونے کا احساس ہوا ہو تو آپ مجھے بتایئے۔ میں اپنی تصحیح کرلوں گا۔"

"منصور صاحب! آپ نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔ دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ میں کوئی جاہل لڑکی نہیں ہوں کہ دل کی بات کہتے ہوئے مجھے پسینہ آجائے۔ منصور صاحب آپ کی شخصیت میں شروع ہی سے مجھے ایک انوکھی شخصیت پوشیدہ نظر آئی ہے۔ اور جو انوکھی شخصیت میں نے دیکھی ہے خاصی پرکشش محسوس ہوئی۔ آپ یقین کیجئے آپ میرے آئیڈیل انسان رہے ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے بارے میں اسی انداز میں سوچا تھا جب میں نے آپ سے کینٹین سے کچھ منگایا تھا اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے میری اس جرات کو نظرانداز کردیا تھا۔ بعد میں آپ ایک سحرانگیز شخصیت کے ساتھ سامنے آئے میں اس دن کی بات کررہی ہوں جب پہلی بار اس تقریب میں مجھے پتہ لگا کہ درحقیقت آپ تو ایک شاندار وکیل کی حیثیت سے منظرعام پر آنے والے ہیں۔ ڈیڈی کا ہی نہیں اب تو میرا بھی یہی خیال ہے کہ قاضی صاحب نے اچانک ذہانتوں کے جو جھنڈے گاڑنے شروع کئے ہیں۔ وہ آپ کی مرہون منت ہیں۔ مجھے معاف کیجئے گا میں کسی برائی سے یہ بات نہیں کہہ رہی بس اپنے دل کی بات آپ کو بتا رہی ہوں۔ منصور صاحب! میں ذہنی طور پر آپ سے متاثر ہوں۔ مجھے معاف کیجئے گا اگر آپ کے دل میں میرے لئے کوئی خاص کدورت نہیں ہے تو آپ' تو آپ" وہ کوشش کے باوجود جملہ پورا نہیں کرسکی۔ میں خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بہرحال وہ مجھے اس وقت بری نہ محسوس ہوئی۔ بلکہ اس کے اندر مجھے نسوانیت کا ایک روپ نظر آیا۔ وہ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں نے اسے خاموش نگاہوں سے دیکھا۔ اس نے ایک جھجکتی سی نظر مجھ پر ڈالی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے تھے پھر وہ حجاب آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی:

"بس میرا دل ہلکا ہوگیا۔ ضروری نہیں ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کے خیالات سے متفق ہوجائے۔ لیکن۔ کہہ دینے کی جو آرزو میرے دل میں تھی وہ پوری ہوگئی

ہے۔ شاید اس سے زیادہ میں آپ سے اور کچھ نہ کہہ پاؤں ہاں میرے کان آپ کی آواز سننے کے منتظر رہیں گے۔"

"حجاب آپ بہت اچھی لڑکی ہیں۔ بلاشبہ آپ بہت اچھی لڑکی ہیں۔ اور جہاں تک ساجد علی شاہ کا تصور ہے۔ آپ یقین کیجئے میں اپنے سینئروں کا بہت احترام کرتا ہوں اور کروں گا بھی۔ میں تو ابھی ان کے سامنے ایک طفل مکتب ہوں۔ میں بھلا ان کا سامنا کرنے کی جرات کیسے کرسکتا ہوں؟ ہاں حجاب صاحبہ! یہ بات میرے دل میں ضرور ہے کہ ہم جس پیشے سے منسلک ہیں۔ اس میں ہم پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں۔ نظام احمد قاضی میرے استاد محترم ہیں۔ بلکہ یہ کہوں گا میں کہ میری شخصیت کے تعمیر کنندہ بھی ہیں۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے اپنے عہدے سے کام لوں اور انشاء اللہ یہ میں کروں گا۔"

"کرنا چاہیے۔ میں بھی آپ کی اس بات سے بالکل متفق ہوں۔ کہ جو کیس آپ کے پاس آجائے یہ سمجھ کر اس پر عمل نہ شروع کردیا جائے کہ آپ کو اس کی فیس آپ کا معاوضہ ملنا ہے۔ بلکہ ایک دردمند کو پوری دردمندی کے ساتھ انصاف مہیا کرانا وکالت کا وقار ہے۔ معاف کیجئے گا اپنی ڈیڈی کی بالکل برائی نہیں کررہی۔ چونکہ ان کی اولاد ہوں لیکن ان کے انداز سے مجھے بھی اختلاف ہے۔ اور مستقبل میں کم از کم پیشے کے انداز سے میرے اور میری ڈیڈی کے راستے مختلف ہوجائیں گے۔ میں اپنے اختیارات سے کام لے کر انہیں روکوں گی کہ ہر کیس کو صرف کیس سمجھ کر نہ لڑا جائے بلکہ حقیقتیں تلاش کی جائیں۔ تاکہ عدالت میں انصاف مہیا کرایا جاسکے۔ خیر یہ باتیں اپنی جگہ رہیں۔ میں نے آپ کی باتوں میں مداخلت کی ہے۔"

"نہیں حجاب! آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔ میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ اور آپ نے جس طرح اپنے دلی جذبات کا اظہار کرکے میری عزت افزائی کی ہے میں اسے نظرانداز نہیں کرسکوں گا۔ البتہ آپ سے صرف یہ عرض کروں گا کہ میری زندگی کا ایک مشن ہے۔ اس مشن کی تکمیل کرلینے دیجئے مجھے۔ اس کے بعد میں دنیا کے دوسرے معاملات میں قدم رکھوں گا۔ اور آپ میری ہمسفر ہونگی۔" حجاب نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اچانک ہی اس کی آنکھوں میں زندگی دوڑ گئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا:

"شکریہ! شکریہ منصور" تھوڑی دیر کے بعد کھانا آگیا ہم لوگوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ جب حجاب اٹھتے ہوئے بل ادا کرنے لگی تو میں نے کہا:

"اور اب ہمارے تعلقات کا رخ بدل گیا ہے حجاب! اس لئے براہ کرام مجھے میرا فرض پورا کرنے دیجئے۔"

"جی ٹھیک ہے یہ تعمیل حکم ہے ورنہ اصولی طور پر بل مجھے ادا کرنا چاہیے کیونکہ میں نے آپ کو پیش کش کی تھی۔"

"اب اصول کو جانے دیجئے" میں نے کہا اور میرے ان الفاظ نے اس کے چہرے کی گلابیاں گلاب کردیں۔ بل ادا کرنے کے بعد ہم اٹھ گئے۔ حجاب نے پوچھا:

"اب آپ یہاں سے کہاں جائیں گے دفتر؟"

"نہیں بس آپ مجھے ٹیکسی اسٹینڈ تک چھوڑ دیجئے"

"نہیں نہیں میں آپ کو جہاں جانا ہوگا وہاں چھوڑ کر آؤں گی۔ ہم دنیا سے اتنا ڈریں گے نہیں منصور صاحب۔"

"بالکل نہیں ڈریں گے مگر آپ مجھے ٹیکسی اسٹینڈ تک ہی چھوڑ دیجئے۔" اس نے ایک نگاہ مجھے دیکھا اور گردن ہلا دی۔ اور اس کے بعد میری خواہش کے مطابق اس نے مجھے ٹیکسی اسٹینڈ پر ہی چھوڑا تھا۔ اور وہاں سے ٹیکسی کرکے میں واپس علی رحمان کی کوٹھی کی طرف چل پڑا تھا۔ کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوا اور پھر راہداری میں پہنچا اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا کہ فوزیہ نظر آگئی۔ اس کا چہرہ رویا رویا سا ہو رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پھر اس نے کہا:

"منصور صاحب خدارا ذرا ادھر آیئے۔" ادھر تو آیئے اس کے لہجے میں آنسو گھلے ہوئے تھے۔ میں چونک کر تیز رفتاری سے اس کی جانب بڑھ گیا۔

"آیئے ذرا آیئے۔" وہ بولی اور مجھے احمر کے کمرے میں لے گئی۔ احمر اس وقت مسہری پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ رنگ پیلا ہو رہا تھا۔ فوزیہ کے حلق سے سسکیاں سی نکل گئیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"دیکھئے آپ' دیکھئے اسے ذرا۔ یہ کچھ عرصہ قبل سرخ اور سفید رنگت کا مالک تھا۔

اب آپ اس کی حالت دیکھ رہے ہیں۔ اس کی سسکیاں تیز ہوگئیں۔ اور اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔"

"نہیں فوزیہ صاحبہ! آپ کو ہمت سے کام لینا ہوگا۔ آپ براہ کرم اپنے آپ کو اس قدر ہلکان نہ کیجئے۔ بات سنبھالے ہی سنبھالنی پڑے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں احمر کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔ اچھا یہ بتایئے اس وقت گھر پر کون کون ہے؟"

"وہ دونوں گئے ہوئے ہیں۔ یعنی احسان اور شازیہ۔" ایک دم سے میرے ذہن میں پھر شاکر خان کا خیال آیا تھا۔ لیکن میں نے فوراً ہی اس موضوع پر بات نہیں کی تھی اس سے۔ ابھی ہر طرح کی احتیاط ضروری تھی۔ میں نے کہا

"فوزیہ آخر احمر کی اس حالت کا علاج تو کرایا جارہا ہوگا۔"

"ہاں ہو رہا ہے علاج۔"

"اس کا ڈاکٹر کون ہے؟" "ڈاکٹر زاہد۔ زاہد قریشی۔"

"آپ کو اس ڈاکٹر پر اعتبار ہے؟"

"نہیں بالکل کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ میرا دماغ تو ماؤف ہوتا جارہا ہے۔ ڈاکٹر زاہد کا کہنا ہے کہ یہ علاج صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب احمر اپنے آپ کو اس علاج کے لئے پیش کردے۔ یہ نشہ آور ادویات کا کیس ہے۔ کسی اور ذریعے سے اسے حل نہیں کیا جاسکتا۔"

"ڈاکٹر زاہد سے رابطہ کس نے کیا تھا۔؟"

"احسان صاحب نے۔ اور ان ہی کے ایما پر ڈاکٹر زاہد تھوڑا بہت علاج کررہے ہیں۔" لیکن ان کا یہی کہنا ہے۔"

"تو پھر آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں؟"

"بتا چکی ہوں آپ کو۔ میں تو بہت محدود ہوں اگر احمر کو نشہ آور ادویات نہیں ملتیں تو ان کی جو حالت ہوتی ہے اگر آپ چاہیں تو ایک آدھ دن میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ میں کیا کروں؟ سنبھالنے والا تو احسان ہی ہے۔"

"ویسے میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شازیہ صاحبہ سے بھی میری گفتگو ہوچکی ہے۔"

"میں نے جان بوجھ کر آپ کو اس کا موقعہ دیا تھا۔ اور یہاں سے چلی گئی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ وہ آپ سے بات کریں آپ کو ٹٹولیں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ ان کے ذہن میں آپ کے سلسلے میں کس قدر تشویش ہے۔"

"اس کا اظہار کیا ہے انہوں نے؟"

"اظہار کس طرح سے کرسکتی ہیں وہ۔ ان کے چہرے کے نقوش ان کا انداز احسان کا اور ان کا سرگوشی میں گفتگو کرنا۔ چھپ چھپ کر آپ کو دیکھنا۔ آپ نہیں سمجھتے منصور! آپ نہیں سمجھتے کہ ناگنیں جب انسان کا روپ اختیار کرلیتی ہیں تو کس قدر خوفناک ہوجاتی ہیں۔ ان کی زبان میں مٹھاس لیکن تن کا زہر پہلے سے کئی گناہ زیادہ۔ آپ صحیح معنوں میں شازیہ کی شخصیت کو مشکل سے سمجھیں گے۔ وہ لہجے کی شیرینی بولنے کے انداز اور مزاج کے اظہار سے آپ کو فرشتہ معلوم ہوگی۔ لیکن اس فرشتہ صفت نے ہمارے گھر میں داخل ہونے کے بعد جو تباہی پھیلائی ہے۔ آہ کاش آپ اسے صحیح طور پر جان سکیں۔"

"مجھے ایک بات بتایئے۔ اگر ڈاکٹر زاہد واقعی ڈاکٹر ہیں۔ صحیح معنوں میں احمر کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کے بیان کے مطابق کیا ڈاکٹر زاہد کو احمر کے سسٹم پر زہر کے اثرات نہیں ملے ہونگے۔ دوسرے معنوں میں آپ یہ کہہ سکتی ہیں کہ ڈاکٹر زاہد احسان اور شازیہ کی خواہش کے مطابق عمل کررہے ہیں۔"

"ممکن ہے ممکن ہے۔ میں تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ ایک جذباتی فیصلے کے تحت قاضی صاحب کو تلاش کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی تھی۔ میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ منصور آپ یہاں آئے ہیں تو مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے مجھے ایک بہت بڑا سہارا مل گیا ہو۔ ورنہ ورنہ میں اپنے آپ کو دشمنوں کے درمیان تنہا محسوس کرتی تھی۔ منصور آپ آپ" اس نے جذباتی انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور کپکپاتے ہونٹوں اور لہجے پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی' میں اس کی کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا' لیکن میں نے خاموشی ہی اختیار کیے رکھی تھی' الفاظ کا استعمال ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے بعض اوقات منہ سے نکلے ہوئے لفظ ماحول کے تحت ایک دم رخ تبدیل کرلیتے ہیں چنانچہ الفاظ کو منہ سے نکالنے سے پہلے ان کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنا مشکل ہے۔

تھوڑی دیر تک وہ جذباتی کیفیت کا شکار رہی اس کے انداز سے لگ رہا تھا جسے وہ میرے جذباتی ہونے کا انتظار کر رہی ہو' ایسے موقعوں پر ہی ہوتا ہے' کسی کو تکلیف میں دیکھ کر جو بے اختیار جذبے دل میں ابھرتے ہیں وہ بدن کو بھی جنبش دیتے ہیں' لیکن احتیاط ہر حال میں لازمی چیز ہوتی ہے جب میری جانب سے ایسا کوئی اظہار نہیں ہوا تو غالباً اس نے یہ سوچا کہ وہ اپنی کیفیت سے صحیح طور پر مجھے متاثر نہیں کر سکی ہے چنانچہ اس سے آگے کا کام اس نے شروع کردیا' کہنے لگی:

"منصور میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے' میں تو آپ کو بتا چکی ہوں کہ بس میری الجھنیں مجھے قاضی صاحب کے پاس لے گئی تھیں' لیکن بعض اوقات غیر اختیاری طور پر کئے گئے کچھ اقدامات دراصل روشنی کے راستے ہوتے ہیں اور خود بخود آگے بڑھ جانے والا قدم زندگی کے قریب کردیتے ہیں' منصور جو کچھ بھی ہوں میرے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگا لیجئے میں ایک کمزور درخت ہوں جو آندھیوں کے درمیان بے سہارا کھڑا ہوا ہے' اس کائنات میں میرا اپنے چھوٹے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے' میں اپنا اور اس کی زندگی کا تحفظ چاہتی ہوں' میرے والد بلکہ یہ کہا جائے کہ والدین ہم دونوں کو اس دنیا میں مشکلات کا شکار کر کے چھوڑ گئے ہیں' میں اگر مرد ہوتی تو احمر کو سہارا دے لیتی' کیونکہ بہرحال یہ کام مردوں کا ہوتا ہے' منصور میں اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتی مجھے ایک ہمدرد کی ضرورت ہے مجھے ایک ساتھی درکار ہے' کوئی ہے جو مجھے آواز دے لے' منصور مجھے سہارا چاہیے منصور میں اس سہارے کے ساتھ زندگی گذار دینا چاہتی ہوں میں کیا کروں' مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

اس کا ایک ایک لفظ چیخ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ایک عجیب بے بسی بے کسی رچی ہوئی تھی اور وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کا مفہوم الفاظ سے کم نہیں تھا' میں اس مفہوم کو سمجھ رہا تھا لیکن جواب دینے کا مقصد یہ تھا کہ اسے غلط فہمی میں مبتلا کردیا جائے' یہ غلط فہمی تو میں نے حجاب کے اندر بھی نہیں پیدا کی تھی' بالکل غیر جذباتی ہو کر میں نے کہا:

"اپنے آپ کو سنبھالئے مس فوزیہ' ... سالیے ہم آپ کی مدد کے لئے اپنے منصب سے ہٹ کر کام کر رہے ہیں ... ں صاحب نے مجھے صرف اسی لئے یہاں بھیجا ہے

کہ آپ کے حالات کا جائزہ لوں' آپ بے فکر رہئے۔ ہم نے آپ سے کوئی معاوضہ طے نہیں کیا' ہم جو کچھ کر رہے ہیں آپ کی بہتری کے لئے مخلصانہ طور پر کر رہے ہیں' اتنی جذباتی نہ ہوں فوزیہ صاحبہ کہ ہمارے راستے مشکل ہوجائیں۔ آپ جذباتی ہوئیں تو میرے لئے یہاں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی' کیونکہ بہرحال آپ شازیہ سلطان کو ممی کہتی ہیں ان کے پاس اختیارات ہیں' کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتی ہیں وہ' چنانچہ آپ سنبھلئے ----"

اور وہ سنبھل گئی' اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔

"کچھ لمحوں کے بعد اس نے اپنے آنسو پونچھ لئے اور میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ کسی کے آنسو پونچھ کر میں نے ساری زندگی کے لئے اپنی آنکھیں آنسوؤں میں نہیں ڈبولیں۔ آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتی چلی گئی اور دل ہی دل میں --- میں نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ ایک بڑی مشکل سے بچ گیا ہوں۔ بہرحال یہ ملاقات ختم ہوگئی' میرے ذہن میں بہت سے الجھاوے تھے' ابھی تو بہت سی باتیں صاف نہیں ہوئی تھیں' قاضی صاحب سے بھی رابطہ قائم نہیں کرسکتا تھا کیونکہ بہرحال اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ میرا تعاقب کیا جائے' سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ شاکر خان یہاں تک کیسے پہنچا تھا کس سے اس کے تعلقات تھے جس انداز میں مجھے اس کوٹھی میں نظر آیا تھا اس سے تو پتہ چلتا تھا کہ یہاں اسے بہت سی مراعات حاصل ہیں لیکن کسی کی طرف سے یہ ابھی تک پتہ چلا تھا' یہ لوگ تو خیر جو کچھ بھی تھے احسان فوزیہ شازیہ یا اور کوئی' لیکن شاکر خان کے بارے میں میں جانتا تھا اس کا یہاں موجود ہونا بے معنی نہیں تھا اور پہلے مجھے یہ اندازہ لگانا تھا کہ شازیہ کے شاکر خان سے کیا مراسم تھے یا احسان نے شاکر خان سے کیوں رابطہ قائم کیا تھا۔ غالباً اس ملاقات کے دوسرے دن دوپہر کو ڈھائی بجے کی بات ہے' موسم کی شدت کی بنا پر میں اپنے کمرے میں ہی تھا کہ دروازہ کھلا۔ لیکن احمر جس انداز میں اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر آنکھوں سے یقین اٹھنے لگا تھا وہ اس وقت بالکل ہوش و حواس میں تھا اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں اور جس قدر وہ نڈھال نظر آتا تھا اس وقت اتنا نڈھال نہیں تھا اندر آکر اس نے مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا:

"کون ہو تم"

انسان اپنے آپ کو کتنا ہی اعصابی طور پر مضبوط سمجھتا ہو لیکن بہرحال انسان ہوتا ہے۔ احمر کے اس طرح آنے اور اس کے سوال پر ایک لمحے کے لئے میں سٹپٹا گیا تھا۔ پھر میں نے خود کو سنبھال کر کہا:

"آؤ احمر! عجیب سا سوال کر رہے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟"

"میں نہیں جانتا۔ بالکل نہیں جانتا میں۔"

"اس بات پر جتنا مجھے دکھ ہے احمر میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ تمہیں شاید خود بھی یاد نہیں رہا کہ میرے اور تمہارے درمیان کیا تعلقات تھے؟ یا یہ کہ تم خود کتنے شاندار لڑکے تھے۔ احمر اگر تم یہ سوچتے ہو کہ یہاں تمہارے گھر میں میں جان بوجھ کر رکا ہوں۔ صرف یہ سوچ کر کہ یہاں تھوڑا سا وقت گزار لوں! تو میرے دوست اس خیال کو دل سے نکال دو۔ میں صرف تمہاری محبت میں یہاں رکا ہوا ہوں۔ ورنہ مجھ جیسے جوان آدمی کو دو وقت کی روٹی حاصل کرنا مشکل کام نہیں ہے۔" میں نے اس قدر گلوگیر لہجے میں یہ الفاظ ادا کئے کہ احمر پریشان نظر آنے لگا۔ وہ جو خود بھی اس وقت اپنی اس اداکاری اور ان الفاظ پر حیرت تھی کس عمدگی سے یہ ڈرامہ کیا تھا سب کچھ آگیا تھا مجھے' میرے الفاظ اور میری کیفیت نے احمر کو متاثر کرلیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھتا ہوا غمگین لہجے میں بولا:

"نہ جانے کیا ہوگیا ہے مجھے۔ نہ جانے مجھے کیا ہوگیا۔ نہ جانے کیا کچھ بھول گیا ہوں میں۔"

"اس وقت تم مجھے پہلی بار ہوش و حواس میں نظر آئے ہو احمر۔ مجھے بتاؤ میرے دوست۔ مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہوا ہے؟ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ تم ہیروئن استعمال کرنے لگے ہو۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم اس ناپاک نشے کے عادی کیسے ہوئے؟"

"آہ! کاش میں خود بھی جانتا؟"

"کیوں نہیں جانتے؟ آخر کیوں نہیں جانتے" میں نے کہا:

"یقین کرو میں کچھ نہیں جانتا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں کچھ نہیں جانتا۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی

"میں نے کچھ لمحے کے بعد کہا "تم کتنی کثرت سے ہیروئن استعمال کرتے ہو۔ کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے؟"

"ہاں"

"اور تمہیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ لعنت کب سے تم پر مسلط ہوئی ہے۔"

"صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا بہت دن ہوگئے۔"

"پہلی بار کس نے تمہیں یہ ہیروئن استعمال کرائی تھی؟"

"میں شاید بیمار ہوگیا تھا۔ میں ایک عجیب سی بیماری کا شکار ہوگیا تھا۔ جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پھر کسی نے میری یہ تکلیف رفع کردی۔ شاید اس نے مجھے ہیروئن ہی پینے کے لئے دی تھی۔ وہ کون تھا یہ میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد سے میں مسلسل اسی عذاب کا شکار رہا ہوں۔ جب مجھے ہیروئن نہیں ملتی تو میری حالت خراب ہوجاتی ہے۔ میں اس کے حصول کے ذرائع بھی نہیں جانتا۔ لیکن لیکن ایک شخص مجھے ملا اور اس نے ہیروئن مجھے دی اس نے بتایا کہ اگر میں زندگی چاہتا ہوں تو وہ زندہ رہنے میں میری مدد کر سکتا ہے اور بس رفتہ رفتہ میں سب کچھ بھول گیا۔ اب تو ہیروئن مجھے اپنے گھر میں ہی مل جاتی ہے میرے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز میں۔ پتہ نہیں کون لاتا ہے وہ؟ مجھے جب بھی ضرورت ہوتی ہے میں اس میں سے ہیروئن نکال لیتا ہوں۔"

"دیکھو احمر تم اس وقت خاصی بہتر حالت میں ہو۔ اس لئے میرے سوالات کا جواب سوچ سمجھ کر دو۔ تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ یہ ہیروئن تمہیں کون دیتا ہے؟" وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا:

"نہیں میں نے ایسی کوشش نہیں کی۔"

"ٹھیک ہے کیا تمہیں یہ احساس ہے کہ تمہاری صحت ختم ہوتی جارہی ہے۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ اور کچھ نہ بولا۔

"کیا تم زندہ رہنے کے خواہش مند ہو؟"

"میری زندگی اسی میں ہے کہ مجھے میری مطلوبہ شے ملتی رہے۔ جب مجھے ہیروئن نہیں ملتی تو میں اپنے بدن کی بوٹیاں اپنے دانتوں سے کاٹنے لگتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے مل جاتی ہے تو ایک گہرے سکون کا احساس ہوتا ہے۔"

لیکن احمر تم ایک اچھے خاندان کے انسان ہو' نوجوان ہو یہ زندگی کوئی زندگی ہے۔ نشے میں ڈوب کر دنیا سے دور ہوجانا۔"

”میں یہ تمام باتیں نہیں سوچتا۔“

”تمہیں سوچنا چاہیے۔“

”میرا ذہن ماؤف ہو چکا ہے۔“

”اپنے اندر زندگی پیدا کرو۔“

”سوری سوری شاید میں ایسا کبھی نہ کرسکوں۔“

”مجھے اپنا دوست مانتے ہو؟“ میں نے سوال کیا اور وہ کچھ لمحے غور کرتا رہا۔ پھر بولا۔

”دیکھو یقین کرو تم میرے ذہن میں نہیں ہو نہ جانے کب اور کیسے تم سے ملا تھا؟ نہ جانے کیا ہوا تھا۔ ختم ہو گئی ہے میری یادداشت۔“

”ٹھیک ہے لیکن میری یادداشت سلامت ہے۔ میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں احمر۔“

”میں کیا کروں؟“

”تمہیں کچھ وقت دینا پڑے گا مجھے۔“

”کیسے؟“

”میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔“

”کہاں ——؟“

”جہاں میں چاہوں“

”کیوں ——؟“

”بس یہ میری خواہش ہے۔“ وہ تھکے تھکے انداز میں مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”کب چلنا ہے؟“

”میں یوں کرتا ہوں کہ آج شام ہی تمہیں لے کر نکلتا ہوں۔“

”مگر جاؤ گے کہاں؟“

”ان دوستوں کے پاس جو میرے اور تمہارے دوست تھے۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا:

”اور ابھی تم صرف میرے ساتھ رہو گے۔“ وہ کچھ نہیں بولا لیکن اس کے بعد

میں نے اسے موقع نہیں دیا تھا۔ شام کو پانچ بجے سے پہلے میں نے اسے تیار کرایا۔ اور خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا۔ بس میں نے ایک فیصلہ کیا تھا۔ باہر نکلنے کے بعد ایک پبلک کال بوتھ پر میں نے قاضی صاحب کو فون کیا۔ اور انہیں تمام صورت حال بتا کر کہا کہ کسی بہت ہی عمدہ سے ڈاکٹر کی ضرورت ہے مجھے۔ اور انہیں اسی وقت اس کا بندوبست کرنا ہے۔ یہ سارا سب کچھ میرے ذہن میں تو تھا۔ لیکن کب اور کہاں ایسا کروں گا۔ اس کے بارے میں پہلے فیصلہ نہیں کیا تھا۔ قاضی صاحب نے مجھے فوراً ہی ایک پتہ بتا کر کہا کہ یہ ڈاکٹر نظامی ہیں۔ میرے بہترین دوست۔ ان کا اپنا ذاتی کلینک ہے میں ان سے فوری طور پر یہ کام لئے لیتا ہوں۔ تم کلینک پہنچ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ٹیکسی میں قاضی صاحب کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ چونکہ فوراً ہی میں یہ کام کرکے چل پڑا تھا۔ اس لئے مجھے یہاں پہنچ کر انتظار کرنا پڑا۔ احمر حیرت ناک طور پر مجھ سے تعاون کررہا تھا۔ پھر ڈاکٹر نظامی اور قاضی صاحب ایک ساتھ ہی آئے تھے۔ قاضی صاحب نے مجھے ڈاکٹر نظامی کے متعلق متعارف کراتے ہوئے مجھ سے کہا:

”یوں سمجھ لو نظامی صاحب کو ایک ضروری میٹنگ سے اٹھا کر لایا ہوں۔ بس ہمارے تعلق ہیں ایسے۔ نظامی صاحب نے شاید قاضی صاحب کے کہنے کے مطابق بغور احمر کو دیکھا اور اس کے بعد اسے اپنی لیب میں لے گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے اسے ایک انجکشن دیا تھا۔ اور اس انجکشن نے اسے کچھ دیر کے لئے مطمئن کردیا تھا۔ لیکن اس سے نظامی صاحب کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ بڑے گہرے انداز میں اس کا جائزہ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ اس پر ہلکی سی غنودگی طاری تھی۔ کافی دیر تک معائنہ کرنے کے بعد نظامی صاحب نے مجھے اور قاضی صاحب کو اشارہ کیا۔ اور باہر نکل آئے۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا:

”اسے زہر دیا جارہا ہے ایک انتہائی مہلک قسم کا زہر۔ جو اس کے جسمانی نظام کو اندر سے قتل کرچکا ہے۔ اور مجھے یہ کہتے ہوئے سخت افسوس ہورہا ہے کہ شاید یہ زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکے۔“ مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ قاضی صاحب بھی اس کیفیت کا شکار تھے۔ پھر قاضی صاحب ہی نے کہا:

”ڈاکٹر نظامی کوئی ایسی جدوجہد کی جاسکتی ہے جس سے اس نوجوان کی زندگی بچ

سکے۔ اصل میں دہری گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ہیروین کے استعمال نے اس کے اندر جو ٹوٹ پھوٹ پیدا کی ہے' وہی کم نہیں تھی کہ زہر بھی۔ تاہم اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اسے میرے کلینک میں داخل کردو۔ میں انتہائی کوشش کروں گا کہ اس کی جان بچائی جاسکے۔ بہرحال یہ صورت حال جس قدر نوعیت کی حامل تھی کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ قاضی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو میں نے کہا:

"قاضی صاحب بات وہی ہے جو میرے ذہن میں تھی اور ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہوگا وہ غیر قانونی طور پر کرنا ہوگا۔ مطلب سمجھ رہے ہیں نا آپ؟ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوجائے فوزیہ کو ابھی اس کے بارے میں نہیں معلوم ہونا چاہیے۔ میں ہر پہلو کو مدنظر رکھنا چاہتا ہوں۔" قاضی صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بولے:

"اور یہ خود تیار ہوجائے گا اس کے لئے"

"بات وہیں آجاتی ہے قاضی صاحب کہ ہم کچھ کر رہے ہیں وہ کسی مرضی کے مطابق نہیں کررہے ہیں۔ اس کی مرضی کے مطابق بھی نہیں۔ ڈاکٹر نظامی سے اس بارے میں بات کی گئی تو اس نے کہا:

"قاضی صاحب آپ قانون دان ہیں۔ حبس بیجا کا کیس بھی بن سکتا ہے میرے اوپر۔"

"اس کی ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو نظامی۔" ایک نوجوان دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ زندگی جارہی ہے اس کی چنانچہ ہم اسے بچانے کے لئے یہ ردعمل کررہے ہیں۔ براہ کرم انکار مت کرو۔ میں نے تم پر سخت بھروسہ کیا ہے۔"

"بہت خطرناک ذمہ داری ڈال دی۔ آپ نے قاضی صاحب میرے اوپر۔"

"اس کا جو چاہو صلہ وصول کرلینا۔" قاضی صاحب ناخوشگوار لہجے میں بولے۔

"ارے نہیں بات یہ نہیں۔ بس میں' خیر ٹھیک ہے۔ چلو صحیح ہے۔ اوکے اوکے"

اور پھر بات ختم ہوگئی نظامی صاحب نے اس بات کا ذمہ لیا تھا کہ وہ اس کا علاج کریں گے۔ باقی قانونی معاملات ہم سنبھال لیں گے۔ پھر میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ قاضی صاحب کے الگ ہٹنے کے بعد میں نے دیر تک اس سلسلے میں سوچا۔ فوزیہ کی کیفیت پر غور کیا قاضی صاحب سے حالانکہ میں نے یہ کہا تھا کہ میں فوزیہ کو بھی اس بارے میں نہیں

بتاؤں گا۔ لیکن یہ ارادہ میں نے یہاں آکر بدل دیا فوزیہ موجود تھی۔ اور باقی سارے معاملات بھی معمول کے مطابق شاید۔ شازیہ بھی اندر ہی تھی۔ فوزیہ مجھے ملی۔ اور جلدی سے میرے پاس پہنچ گئی۔

"خیریت کہاں سے آرہے ہیں؟"

"وہ بس! فوزیہ' احمر کو میں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

"کہاں۔" وہ تعجب سے بولی۔

"اس کا چیک اپ کرانے کے لئے۔"

"تو پھر۔"

"فوزیہ میں نے اسے کلینک میں داخل کرا دیا ہے۔" وہاں اس کی زندگی بچانے کے انتظامات ہوں گے۔" فوزیہ ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گئی تھی۔ پھر اس نے سرسراتی آواز میں کہا:

"لیکن کہاں؟"

"اس بات کو ابھی صیغہ راز میں رہنے دو تو اچھا ہے۔"

"آپ لوگ اس زمین پر فرشتے ہیں کوئی کسی کے لئے اتنا نہیں کرتا۔ اور پھر آپ نے تو مجھ سے اس کا کوئی صلہ بھی نہیں لیا ہے۔"

"جانے دو پرواہ مت کرو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔" میں نے فوزیہ کو اطمینان دلایا۔ وہ کہنے لگی:

لیکن یہ بات سب کو معلوم ہے کہ احمر آپ کے ساتھ باہر گیا تھا۔"

"کسی نے کچھ پوچھا تو نہیں؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن اگر وہ واپس نہیں آیا ہے تو ظاہر ہے یہ لوگ سوالات کریں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ احمر آپ کے ساتھ گیا تھا۔"

"میں اس کا کوئی حل نکال لوں گا فوزیہ۔" میں نے کہا اور فوزیہ خاموش ہوگئی۔ لیکن بات واقعی ذرا سی الجھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نظامی کے چہرے پر میں نے تشویش کے

گہرے آثار دیکھے تھے۔ پھر میں اس کے لئے مجبور ہو گیا۔ کہ قاضی صاحب سے اس موضوع پر بات کروں۔ قاضی نے میرے سوال کا جواب دے کر کہا:

"مگر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ فوزیہ نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ تم احمر کے دوست ہو۔ احمر تمہارے ساتھ باہر نکلا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ احمر کا معائنہ کرانے کے لئے تم نے اسے ایک کلینک میں داخل کروا دیا ہے۔"

"کیا میں ڈاکٹر نظامی کا نام لے سکتا ہوں۔"

"ایسا کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے دوبارہ فون کرو۔ میں خود تمہیں فون نہیں کروں گا اس لئے کہ تفصیل نہیں بتا سکتا۔ ڈاکٹر نظامی سے میں اس بارے میں بات کئے دیتا ہوں۔" تقریباً پون گھنٹے کے بعد میں نے قاضی کو دوبارہ فون کیا تو انہوں نے کہا:

"بالکل اطمینان کے ساتھ اس بات کو منظر عام پر لے آؤ۔ کہ احمر کو تم نے ڈاکٹر نظامی کے کلینک میں داخل کر دیا ہے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو چالاکی سے گھر والوں کا تعاون بھی طلب کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ سارے معاملات انتہائی دلچسپی کے حامل تھے۔ اور میں حتمی طور پر یہ سوچ رہا تھا کہ دنیاوی دلچسپیاں آخر کار انسان کو گرفت میں لے لیتی ہے۔ اور بہت سے مسئلے بھول جاتا ہے۔ جیسا کہ میں اس وقت بھول چکا تھا۔ خیر اس کے بعد صورت حال یہ رہی کہ میں مطمئن انداز میں اپنی مشغولیات میں مصروف رہا۔ لیکن پھر میں نے خود شازیہ کو اپنے پاس آتے دیکھا تھا۔ شازیہ بولی:

"احمر آپ کے ساتھ گیا تھا؟ مسٹر منصور۔"

"جی"

"کہاں لے گئے تھے آپ اسے؟"

"اپنے ایک دوست کے کلینک۔ وہ میرے شناسا ہیں۔ بہت بڑے دوست ہیں۔ بڑی اعلیٰ حیثیت کے مالک۔ احمر کی کیفیت ان سے چیک کروانا چاہتا تھا میں۔ اور آخر کار میں نے اسے ڈاکٹر نظامی کے کلینک میں داخل کروا دیا۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس کی زندگی کے لئے ضروری تھا۔" شازیہ نے وحشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی:

"مطلب ---؟"

"ڈاکٹر نظامی کا کہنا ہے کہ احمر صرف ہیروئن کا ہی نہیں بلکہ اس کے جسم میں کافی مقدار میں خطرناک زہر بھی موجود ہے۔"

"زہر۔" شازیہ کی خوف زدہ آواز ابھری۔

"جی ہاں' جو اسے بڑی احتیاط سے دیا جا رہا ہے۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا اور شازیہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ بہت دیر تک وہ کھوئی کھوئی رہی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ڈاکٹر نظامی دنیا کے کئی ملکوں میں رہ چکے ہیں اور اپنے پیشے میں بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔"

"مگر یہ کیا سلسلہ؟ کون۔ کون اس بیچارے کی جان کا دشمن بن گیا ہے؟"

"یہ تو نہیں بتایا جا سکتا۔" شازیہ گھبرائی ہوئی آواز میں خاموش ہو گئی تھی اسی وقت احسان بھی اندر آ گیا۔ اور احسان نے شازیہ سے کہا:

"کیا بات ہے؟ آپ لوگ کچھ سنجیدہ ہیں۔"

"ہاں ایک عجیب و غریب انکشاف ہوا ہے۔"

"کیا ----"

"احمر کو منصور نے اپنے کسی شناسا کے کلینک میں داخل کرا دیا ہے۔ یہ انکشاف ہوا ہے کہ احمر کو زہر دیا جا رہا ہے۔" احسان نے کچھ اس طرح شازیہ کو دیکھا کہ میں چونک سا پڑا۔ احسان کے انداز میں غصے کے کچھ تاثرات تھے۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟ کیا احمر کی زندگی نہیں بچنی چاہیے تھی۔"

"کیا فضول باتیں کر رہے ہیں آپ؟ یعنی یعنی لیکن آپ کو یہ حق کیسے حاصل ہوا؟"

"میں اس کا دوست ہوں۔ البتہ یہ ضرور جاننا چاہوں گا میں کہ آپ کو اس بات پر افسوس کیوں ہوا؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ شازیہ کیا کہہ رہے ہیں یہ؟" احسان بے چینی سے بولا۔

"دیکھئے آپ نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ لیکن براہ کرم اس جیسا انداز نہ اختیار

کریں جو ہمارے لئے پریشانی کا باعث بن جائے۔"

"ٹھیک ہے میں جو کچھ کررہا ہوں اس کے لئے جواب دہ ہوں۔ اپنے دوست کو اس سلسلے میں مدد دینا میرا فرض ہے۔ اور اب تو ایک ڈاکٹر بھی اس میں شریک ہو چکے ہیں۔ آپ لوگ چاہیں تو خود ان سے مل سکتے ہیں۔"

"ہاں میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" پھر کچھ دیر کے بعد ہم تینوں ڈاکٹر نظامی کے کلینک پہنچے تھے۔ فوزیہ کو جان بوجھ کر میں نے اس مسئلے میں شامل نہیں کیا تھا۔ وہ ویسے بھی کچھ نروس تھی۔ اور اس دوران اپنے کمرے ہی میں رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹر نظامی سے انکا تعارف کروایا۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر نظامی نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے کاغذات سائن کروا لئے تھے۔ کیونکہ بہرطور شازیہ کو سرپرست ظاہر کیا گیا تھا۔ واپسی پر فوزیہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ فوزیہ نے حیران لہجے میں کہا:

"کہاں گئے تھے آپ لوگ؟"

"میں بتاتا ہوں فوزی۔ یہ واقعی ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہورہے ہیں۔ احمر کے بارے میں ہم بھی بہت عرصے سے سوچ رہے تھے۔ لیکن جو فوری قدم انہوں نے اٹھایا ہے وہ قابل احترام ہے۔" غرضیکہ میرے بجائے احسان نے فوزیہ کو اس بارے میں تفصیلات بتائی تھیں۔ اور فوزیہ کے چہرے پر نفرت کی لکیریں پیدا ہوتی جارہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جب بھی احسان کو دیکھتی ہے۔ یہ نفرت اس کے چہرے پر ابھر آتی ہے۔ بہرحال دوسرے دن علی الصبح فوزیہ میرے کمرے میں آگئی۔ میں جاگ گیا تھا۔ وہ میرے قریب پہنچ کر بولی:

"مجھے معاف کرنا۔ رات بھر ذہنی طور پر منتشر رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟ اور تم میرا مطلب ہے آپ مجھے وہاں کیوں نہیں لے گئے تھے؟ یعنی ڈاکٹر کے کلینک۔"

"فوزیہ میں جانتا تھا کہ آپ احسان کے ساتھ جانا پسند نہیں کریں گی۔ اور پھر ذرا احتیاط بھی رکھنی تھی۔" کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"نہیں بس ایسے ہی میں چاہتی تھی کہ احسان کو اس بارے میں معلوم نہ ہو کہ اس وقت احمر کہاں ہے؟"

"اس کی آپ بالکل فکر نہ کریں فوزیہ۔"

"مجھے اپنے بھائی کی زندگی ہر قیمت پر درکار ہے۔" فوزیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"ہمیں ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرنا ہے فوزیہ صاحبہ بہرحال کوئی نہ کوئی تو ایسا ہے۔ جو احمر کو زہر دینے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ہمیں اس کے خلاف کام کرنا ہے۔"

"ایک بات بتائیے؟" فوزیہ نے کہا:

"جی پوچھئے؟"

"اگر آپ چاہیں تو میں قاضی صاحب سے ملاقات کروں۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کس سلسلے میں؟"

"کیا ہمیں اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع نہیں دینی چاہیے۔ یعنی کوئی میرے بھائی کو زہر دینے کی کوشش کررہا ہے۔ ہمیں اس کی نشان دہی تو کرنی چاہیے۔"

"دیکھئے آپ سے اس موضوع پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ ہم وکیل ہیں اور اس وقت یہ جو سب کچھ ہورہا ہے وکالت کے حوالے سے نہیں ہورہا ہے۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں۔ کچھ بھی تو نہیں کیا ہے ابھی تک میں نے آپ لوگوں کے لئے۔ لیکن آپ؟"

"ان تمام باتوں کو چھوڑیئے فوزیہ صاحبہ بس ہمیں اس بات کی اجازت دیجئے کہ ہم کچھ کررہے ہیں وہ کرنے دیا جائے۔ اور آپ اس سے مطمئن ہوں۔"

"آپ قسم لے لیجئے میں ہر طرح سے مطمئن ہوں۔ آپ لوگ وہ کررہے ہیں جو میں خود نہیں کرسکتی۔"

"اور اس سلسلے میں آپ کا تعاون بھی ہمیں حاصل ہونا چاہیے۔"

"کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔" اس نے سوال کیا۔

"نہیں لیکن بعض اوقات ایسے سوالات کرنے پڑ جاتے ہیں۔ جن کا جواب مشکل ہو۔ آپ نے اپنے طور پر جو کچھ بھی کہا ہے۔ وہ سب میرے ذہن میں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی میں آپ سے ایک سوال دوبارہ کرنا چاہتا ہوں یہ اب ضروری ہوگیا ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"فوزیہ! احسان اور شازیہ کے بارے میں مجھے ساری تفصیلات آپ ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں صرف آپ سے۔ میں آپ سے جو سوال کر رہا ہوں ممکن ہے اصولی طور پر یہ سوال قابل اعتراض ہو۔ لیکن دیکھئے جواب دینا ضروری ہو گا۔"

"جی۔"

"آپ مجھے بتائیے کہ آپ کا ان دونوں کے رشتے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں۔ جو کچھ آپ میری زبانی سننا چاہتے ہیں۔ میں یہ بات کہنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی کہ احسان کا کوئی نہ کوئی تعلق شازیہ سے ضرور ہے۔ ورنہ صرف رشتوں کی بنیاد پر اتنی قربت سمجھ میں نہیں آتی۔"

"آپ کا مطلب ہے؟"

"جی میرا مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"آپ کے والد کی عمر کیا تھی؟"

"آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ شازیہ مجھ سے زیادہ بڑی نہیں ہوگی۔"

"ان کی شادی میں کوئی ایسا پہلو پوشیدہ ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ شازیہ نے کسی مجبوری کے تحت یہ شادی کی ہو۔"

"میرے علم میں نہیں ہے۔"

"شازیہ بیگم کے دوسرے اہل خاندان۔"

"شاید کوئی نہیں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو آج تک وہ سامنے نہیں آیا ہے۔"

"احسان شازیہ بیگم کی زندگی میں کب داخل ہوا؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ کیا آپ کے والد صاحب کی زندگی میں؟"

"جی ہاں۔ کئی بار لیکن طویل ترین وقفے کے بعد آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ڈیڈی کے انتقال کے بعد بھی وہ تقریباً ایک ماہ کے بعد یہاں پہنچا تھا۔"

"اس کے دیگر مشاغل کے بارے میں معلومات ہے آپ کو؟"

"پتہ نہیں! میں نہیں جانتی۔ لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اب اس کی ساری ذمہ داریاں شازیہ بیگم ہی اٹھاتی ہیں۔"

"گویا وہ خاصی قابل غور شخصیت ہے۔"

"اس کا فیصلہ آپ سے زیادہ بہتر اور کون کر سکتا ہے۔" بہرحال فوزیہ نے کھل کر کہہ دیا تھا۔ کہ احسان اور شازیہ کے تعلقات مشکوک ہیں۔ اور یہ شخص گہری نوعیت کا حامل ہے۔ میں نے اس سلسلے میں حدود کے اندر ہی رہ کر اس سے سوالات کئے تھے۔ ابھی بہت آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔ میرے اپنے ذہن میں اور بھی شکوک شبہات تھے۔ جن کی تفصیل سامنے آئے بغیر کسی کو بھی صورت حال سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ البتہ احمر کے سلسلے میں مجھے کافی نگرانی رکھنی پڑتی تھی۔ کیونکہ میں نے اپنی ذمہ داری پر اسے داخل کرایا تھا۔ اور یقینی طور پر کچھ لوگ یہ نہیں چاہیں گے کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔ ورنہ ان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس دوپہر کو بھی میں ڈاکٹر نظامی کے کلینک پہنچا تھا۔ احمر سے ملاقات کر کے نکلا تھا۔ ابھی ڈاکٹر نظامی نے اسے نیم بے ہوشی کی ہی کیفیت میں رکھا تھا۔ ان کا طریقہ علاج تھا البتہ مجھ سے ملاقات کر کے انہوں نے کہا تھا:

"منصور صاحب! مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ اس سلسلے میں تھوڑی سی آپ کی مدد چاہتا ہوں۔"

"جی فرمائیے۔"

"قاضی صاحب سے کہہ کر یہاں پولیس کے دو مسلح افراد کا انتظام کیجئے گا۔ میں بہت خوفزدہ ہو گیا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ جو اس سلسلے میں ملوث ہیں۔ یہاں کوئی کارروائی کریں۔" میں نے ڈاکٹر نظامی صاحب کی بات سنجیدگی سے سنا تھا۔ اور میرے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے تھے۔ بہرحال اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی کوشش تو کرنی تھی۔ چنانچہ میں اس پر غور کرنے لگا۔ میں نے کہا:

"ٹھیک ہے نظامی صاحب ویسے آپ بھی اس بات کا خیال رکھئے گا کہ کوئی اجنبی شخص یہاں نہ آنے پائے۔ یا آپ یہ سمجھ لیجئے اجنبی نہیں تو اپنوں میں سے بھی۔ معاف کیجئے گا میں ابھی کوئی نام براہ راست نہیں لے رہا۔ بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ اپنے طور پر کسی فوری شخص کا انتظام کر سکتے ہیں جو یہاں پہرے کے طور پر رہے۔ تو آپ انتظام کر لیجئے۔ میرے یا قاضی صاحب کے علاوہ تیسرے کسی فرد کو یہاں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ سوائے ان کے جو آپ کے اسٹاف کے لوگ ہوں۔" نظامی صاحب نے

پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر بولے۔

"ٹھیک ہے۔ عارضی طور پر میں انتظام کروں گا۔ لیکن بہرحال آپ بھی کوشش کیجئے گا۔"

"جی آپ اطمینان رکھئے۔" میں نے کہا۔ "حالانکہ میں نہیں جانتا تھا کہ قاضی صاحب اس کا بندوبست کرسکیں گے یا نہیں؟ لیکن میرے ذہن میں ایک شخص اور آیا تھا۔ یہ تھا نادر زماں ہرچند کہ میرے اور اس کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن یہ اس کی طرف سے تھا۔ اپنے سلسلے میں کسی موکل کے پاس جاسکتا تھا۔ ناراض وہ تھا میں نہیں۔ لیکن یہ بعد کی باتیں تھیں۔ جب قاضی صاحب اس سلسلے میں کوئی بندوبست نہ کرسکیں۔ البتہ میں ہسپتال کی لابی میں تھا کہ میں نے حجاب کو دیکھا۔ جو تیز تیز قدموں سے میری جانب چلی آرہی تھی۔ میرے قدم رک گئے۔ یہ اندازہ میں نے لگالیا تھا کہ حجاب مجھے دیکھ کر میری طرف آرہی ہے۔ میں اس سے گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ وہ میرے قریب آئی اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ کہنے لگی:

"اوپری منزل کی دوسری راہداری میں سے میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ اور دوڑتی ہوئی چلی آئی ہوں۔"

"کیسی ہیں حجاب۔" "تم بتاؤ بھئی۔ کیا صورت حال ہے۔" کورٹ میں بھی نہیں آرہے؟ قاضی صاحب بھی کچھ بتانے کے لئے راضی نہیں ہیں۔ بس اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے کہ مصروف ہو خدا نخواستہ طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"کیسا نظر آرہا ہوں؟"

"ماشا اللہ بالکل ٹھیک مگر ہسپتال میں کیوں؟"

"بس کسی کی تلاش میں آیا تھا جو یہاں موجود نہیں ہے۔"

"کون ----؟"

"میرا ایک شناسا بیمار ہوگیا تھا۔ پتہ چلا کہ اس اسپتال میں ہے۔ لیکن غلط اطلاع تھی۔" میں احمر کے معاملے کو صاف چھپاگیا۔ پھر جلدی سے بولا:

"لیکن مس حجاب آپ؟"

"شکر ہے یہ پوچھنے کا خیال تو آیا۔ اب چلے جارہے ہو یا بیٹھو گے کچھ دیر میرے

ساتھ؟"

"نہیں نہیں آیئے۔" میں نے کہا اور لابی ہی میں پڑے ہوئے صوفے پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔

"اب بتایئے آپ یہاں کیسے آئیں؟"

"ڈیڈی ڈاکٹر نظامی سے چیک اپ کروانے کے لئے مہینے میں ایک دن آتے ہیں۔ آج فرصت تھی چلے آئے۔ لیکن ڈاکٹر نظامی کچھ مصروف ہیں۔ وہ انتظار کررہے ہیں۔"

"اچھا اچھا ویسے ڈیڈی خیریت سے تو ہیں نا۔"

"ہوگئی نا خیر و عافیت کی دریافت' اب آپ یہ بتایئے کہ کورٹ سے کیوں غائب ہیں۔"

بہت سی ذمہ داریاں ہیں مس حجاب پوری کرنا پڑتی ہیں۔"

"ہونہہ۔" گویا بات بتانے والی نہیں ہے۔"

"نہیں آپ یقین کیجئے کوئی بات ہوتی بتانے والی تو بتاتا۔ قاضی صاحب نے کچھ کام سپرد کئے تھے۔ ظاہر ہے میں سارے کام ان ہی کے لئے کرتا ہوں"

"ہوں۔ ہمارے لئے بھی کچھ کیجئے گا نا۔"

"آپ حکم دیجئے۔"

"بس اتنا حکم دینا چاہتے ہیں کہ تھوڑا سا وقت ہمیں بھی مل جایا کرے۔"

"آپ شرمندہ کررہی ہیں۔"

"ایک تو افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ کے ساتھ کتنا ہی فاصلہ طے کرلیا جائے۔ جب دوبارہ ملاقات ہوتی ہے تو پھر وہیں سے آغاز کرنا پڑتا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بتایئے پلیز میرے لائق کوئی بھی ذمہ داری ہو۔ آپ بتایئے؟"

"بہت سی ذمہ داریاں ہیں آپ کے ساتھ آپ پوری تو کریں۔"

"میرا خیال ہے آپ نے ابھی تک ایسی کوئی بات مجھ سے نہیں کہی۔"

"تو پہلی ذمہ داری تو یہ نبھایئے۔ کہ یہ طرز گفتگو چھوڑ دیجئے۔ اپنوں میں سمجھ لیجئے اپنوں سے بے تکلفی سے بات کی جاتی ہے۔ آپ ہمیں بھی اس کی عزت بخش دیجئے۔ میں

ہنسنے لگا۔ ہم دونوں گفتگو میں اس طرح محو ہوئے کہ ہم نے ساجد علی شاہ صاحب کو آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ساجد علی شاہ عقبی دروازے سے آئے تھے۔ اور ہمارے قریب کھڑے ہوگئے تھے۔ پھر جب ہماری گفتگو طویل ہوگئی تو ان کی آواز سنائی دی:

"میں تقریباً ۱۰ منٹ سے یہاں کھڑا ہوا ہوں اور تمہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ مجھے وہاں چھوڑ کر چلی آئیں کہ اتنی دیر سے تمہیں تلاش کیا۔ اور اب یہاں پہنچا ہوں۔"

"اوہو ڈیڈی منصور مل گئے تھے۔ آیئے بیٹھئے کیا ہوا؟ ڈاکٹر صاحب نے کیا کہا؟"

"چلو اٹھو جو کہا ہے ڈاکٹر صاحب نے وہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

"ڈیڈی کہاں جانا ہے اب؟"

"کیا مطلب؟"

"میں ذرا تھوڑی دیر کے بعد پہنچوں گی۔"

حجاب نے بڑی ہمت کے ساتھ کہا۔ اور ساجد علی شاہ کے چہرے پر ایک رنگ آگیا۔

"کیا مصروفیت ہے؟ کوئی خاص کام ہے۔"

"جی ہاں" حجاب نے کہا۔ اور ساجد علی شاہ صاحب کچھ لمحے کھڑے رہے اس کے بعد بولے:

"میں چل رہا ہوں۔"

"آفس آنا ہے ڈیڈی یا گھر جاؤں؟"

"یہ اپنی فرصت پر منحصر رکھنا" ساجد علی شاہ صاحب کے لہجے میں تلخی تھی اور اس کے بعد وہ بریف کیس فوراً اٹھاتے ہوئے چلے گئے۔ حجاب نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور اس کے بعد بولی۔

"ہاں تو ہم کہاں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے؟"

"حجاب، شاہ صاحب ناراض نہیں ہو جائیں گے۔"

"ہونا تو نہیں چاہیے۔ بہرحال اگر ہوئے تو میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ بشرطیکہ تم اس کی اجازت دے دو۔"

"میں سمجھا نہیں حجاب۔"

"دیکھو منصور صرف ایک سوال اور کروں گی۔ اور اس کے بعد وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کبھی پریشان نہیں کروں گی۔"

"ہاں کہو؟"

کیا تمہارے دل میں کسی اور کا بسیرا ہے؟ نہیں بتانا چاہتے ہو تو بے شک نہ بتاؤ لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ ایک اچھے انسان کو دوسرے کی غلط فہمی دور کر دینی چاہیے۔ اگر اس حیثیت سے جس کا اظہار میں تمہارے سامنے بار بار کر چکی ہوں کوئی اور تمہارے ذہن میں ہے تو تمہیں پورا پورا اختیار ہے کہ اس کی پذیرائی کرو۔ میں تمہارا راستہ چھوڑ دوں گی۔

لیکن اگر ایسی بات نہیں ہے تو منصور میں، میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہوں۔ بس اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ میں آج جان بوجھ کر ڈیڈی سے یہ گستاخی کی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے اس گستاخی کی وجہ پوچھیں گے۔ اور مجھے یہ وجہ بتانی پڑے گی۔ لیکن منصور اتنی میری مدد ضرور کرو۔ مجھے یہ بتا دو کہ میں ان سے کوئی بہانہ بناؤں یا اپنے آپ کو ان کے سامنے کھول دوں۔ بہانہ اس لئے بناؤں گی کہ بعد میں بے عزتی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور حقیقت اس لئے بتاؤں گی کہ سب ان کے علم میں آجائے۔ لیکن تمہارے انکشاف کے بعد" اب اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ---- حجاب مجھ سے اور کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ میں نے اس سے کہا:

"حجاب مجھے کچھ وقت درکار ہوگا۔ ابھی میں نے اپنی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ اور اس آغاز کو میں نامکمل سمجھتا ہوں۔ شاید میں ابھی آپ کو اس بات کا جواب نہ دے سکوں۔"

"زندگی کے آغاز میں ہم دونوں قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھیں گے منصور۔" حجاب نے بہت سسکی سی لے کر کہا:

"حجاب میں معذرت خواہ ہوں۔ ابھی مجھے کچھ وقت درکار ہوگا۔ اور اس کے سوا میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں۔" حجاب مجھے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد وہ اٹھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں ذہنی تکدر کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ اور بہت دیر تک گم سم بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر میں نے وہی فیصلہ کیا یہ کہ اس مسئلے میں الجھنے کے بجائے

اپنے کام کی تکمیل کی جائے پھر اپنے اس خیال کے تحت میں واپس چل پڑا۔ مجھے فوزیہ رحمان کی کوٹھی پر ہی پہنچنا تھا بس زبردستی ہی تھی' چونکہ نہ کسی نے مجھے طلب کیا تھا' نہ میں کسی کا مہمان تھا' احمر کے حوالے سے یہاں گھسا ہوا تھا' کم از کم یہ بات ضرور کہہ سکتا تھا۔ خیر فوزیہ تو یہاں میری آمد سے بہت خوش تھی لیکن شازیہ اور احسان اس قدر بداخلاق نہیں تھے کہ مجھ سے میری واپسی کا مطالبہ کرے' احسان یہ حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن شازیہ کو بہرحال مکمل اختیارات حاصل تھے وہ یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ میں نے احمر کو ہسپتال میں داخل کر دیا ہے یہاں کس حیثیت سے رہ رہا ہوں' اگر اتنا ہی احمر کا ہمدرد ہوں' احمر کے ساتھ رہوں' لیکن یہ الفاظ شازیہ نے بھی نہیں کہے تھے ہو سکتا ہے ابھی اسے اس بات کا خیال نہ آیا ہو' جب ایسے لمحات آئیں گے تو دیکھا جائے گا حجاب کی بے حجابی ذہن میں تھی' ایک لڑکی سے زیادہ کھل کر اور کیا کہہ سکتی تھی' لیکن میں یہ سوچتا تھا کہ میرے پاس ابھی وہ وقت نہیں ہے جب میں حسن و عشق کی وادیوں میں سیر کروں بس طبیعت پر ایک عجیب سی کیفیت مسلط ہو گئی تھی۔ ٹیکسی چلاتے ہوئے زندگی کے بڑے اچھے تجربات ہوتے تھے نت نئے لوگوں سے ملاقات ہوتی تھی اور دل کو گواہی کے ساتھ کچھ کرنے کا موقع بھی مل جاتا تھا اب مہذب بن گیا تھا وہ وحشی جسے دنیا سے نفرت تھی آہستہ آہستہ سوتا جا رہا تھا اگر قانون کی کتابیں نہ پڑھتا تو اسے پہلے یہ کرتا کہ حیات علی شاہ کو حیات سے محروم کر دیتا اور یہ ظاہر کرتا کہ دنیا میں جینے کا حق صرف بڑے آدمیوں کو ہی نہیں غریب بھی اسی طرح اللہ کی مخلوق ہوتے ہیں جس طرح وہ' لیکن اور بہت سے بوجھ تھے دل و دماغ پر' ماں کا کہنا تھا کہ وہ مجھے وکیل بنا کر اپنا حق وصول کرنا چاہتی ہے' کاش کسی وصیت میں ہی لکھ جاتی کہ اس کا وہ حق کیا ہے' میں نے تو اس کی آرزو کی تکمیل کر دی تھی وہ خود ہی اپنی خواہش کو تشنہ چھوڑ گئی تھی اور ایک سمجھدار انسان کی حیثیت سے میں یہ محسوس کرتا تھا کہ روحیں کبھی جواب نہیں دیتیں' وہ کبھی نہیں بتائے گی مجھے کبھی نہیں بتائے گی کہ کس نے اس کا حق مارا تھا وہ کون ہے کیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا میری' اور اب تہذیب کے؟ یہ پے درپے میرے اوپر چڑھتے چلے جا رہے تھے' میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیا مجھے اپنے معاملات میں نہ الجھا لیتی تو یقینی طور پر میں اپنی وحشت میں کوئی بڑا کام ہی کر ڈالتا بہرحال یہ ساری باتیں ذہن پر سوار تھیں' رات

کو سونے کے لئے لیٹ گیا اور نجانے کب تک اپنی سوچوں میں ڈوبا رہا' پھر ذہن پر غنودگی سی طاری ہوئی تھی کہ دفعتاً" مجھے دروازے پر آہٹ سنائی دی' رات کے سناٹے میں یہ آواز کافی واضح تھی' میں چونک پڑا اور میں نے دروازے کی جانب دیکھا میں نے محسوس کیا کہ دروازہ آہستہ سے کھل رہا ہے' میں نے دم سادھ لیا اور کھلی آنکھوں سے دروازے کی جانب دیکھتا رہا دروازہ تھوڑا اور کھل گیا اور ایک سایہ سا نظر آیا جو کمرے کی مدھم روشنی میں واضح نہیں ہوا تھا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا اس نے اندر آنے کی کوشش کی تھی اور کچھ لمحوں کے بعد دروازہ اسی طرح بے آواز بند ہو گیا' میں اچھل کر مسہری سے نیچے اترا آیا اور پھر میں نے جوتے پہنے بغیر دروازے کی جانب چھلانگ لگا دی دروازہ کھول کر باہر جھانکا کچھ فاصلے پر وہی سایہ آگے بڑھتا نظر آ رہا تھا میں برق رفتاری سے دروازے سے باہر نکل آیا اور اس سائے کے پیچھے چلنے لگا' سایہ ایک راہ داری میں سیدھا چلا جا رہا تھا میں انتہائی احتیاط سے ستونوں کا سہارا لیتا ہوا اس کا تعاقب کرنے لگا اور پھر میں نے شازیہ سلطان کے کمرے کا دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا اور میرے جبڑے بھنچ گئے' شازیہ سلطان میری طرف سے مشکوک ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انتہائی ہوشیار عورت ہے اوپر سے بالکل نرم حلیم اور خوش اخلاق لیکن اندر سے نجانے کیا پھر میں نے کچھ لمحے انتظار کیا اور اپنا شک رفع کرنے کے لئے آگے بڑھ کر شازیہ کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا اندر جھانکنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملی تھی' دروازے کے نیچے سے زیرو بلب کی مدہم روشنی جل رہی تھی آخر کار مجھے ایک کھلی کھڑکی نظر آئی اور میں اس کھڑکی پر پہنچ گیا' کمرے کی مدھم روشنی میں شازیہ کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا' شازیہ کو میرے کمرے میں جھانکنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی! کچھ لمحوں کے بعد میں وہاں پلٹ آیا' احتیاطاً" میں فوزیہ کے کمرے میں بھی جھانک لینا مناسب سمجھا تھا پھر پہلے فوزیہ اور اس کے بعد احسان کے کمرے میں جھانکا وہ سب گہری نیند سو رہے تھے صرف شازیہ جاگ رہی تھی صرف اسی کو میری شخصیت پر شبہہ تھا بہرحال سمجھ میں نہیں آتا کہ شازیہ کا مقصد کیا ہے بظاہر تو بات واضح تھی لیکن بہرحال میرے سوچ لینے سے سب کچھ نہیں ہو جاتا۔

دوسری صبح ناشتہ کی میز پر سب تھے' شازیہ نے بڑے نرم لہجے میں مجھ سے کہا۔"

"منصور احمر کے پاس کب جاؤ گے ------"

"تھوڑی دیر کے بعد جاؤں گا-----"

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی" شازیہ نے دل سوزی سے کہا اور فوزیہ چونک کر شازیہ کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا----

"مجھے جانا ہے احمر کے پاس۔" شازیہ نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا----

"تم بعد میں چلی جانا سب لوگوں کا ایک ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا---- احسان تمہارا کیا پروگرام ہے----"

"آفس جانا ضروری ہے، آڈٹ چل رہا ہے۔"

"ہاں میں یہی کہنا چاہتی تھی تم سے ذرا احتیاط کے ساتھ وہاں کے کام کرو، چونکہ میں اس وقت تک تمہیں وقت نہیں دے سکتی جب تک کہ احمر کی کیفیت درست نہ ہو جائے۔" احسان نے گردن ہلادی تھی بہرحال اس کے بعد ایک وقت مقرر کرکے شازیہ میرے ساتھ چل پڑی فوزیہ نے کوئی خاص تعرض نہیں کیا تھا میں شازیہ کی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ میرے برابر بیٹھی ہوئی تھی راستہ خاموشی سے طے ہو رہا تھا شازیہ نے کہا:

"منصور تمہارے قرب و جوار میں اور کوئی نہیں ہے----"

"میں سمجھا نہیں----"

"میرا مطلب ہے تمہارے عزیزو اقارب------"

"پہلے ہی اس بارے میں بتا چکا ہوں-----"

"ہوں، احمر ٹھیک ہو جائے گا نا------"

"یہ وقت پر منحصر ہے------"

"اسے ٹھیک ہونا چاہیے اس کی زندگی سے میری نجات کے راستوں کے تار بندھے ہوئے ہیں ورنہ تمہیں اندازہ نہیں دنیا کس انداز میں سوچے گی------" میں نے ایک نگاہ شازیہ کو دیکھا اور کہا------

"میں سمجھا نہیں------"

"افسوس زبان بند رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ دل تو یہ چاہتا ہے کہ بہت کچھ بتادوں تمہیں------"

"جب زبان کی بندش کھل جائے تو ضرور مجھے سب کچھ بتا دیجئے گا" میں انتظار

کروں گا، میں نے اسپتال کے کمپاونڈ میں کار موڑتے ہوئے کہا، شازیہ نے ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھا تھا لیکن اس کے بعد اس کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی تھی:

احمر کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہونے لگی تھی، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ڈاکٹر نظامی نے غالباً قاضی صاحب کے تعاون سے یا اپنے طور پر دو مسلح پہرہ داروں کا بندوبست کردیا تھا، شازیہ نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا----

"کیا تمام مریضوں کے لئے یہاں اس طرح کے پہرے دار موجود ہوا کرتے ہیں-------"

"نہیں صرف احمر کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کیونکہ میں نے آپ کو پہلے بھی بتا دیا تھا کہ اسے زہر دیا جارہا ہے اور یقینی طور پر یہ زہر اس کے حلق میں آسمان سے نہ ٹپکتا ہوگا۔" شازیہ خاموش ہوگئی تھی بہرحال کچھ وقت ہم احمر کے ساتھ گزارنے کے بعد ہم واپس چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی پہنچ گئے، یہاں کے ماحول میں کوئی خاص بات نہیں تھی - اس شام نہ جانے کیوں دل گھبرا رہا تھا۔ سکون صرف ایک جگہ ملتا تھا چنانچہ قبرستان پہنچ گیا اور بہت دیر تک امی سے باتیں کرتا رہا۔ واپسی پر معمول کے مطابق میں سکون لے کر لوٹا تھا۔ لیکن راستے میں ایک عجیب حادثہ پیش آگیا۔ ایک سنسان ٹرک گزر رہا تھا آگے جا کر ایک چوراہا آیا تھا۔ میں ابھی اس چوراہے سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اچانک دوسری سمت پر ایک حادثہ ہوگیا۔ ایک کار نے موٹر بائیک کو ٹکر ماری تھی اور موٹر بائیک سوار کئی فٹ اچھل کر دور جا گرا تھا۔ کار موٹر بائیک کے پاس آکر رکی۔ اس کا دروازہ کھلا۔ اور کوئی اس سے نیچے آگرا۔ عین اسی وقت میری کار کی روشنیاں اس پر پڑیں اور وہ پھر سے واپس جا بیٹھا۔ دوسرے لمحے کار آگے بڑھ گئی۔ لیکن چونکہ میری کار کی ہیڈلائٹس نے کار کو حلقے میں لیا ہوا تھا اس لئے میں نے اس کار کا نمبر دیکھ لیا اور میں نے یہ نمبر ذہن نشین کرلیا اس بائیک کے پاس پہنچ گیا۔ زخمی سڑک کے نشیب میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم کے کئی حصوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں--- میں کار سے پلٹ کر دیکھا اور رک گیا-

یہ نادر زماں تھا۔ انسپکٹر نادر زماں۔

نادر زماں کو اس عالم میں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے اعصاب کشیدہ ہوگئے۔ بدن میں ہلکی ہلکی لرزشیں محسوس ہونے لگیں' لیکن پھر اس کے بعد سے بہتے ہوئے خون نے مجھے چونکا دیا۔ اب اس وقت اعصاب کی کشیدگی کو قابو میں کرنا ہے' ورنہ نادر زماں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شخص کے لئے میرے دل میں بڑا مقام تھا۔ میں اسے کار میں ڈال کر ہسپتال لے گیا۔ ہسپتال میں پہنچ کر میں نے ڈاکٹروں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا۔ نادر زماں کی جیب سے برآمد ہونے والا پولیس کارڈ انہیں دکھایا۔ نتیجے میں نادر زماں کو فوری امداد مل گئی' اور یہ بات بھی حیرت ناک تھی کہ خون کی کمی کو پورا کرنے کے لئے جب خون کی فوری ضرورت پیش آئی تو میرا بلڈ گروپ' نادر زماں کے بلڈ گروپ سے مکمل طور پر میچ کرگیا اور اس طرح میری نادر زماں کی خوش قسمتی سے فوری اور بہتر امداد مل جانے کی وجہ سے نادر زماں کی زندگی کا خطرہ ٹل گیا۔ میں نے ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود دو پوائنٹ خون نادر زماں کو دیا تھا اور کچھ دیر کی کاوشوں کے بعد ڈاکٹروں نے نادر زماں کی زندگی خطرے سے باہر قرار دے دی۔ تب میں نے نادر زماں کے گھر ٹیلی فون کیا۔ اپنا تعارف تو میں نے نہیں کرایا تھا۔ البتہ میں نے کہا:

"بھابھی صاحبہ! میں آپ کے لئے اجنبی نہیں ہوں' لیکن میرا نام پتہ جاننے کے بجائے آپ انتہائی سکون کے ساتھ فوراً ہسپتال پہنچ جایئے۔ نادر زماں صاحب کو حادثہ پیش آگیا ہے' ان کی حالت مکمل طور پر خطرے سے باہر ہے۔ اور وہ بالکل بہتر حالت میں ہیں۔ اس کے بعد ہی میں نے آپ کو فون کیا ہے۔ آپ براہ کرم یہاں آجایئے۔

"مگر آپ۔"

"پلیز۔ اس چکر میں نہ پڑیں' بلکہ ایسا کریں کہ حیات علی شاہ صاحب کو بھی آپ خود ہی فون کرکے گھر سے باہر نکلیں۔"

"مگر بھائی آپ اپنے بارے میں تو کچھ بتایئے۔"

"پلیز---" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کردیا۔ البتہ میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ان لوگوں کو فوری طور پر میرے بارے میں معلومات حاصل ہوجائیں گی۔ چھپانا ضروری نہیں تھا۔ بس بلاوجہ کا احسان سر لادنے کی کوشش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ

تھوڑا سا فاصلہ اختیار کیا۔

اصل میں ڈاکٹروں وغیرہ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتانا پڑا تھا' کچھ قانونی معاملات بھی ہوا کرتے ہیں' جن کے لئے یہ کارروائی ضروری تھی ورنہ شاید میں اپنے آپ کو منظر عام پر ہی نہ لاتا۔

پھر میں نادر زماں کی بیگم' رحمت علی شاہ' حیات علی شاہ' رضوانہ اور ایاز سبھی کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے بعد میرا وہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے علاقے کے تھانے پر بھی ٹیلی فون کیا اور انسپکٹر کو بتایا کہ جائے حادثہ کونسی ہے' اور وہاں نادر زماں صاحب کی موٹر سائیکل پڑی ہوئی ہے۔ ان ساری کارروائیوں کی تکمیل کے بعد میں واپس چل پڑا تھا۔

پھر دوسرے دن صبح ہی میں نے نادر زماں کی خیریت معلوم کی تھی۔ ہسپتال کی ایک ڈاکٹر نے مجھ سے تعاون کیا اور بتایا کہ نادر زماں صاحب بالکل خیریت سے ہیں۔ بہرحال دل تو چاہتا تھا کہ نادر زماں سے جاکر ملاقات کروں' لیکن بس کچھ معاملات آڑے تھے۔ اور پھر یہاں کا سلسلہ بھی اسی انداز میں چل رہا تھا۔ ڈاکٹر کو یا پولیس انسپکٹر کو میں نے اس کار کے نمبر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا جس سے حادثہ ہوا تھا۔ اور میں پورے دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ یہ حادثہ اتفاقی نہیں تھا۔ بلکہ جان بوجھ کر نادر زماں کی موٹر سائیکل کو ٹکر ماری گئی تھی۔ اور وہ شخص صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے نیچے بھی اترا تھا۔ اگر وہ نادر زماں کو زندہ حالت میں پاتا تو ممکن ہے اسے قتل کرنے کی کوشش کرتا' وہ تو میری کار ہیڈ لائٹس کی زد میں آگیا تھا۔ ورنہ شاید نادر زماں اس وقت اس دنیا میں نہ ہوتا۔ چنانچہ اب یہ معاملہ ڈبل ہوگیا تھا۔

قاضی صاحب سے ملاقات کرکے میں نے انہیں اس بارے میں تفصیلات بتائیں تو قاضی صاحب بھی دنگ رہ گئے اور بولے:

"مگر کار کے نمبر سے تم نے کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔"

"ابھی نہیں قاضی صاحب' لیکن رجسٹریشن آفس سے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔"

"خیر یہ معاملہ ایسا ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہیں منع بھی نہیں کرسکتا' لیکن میں چاہتا ہوں کہ بہت سے جھگڑے ایک ساتھ نہ پالو۔ منتشر ہوکر رہ جاؤ گے۔"

"اصل میں قاضی صاحب! نادر زماں کے بارے میں آپ کو تمام تفصیلات بتا چکا ہوں۔ اتفاقیہ طور پر وہ بھی میری زندگی میں اسی طرح شامل ہوگیا ہے جیسے آپ۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کی حیثیت ایک استاد کی سی ہے۔ اس کی حیثیت ایک دوست کی سی۔ ایسا دوست جو مجھ سے ناراض ہے۔"

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا' چلو ٹھیک ہے میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں قاضی صاحب! میں رجسٹریشن آفس سے تمام معلومات حاصل کرلوں گا۔"

اسی دن شام کو میں ہسپتال بھی پہنچا تھا اور میں نے نادر زماں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ البتہ اس کے پاس کمرے میں نہیں گیا تھا۔ واپس پلٹا تو سامنے سے رضوانہ آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے مجھے دیکھا' ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی' لیکن میں خود تیزی سے ایک طرف مڑگیا تھا' پھر راہداری کے آخری سرے پر پہنچ کر میں نے دیکھا رضوانہ اپنی جگہ کھڑی مجھے اسی سمت نگاہیں دوڑا دوڑا کر دیکھ رہی تھی جدھر میں آیا تھا۔ میں وہاں سے واپس چل پڑا۔

رجسٹریشن آفس سے معلومات حاصل ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ کار شوبزنس کے ایک شخص عابد حسین کی تھی۔ عابد حسین کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلیں۔ اور فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں دوسرے دن ساری تفصیلات معلوم کروں گا۔ چونکہ نادر زماں خود ابھی بہتر حالت میں نہیں ہے اس لئے یہ معلومات خفیہ رکھنا ضروری ہوگا۔ البتہ چالاکی سے کام لیتے ہوئے میں نے علاقہ انسپکٹر کو آواز بدل کر فون کیا اور کہا کہ انسپکٹر نادر زماں کو جان بوجھ کر ٹکر مار کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ زندہ ہے اور ہسپتال میں ہے اس خوف کا شکار ہوجائیں گے کہ کہیں وہ ان کی نشاندہی نہ کردے اس لئے انسپکٹر زماں کی حفاظت کا معقول بندوبست کرلیا جائے' اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو انسپکٹر کی اپنی ذمے داری ہوگی۔ انسپکٹر مجھ سے پوچھتا ہی رہ گیا کہ میں کون ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر اسی لئے پبلک کال بوتھ سے فون کیا تھا کہ کسی کو میرے بارے میں علم نہ ہو۔

بہرحال پھر میں واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔ دونوں معاملات اہمیت کے حامل تھے۔ اور

دونوں ہی کی فکر تھی مجھے۔ ادھر کی کہانی ادھر چل رہی تھی اور درمیان میں ہی ایک نئی کہانی داخل ہوگئی تھی۔ بہرحال ادھر کے معاملات اس لئے تھوڑے سنبھل گئے تھے کہ مسز نادر زماں' حیات علی شاہ صاحب' ایاز وغیرہ دن رات نادر زماں کے ساتھ موجود رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انسپکٹر کو بھی سب کچھ بتا دیا گیا۔ نادر زماں کی خیریت بھی پتہ چل گئی تھی۔ چنانچہ اب یہاں کی خیریت معلوم کرنا ضروری تھا۔

اس سلسلے میں شازیہ بیگم خاصی آگے بڑھ چکی تھیں۔ فوزیہ تو خیر تھی ہی میری راز دار اور میں اس کا معاون لیکن شازیہ بیگم کو میرے اوپر کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ ان کی بے تکلفی مسلسل جاری تھی۔ انہوں نے مجھے ایک بڑی رقم دیتے ہوئے کہا:

"آپ ایسا کیجئے کہ اخراجات کے سلسلے میں بھی خود ہی ذمے داریاں قبول کیجئے۔ میں احمر کی زندگی چاہتی ہوں کتنی ہی رقم کی ضرورت ہو۔ اگر آپ نے مجھ سے نہ مانگی تو مجھے افسوس ہو گا۔"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے' بہرحال وہ میرا دوست ہے اور میں دل و جان سے اس کی زندگی کے لئے کوششیں کررہا ہوں۔"

یہاں تھوڑی سی گڑبڑ یہ تھی کہ فوزیہ اور شازیہ نہ صرف اپنے اپنے معاملات حل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں' بلکہ مجھے اپنی گرفت میں لینے کے لئے کوششیں بھی میرے علم میں تھیں۔ اس وقت شازیہ سے ہی ملاقات ہوئی تھی۔ شازیہ نے مجھ سے کہا:

"انسان کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ کوئی اس کا رازدار ہو۔ تم جس طرح احمر کے ساتھ دوستی نبھا رہے ہو' یقین کرو کبھی کبھی میں بڑی حسرت کا شکار ہوجاتی ہوں کہ کاش کوئی میرا بھی اتنا ہی گہرا اور بے لوث دوست ہوتا جس سے میں دل کی تمام باتیں کہہ سکتی۔"

"دوست بنانے کے لئے آپ کا اپنا بھی معیار ہو گا شازیہ صاحبہ۔ میری مجبوری ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ رسک بھی لینا پڑتا ہے اور ہمت بھی کرنی پڑتی ہے۔ فرض کیجئے کہ

میں آپ سے یہ کہوں کہ میں آپ کی عزت بھی کرتا ہوں اور اپنے آپ کو آپ کا دوست بنانے کی کوشش بھی کرنا چاہتا ہوں تو اس کے جواب میں آپ کی طرف سے کیا طریقہ کار ہوگا؟" وہ مجھے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا:

"منصور! میں کیا کہہ سکتی ہوں اس سلسلے میں۔ سوائے اس کے کہ میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تنہائیوں میں گزارا ہے۔ اتنی دل برداشتہ ہوئی ہوں میں اپنے حالات اور ماحول سے کہ پھر میں نے حقیقتوں سے سمجھوتہ کرنا شروع کردیا۔ میرا تعلق اس شہر سے نہیں ہے۔ کہیں اور رہتی تھی میں۔ وہیں پرورش پائی۔ آج یہ تمہیں دل کی بہت سی باتیں بتا رہی ہوں۔ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے والد میرے شوہر کے ملازم تھے اور اکثر جب بھی کبھی رحمان ہمارے شہر میں جاتے تھے تو ہمارے گھر ہی قیام کرتے تھے۔ میں نے زندگی کا بیشتر حصہ ان کے سامنے ہی گزارا تھا۔ وہ ہم پر بہت مہربان تھے۔ لیکن میں نے کبھی خواب میں نہیں سوچا تھا کہ مجھے ان کی زندگی میں شامل ہونا پڑے گا۔ میرے والد صاحب سلطان مرحوم بدنصیب انسان تھے۔ بے شمار مسائل کا شکار، پھر ایک بار رحمان صاحب کے کاروبار میں ایک بڑا غبن ہوا اور میرے والد صاحب اس سلسلے میں ملوث ہوگئے۔ میں آپ کو بتاؤں منصور بچپن میں میری منگنی احسان سے ہوگئی تھی۔ اور میرے ذہن میں یہی جذبے پروان چڑھ رہے تھے کہ جوان ہو کر ہم ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہوجائیں گے۔ پھر احسان تعلیم کے لئے باہر چلے گئے، اور جب غبن کا یہ حادثہ ہوا تو رحمان صاحب نے کھل کر میرے والد صاحب کو اس کا ذمے دار قرار دیا اور کہا کہ اس رقم کو پورا کرنا ان کی ذمے داری ہے۔ لیکن ہم تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ ہم یہ رقم مہیا کرویں گے۔ اس دوران والد صاحب ایسے بیمار ہوئے کہ بستر سے لگ گئے۔ احسان ان کی بیماری کا سن کر واپس آگئے۔ اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اب میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے، لیکن رحمان صاحب نے میرے والد صاحب کو پیشکش کی کہ اگر میری شادی رحمان صاحب سے کردی جائے تو رقم کا معاملہ دبا دیا جائے گا۔ بہر طور مختصر یہ ہے کہ میری شادی رحمان صاحب سے کردی گئی۔"

"اور اس کے بعد رحمان صاحب کا انتقال ہوگیا، اور احسان آپ کے پاس آگئے۔"

"خدا کے لئے اس انداز میں نہ سوچیں۔ اس انداز میں بالکل نہ سوچیں منصور۔

اگر یہ سمجھتے ہو کہ احسان کے دل میں رقابت کا کوئی جذبہ پروان چڑھا ہے یا یہ کہ اس سلسلے میں میں نے یا احسان نے کوئی سازش کی ہے، رحمان کو راستے سے ہٹایا ہے، اور احمر کو راستے سے ہٹانا چاہتی ہوں تو ہمیں خدا کا واسطہ ایسا کوئی تصور دل میں نہ لانا تم تحقیقات کرو مکمل اختیارات حاصل ہیں تمہیں بلکہ میں اس سلسلے میں تمہیں ہر طرح کی مدد کی پیشکش بھی کرتی ہوں۔ تم جس طرح بھی چاہو معلومات حاصل کرو۔ اپنا انداز فکر بالکل بدل لو۔ ہم نے احمر کے ساتھ کچھ نہیں کیا ہے، ہم دونوں بے گناہ ہیں۔"

"یعنی احسان بھی۔"

"ہاں۔ وہ بھی۔"

"کیا اب بھی آپ کو احسان سے محبت ہے۔"

"ہاں۔ لیکن اب میں اسے اپنی زندگی میں شامل نہیں کرسکتی کیونکہ ان حالات کے تحت صورت حال بہت عجیب ہوجائے گی۔" میں خاموش ہوگیا۔

پھر دوسری صبح میں جاگا بھی نہیں تھا کہ ایک بھونچال سا آگیا۔ میرے کمرے کا دروازہ اتنی زور سے پیٹا گیا کہ میں بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ پیٹنے والی فوزیہ جو زارو قطار رو رہی تھی، چیخ رہی تھی۔ اور اس کے منہ سے جو الفاظ نکل رہے تھے وہ بمشکل ہی میری سمجھ میں آسکے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی:

"منصور منصور۔ میرا بھائی میرا بھائی۔" اس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور اندر آکر مجھ سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا فوزیہ۔ کیا ہوا فوزیہ صاحبہ؟"

"فون آیا ہے۔ فون آیا ہے۔ وہ۔ وہ اس دنیا سے چلا گیا۔ احمر اس دنیا سے چلا گیا۔ کھا گئے ہمیں ہمارے دشمن۔ آہ منصور ہمیں ہمارے دشمن کھا گئے۔ ہسپتال چلو ہسپتال چلو۔" وہ چیخے جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بے شمار افراد کمرے کے سامنے جمع ہو گئے۔ احسان بھی تھا۔ شازیہ بھی تھی، جیسے ہی شازیہ قریب پہنچی فوزیہ اس پر الٹ گئی۔

"کھا گئی تو، کھا گئی زہریلی ناگن میرے بھائی کو تو نے ڈس لیا تو نے اسے، میں تجھے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تجھے بھی اس دنیا میں زندہ نہیں رہنے دوں گی میں۔"

وہ شازیہ کی جانب بڑھی تو میں نے اسے عقب سے پکڑ لیا۔ "کیا کررہی ہو فوزیہ،

ہوش میں آؤ۔؟"

"ہوش میں آؤں، کیسے آؤں، میرا بھائی ختم ہوگیا، مرگیا میرا بھائی۔"

سب کے منہ سے آوازیں سی نکل گئی تھیں۔ وہ میری طرف مڑی اور بولی:

"تم ہسپتال کیوں نہیں چلتے، تم ہسپتال کیوں نہیں چل رہے۔"

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں اس نے مجھے گھسیٹتے ہوئے کہا:

احسان، شازیہ اور ملازم باہر ہی کھڑے رہ گئے تھے۔

"ہوش میں آؤ۔ میں ذرا لباس تبدیل کرلوں۔" باہر نکلتے ہوئے میں نے ان لوگوں سے کہا:

"آپ لوگ بھی ہسپتال آجایئے، میرا خیال ہے ---"

"کوئی نہیں آئے گا، کوئی نہیں آئے گا، میں کہتی ہوں کوئی نہیں آئے گا۔" بمشکل تمام میں فوزیہ کو لے کر وہاں سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر کے بعد میں ہسپتال پہنچ گیا۔

بات کی تصدیق ہوگئی تھی، ڈاکٹر نظامی نے شاید قاضی صاحب کو فون کردیا تھا، کیونکہ میں نے قاضی صاحب کو ہسپتال کے احاطے میں گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن احتیاطاً" میں نے ان سے رجوع نہ کیا، وہ بھی میرے رویے کو سمجھ گئے تھے۔ نظامی صاحب میرے قریب پہنچے اور انہوں نے کہا:

"احمر کو قتل کردیا گیا ہے۔ میں اس سلسلے میں تمہاری اجازت سے پولیس سے رجوع کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ ذرا مجھ سے تفصیلات سن لیجئے، آپ کو کیا کرنا ہے۔" قاضی صاحب میرے قریب پہنچ گئے اور میں نے نظامی صاحب کو تمام صورت حال سمجھا دی۔ انہیں بتا دیا کہ اس سلسلے میں مجھے کہاں تک ملوث ہونا ہے، پولیس کو بہر طور اس کی اطلاع دینی تھی، کیونکہ نظامی صاحب کا کہنا تھا کہ احمر کو قتل کیا گیا ہے، انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"ایک خاص قسم کے زہر کا شکار بنایا گیا ہے احمر کو۔ اس کے اندر تبدیلیاں پیدا ہورہی تھیں اور جو زہر اسے استعمال کرایا جارہا تھا اس کی شدت ختم ہوتی جارہی تھی۔ اور میں انتہائی پر امید ہوگیا تھا کہ وہ بہتری کی جانب آجائے گا، لیکن پچھلی رات اسے دوبارہ زہر دیا گیا ہے۔ غالباً انجکشن کے ذریعے، بہرحال میں نہیں جانتا کہ یہ زہر کس نے دیا۔ انجکشن رات کو دو اور تین بجے کے درمیان دیا گیا ہے اور اسی سے احمر کی موت واقع ہوئی ہے۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ احمر کی موت کا نجانے کیوں مجھے بھی شدید افسوس ہوا تھا۔ لیکن اب صورت حال بے مقصد ہوگئی تھی۔

فوزیہ واویلا کرتی رہی تھی۔ وہ لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔ لیکن وہ سب سکتے کے عالم میں تھے، اور میرا دماغ چکرایا ہوا تھا، کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کون غلط ہے اور کون صحیح۔ بہرحال اب اس سلسلے میں باقی تفصیلات معلوم کرنی تھیں۔ میں احتیاط کے ساتھ بند کمرے میں احمر کا جائزہ لینے لگا، ابھی تک پولیس بھی وہاں نہیں پہنچی تھی۔ اور لاش جوں کی توں اسی حالت میں تھی۔ ڈاکٹر نظامی کا کہنا تھا کہ زہریلا انجکشن اسے دو اور تین بجے کے درمیان لگایا گیا ہے۔ پھر ایک بہت بڑا کام ہوا، ہم نے لاش کی تلاشی لی تو احمر کی مٹھی میں ایک چھوٹا سا سونے کا لاکٹ دبا ہوا پایا گیا جس کی زنجیر ٹوٹ گئی تھی۔ یقینی طور پر یہ لاکٹ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اور اس کا اس طرح پائے جانا بے حد سنسنی خیز تھا۔ قاضی صاحب نے مشورہ دیا کہ لاکٹ کو جوں کا توں اس کی مٹھی میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ باقاعدہ پولیس کی تحویل میں جائے، میں نے بھی قاضی صاحب سے اتفاق کرلیا تھا۔ البتہ میں نے اس سلسلے میں قاضی صاحب سے کہا پولیس انسپکٹر کو وہاں میری موجودگی کا علم بھی ہوگا اور میرا نام بھی اس شکل میں سامنے آجائے گا اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے تو قاضی صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا:

"اس علاقے کا تھانہ انچارج آفاق احمد ہے، میرے دوست کا بیٹا بھی ہے۔ اور مجھ سے براہ راست اس کے رابطے ہیں۔ چنانچہ میں اس سے ساری صورت حال بتا کر کہہ دوں گا کہ میں تحقیق کررہا ہوں اور ایسا ہی ہوا۔ لاش کے سلسلے میں آفاق احمد کارروائی کرنے لگا۔ وہ لاکٹ بھی اس نے جوں کا توں برآمد کیا تھا، اور اسے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ مختلف لوگوں کے بیانات لکھے گئے۔ فوزیہ نے مکمل طور پر شازیہ اور احسان پر اپنے شبے کا اظہار کیا۔ شازیہ کے چہرے پر ایک مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ احسان بھی پریشان تھا، لیکن بہرحال اس نے بھی اپنے تحفظ کا بندوبست کیا تھا۔ آفاق احمد سے ہمیں ساری رپورٹیں مل رہی تھیں، اس کے علاوہ احمر کی موت کے بعد میرا اس عمارت میں رہنے کا

کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ چنانچہ مجھے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ اور یہ ہم سب کی خواہش کے مطابق تھا۔

میں نے آفاق احمد سے قاضی صاحب کے آفس میں ملاقات کی اور اس سلسلے میں اسے مکمل طور پر بریف کیا۔ ساری صورت حال اس کے علم میں آگئی تھی۔ اس نے کہا:

"آپ بالکل بے فکر رہیے۔ آپ کا نام صرف احمر کے دوست کی حیثیت سے عارضی طور پر منظرعام پر آئے گا۔ ہاں اگر آپ اس کیس میں فوزیہ کی وکالت کریں گے تو اس وقت یہ بات منظرعام پر آپ خود لاسکتے ہیں۔ ویسے فوزیہ صاحبہ نے آپ کو اس سلسلے میں اپنی کوئی تحریری درخواست بھی دی ہوئی ہے۔ قاضی صاحب نے مسکراتے ہوئے آفاق احمد کو دیکھا اور بولے:

یقین کرو' مجھے تم سے اسی سوال کی توقع تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اب فوری طور پر ہمیں فوزیہ سے تحریری درخواست لے لینی چاہیے۔ اب یہ صورت حال سنگین ہوگئی ہے۔ اس لئے یہ کام ہمیں کرنا ہے۔"

بہرحال اس کے بعد مجھے اس سلسلے میں اپنے طور پر بھی کچھ کارروائیاں کرنی تھیں' اس کے علاوہ نادر زماں بھی ذہن میں اٹکا ہوا تھا اس قدر لاپرواہی غیرمناسب تھی۔ کیونکہ اس سے ایک رابطہ بھی تھا اور ویسے بھی میں اس معاملے کا چشم دید گواہ تھا۔

فوزیہ کو ہم نے دوسرے دن دفتر ہی میں بلایا' غم کا شکار تھی اور کافی خراب حالت میں تھی۔ اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا:

"کوئی بھی کچھ نہیں کرسکا' کسی نے کچھ بھی نہیں کیا۔ میں تنہا رہ گئی۔ آہ میں تنہا رہ گئی۔ اب' کوئی میرا سہارا نہیں ہے' کاش وہ ناگن ساری دولت لے کر میرے بھائی کو میرے لئے رہنے دیتی اس نے تو ہم دونوں ہی کو ختم کردیا' کامیاب ہوگئی' وہ کامیاب ہوگئی۔"

"مس فوزیہ صبر کرنا ہوگا آپ کو ہمت سے کام لیجئے۔"

"کیا ہمت سے کام لوں۔ اب کیا کروں' بتایئے کیا کروں' کیا رہا اب میرے لئے اس دنیا میں۔ ایک بھائی کے علاوہ اور کیا تھا میرے پاس۔ چھن گیا۔ چلاگیا وہ بھی مجھے چھوڑ کر' کوئی کچھ نہیں کرسکا' آپ بھی کچھ نہیں کرسکے۔ مجھے بتایئے مجھے کیا کرنا چاہیے۔

اس ناگن سے کہیں مجھے بھی ڈس لے۔ میں جی کر کیا کروں گی اب۔ میں جی کر کیا کروں گی۔"

"دیکھیے حوصلہ سے کام لیجئے۔"

"اب کاہے کا حوصلہ قاضی صاحب۔ اب حوصلے سے کام لے کر کیا کروں گی۔ مجھے بھی ختم کردیا جائے تو زیادہ اچھا ہے' شکرگزار ہوں گی۔ میں ان کی جو میری زندگی کا خاتمہ کردیں گے۔ آہ نہیں جیا جارہا۔ اب نہیں جیا جارہا مجھ سے۔"

"کیا آپ اپنے بھائی کی قاتلہ سے انتقام بھی نہیں لیں گی۔" قاضی صاحب نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے چہرے پر ایک سنگین تاثر نمودار ہوگیا۔

"بدلہ تو میں اس سے خود بھی لے سکتی ہوں۔ لیکن ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔"

"تو پھر آپ ہم سے تعاون کیجئے۔ ہم اسے مجرم ثابت کرنے کے لئے بھرپور کوشش کریں گے۔

اور بات اس کی سمجھ میں آگئی' نتیجے میں اس سے وہ تحریری درخواست بھی لے لی گئی اور اس پر پرانی تاریخ بھی اس کے ہاتھ سے ڈلوادی گئی۔ اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد اسے واپس پہنچا دیا گیا تھا۔ قاضی صاحب نے کہا:

"آفاق احمد' شاید پوسٹ مارٹم رپورٹ کا انتظار کررہا ہے' کچھ دقتیں پیش آگئی ہیں اس رپورٹ کے حصول میں۔ میرا خیال ہے ہم اس سلسلے میں کام کرنے دیں اور اسے تھوڑا سا وقت دے دیں۔"

"ہاں کوئی ہرج نہیں ہے۔" میں نے کہا:

اب اس کے بعد وہاں جانے کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا تھا۔ چنانچہ مجھے کام کرنے کا موقع ملا اور میں نے عابد حسین کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا شروع کردیں۔ اس سلسلے میں' میں نے عابد حسین کے ملازموں سے رجوع کیا تھا۔ ظاہر ہے عابد حسین کو براہ راست ٹچ نہیں کرسکتا تھا۔ جو معلومات مجھے اس دوران حاصل ہوئیں وہ میرے لئے دلچسپی کا باعث تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شاکر خان کو عابد حسین کی کار استعمال کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کار کے اگلے حصے میں ہلکے سے نشانات بھی پڑے ہوئے تھے۔

لیکن شاکر خان کا عابد حسین سے رابطہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ کیونکہ بہرحال کسی نہ کسی طرح وہ بھی شو بزنس سے متعلق تھا۔ چاہے ایک فریبی کی حیثیت سے ہی سہی' یہ کردار خاصا پراسرار ہوتا جارہا تھا۔ خیر عابد حسین سے تو اس کی شناسائی کوئی اہم بات نہیں تھی' لیکن اس گھر میں پہلی بار میں نے اسے دیکھا تھا۔ اس کا تعلق وہاں کس سے تھا۔ شازیہ سے' احسان سے یا فوزیہ سے۔ لیکن ظاہر ہے ہر چیز کا حل فوراً ہی نہیں مل جاتا۔ حاصل کرنا پڑتا ہے' محنت کرنا ہوتی ہے۔

نادر زماں کی خیریت معلوم کرنے ہسپتال پہنچا تو پتہ چلا کہ ہسپتال سے فارغ کردیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا تھا۔ دل تو چاہا کہ جا کر اس کی خیریت معلوم کروں' لیکن پھر تھوڑی سی بددلی بھی ہوگئی' وہ اگر چاہتے تو مجھ سے مل سکتے تھے۔ البتہ ایک بات ذہن میں ضرور تھی کہ شاکر خان کے بارے میں کم از کم نادر زماں کو مطلع کردوں اور اسے ہوشیار کردوں' میں نے ٹیلی فون پر اس کے گھر پر رابطہ قائم کیا اور نادر زماں کی بیوی نے ٹیلیفون اٹھایا:

"میرا نام منصور ہے' نادر زماں صاحب کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کتنی اجنبیت ہے بھائی آپ کے لہجے میں۔ دو ہی باتیں ہیں' یا تو آپ خود کو آسمانی مخلوق سمجھتے ہیں اور ہمیں زمین کی پستیوں میں رہنے والا۔ یا پھر آپ کو سسپنس پیدا کرنے کا شوق ہے۔"

نجانے کیوں نادر زماں کی بیوی کے ان الفاظ پر میرا پارہ چڑھ گیا۔ میری پرانی فطرت بے شک قاضی صاحب کی صحبت میں بدلتی جارہی تھی اور میرے اندر سے ایک شریف انسان ابھر رہا تھا۔ لیکن کم از کم لوگوں کو مجھے تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ کچھ لمحات کی خاموشی کے بعد ادھر سے آواز سنائی دی:

"ہیلو۔"

"جی۔ دیکھیے نہ میں اپنے آپ کو آسمانی مخلوق سمجھتا ہوں اور نہ آپ کو پستیوں کا کوئی انسان اور نہ ہی مجھے بات میں سسپنس پیدا کرنے کی عادت ہے' میں کیا ہوں' کیوں ہوں' بہتر ہے کہ میری ذاتیات پر غور نہ کریں آپ' میں بس آپ سے ایک عرض کرنا چاہتا ہوں اسے سن لیجیے۔ نادر زماں تک پہنچا دیجیے' آپ کی نوازش ہوگی۔ بات اصل میں

یہ ہے کہ اس رات کو جس کار سے نادر زماں کو ٹکر ماری گئی تھی۔ اس کا نمبر بتانا چاہتا ہوں' میں نے اس کی تحقیقات بھی کرلی ہے۔ شو بزنس میں ایک شخص عابد حسین ہے' کار اس کی ملکیت ہے اور اس وقت جب نادر زماں کو ٹکر ماری گئی تھی تو شاکر خان اسے ڈرائیو کررہا تھا۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو یہ دونوں نام نادر زماں صاحب کو بتا دیجیے۔"

"بھائی آپ نے نادر زماں کی خیریت نہیں پوچھی۔"

"نہیں۔ میں نے پہلے یہی الفاظ پوچھے تھے۔"

"دوبارہ آپ نے میری باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔"

"جواب بس اتنا ہی تھا جو میں آپ کو دے چکا ہوں۔"

"آپ نے دو بوتلیں خون دیا ہے نادر زماں کو۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا' آپ صرف یہ اطلاع انہیں دے دیجیے گا۔ خدا حافظ" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کردیا۔

چند لمحے ذہن پر جھلاہٹ سوار رہی اور اس کے بعد میں نے خود کو اس جھلاہٹ سے آزاد کرلیا۔ اب یہ احساس ہورہا تھا کہ نادر زماں کی بیوی کے لہجے میں شکایت ہے' لیکن دنیا صرف اپنی شکایتیں کرتی ہے یہ اندازہ نہیں ہوتا لوگوں کو کہ پتہ نہیں کون سے دل میں کتنے زخم ہیں۔ میں اپنے طور پر زخمی تھا' میری داد رسی کس نے کی تھی۔

ٹیکسی چلاتا تھا' بے شمار کرداروں سے واسطہ پڑتا تھا' اور بے شمار افراد میری زندگی میں بھی آئے تھے میں نے آج تک دوسروں کے ہی دکھ کا مداوا کیا تھا' لیکن جو زخم میرے سینے میں تھا اس کے لئے کسی کے پاس کوئی علاج نہیں تھا' پھر میں کیوں دنیا کے چکر میں پڑوں۔ اور دل میں وہی جھلاہٹ وہی بغاوت پھر سے ابھر آئی جس نے مجھے بارہا نفرتوں کا شکار کیا تھا۔

قاضی صاحب ایک ایسا کردار تھے' جن سے جب بھی ملاقات کرتا وہ میرے لئے سکون مہیا کردیتے' اپنے ذہنی بخار کا تذکرہ ان سے کیا تو کہنے لگے:

"دیکھو بات اصل میں یہ ہے کہ کچھ لوگ اس دنیا میں دوسروں کو نقصان پہنچانے کا کام کرتے ہیں' تو کچھ ان مظلوموں کے دکھ کا مداوا جن کی داد رسی کوئی نہیں کرپاتا اور یہ بات تم کسی سے بھی پوچھو گے' کسی سے بھی کہو گے وہ تمہیں یہی جواب دے گا کہ

نقصان پہنچانے والوں سے' نقصان سے بچانے والا افضل ہوتا ہے۔ یعنی جو ذمہ داری تمہارے سپرد کی گئی تم اس کو سرانجام دینے میں اپنا فرض پورا کر رہے ہو' میں یہ سمجھتا ہوں کہ نادر زماں کے سلسلے میں تم نے جو کچھ کیا ہے وہ بس ٹھیک ہے' حالانکہ میں نہیں جانتا کہ تم مجھ سے کیوں اجتناب برت رہے ہو' یا کون سی ایسی بات تمہارے راستے میں رکاوٹ ہے جو تمہیں نادر زماں کی قربت سے روک رہی ہے' لیکن خیر بہت سے معاملات بالکل ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں' میں کبھی بھی یہ کوشش نہیں کروں گا تم ساری حقیقتوں کو بیک وقت جان لو' نادر زماں محفوظ جگہ ہے اسے اب کوئی خطرہ فی الحال لاحق نہیں رہا ہے' اس کے علاوہ تم نے اسے اس کے دشمنوں کے بارے میں تفصیل بتا دی ہے میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنا کام سرانجام دو' آفاق احمد اپنے طور پر کام کر رہا ہے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ دونوں اپنا اپنا کام سرانجام دیں' پہلے تم اس مسئلے کو دیکھ لو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" پھر قاضی صاحب کے دفتر میں فوزیہ نے مجھ سے ملاقات کی تھی' اس نے کہا۔

"دیکھئے آپ لوگ ایک بالکل ہی الگ لوگ ہیں' میں نے آپ لوگوں کو اپنی ذمہ داری سونپی تھی' مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھ سے غلطی ہوئی' آخر کار میرا بھائی اس دنیا سے چلا گیا اور آپ کچھ بھی نہیں کر سکے' اب کیا کیس لڑیں گے آپ میرا' کیا کریں گے آپ میرے لئے۔ بہت آگے قدم بڑھا دیئے تھے آپ نے اسے گھر سے نکال کر' ہسپتال پہنچا دیا گھر میں کم از کم وہ لوگ اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے' انہیں یہ احساس ہوتا کہ پولیس تحقیقات کرے گی اور بات ان تک پہنچ سکتی ہے لیکن ہسپتال میں اب آپ یہ کیسے پروف کر سکتے ہیں کہ زہر کا انجکشن دینے والا ان دونوں میں سے کوئی تھا یا نہیں۔"

فوزیہ کا سوال بہت سخت تھا' قاضی صاحب نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی پھر کہا:

"فوزیہ۔ خود کو سنبھالو۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے۔"

لیکن آپ نے کیا کیا ہے مجھے اس بات کا جواب دیجئے اس ڈائن نے میرے بھائی کو مجھ سے جدا کر دیا' تنہا رہ گئی میں اس دنیا میں' مجھے اس دولت سے نفرت ہے جس کے لئے یہ کھیل کھیلا گیا۔ میں اس دولت سے بے پناہ نفرت کرتی ہوں' بتاؤ کوئی ایسا ذریعہ ہے

جو میرے بھائی کو اس دنیا میں واپس لے آئے؟ باپ نے سوتیلی ماں نازل کر دی اور وہی کہانی یہاں بھی دوہرائی گئی جو ہزاروں بار مختلف جگہوں پر دوہرائی گئی ہے' سنو تم لوگ اس جرم کے شریک ہو' جب تک شازیہ کو کتوں کی موت نصیب نہیں ہوتی میں سکون سے نہیں بیٹھوں گی۔ جو کچھ ہوا ہے اس کے تم لوگ بھی ذمہ دار ہو' میں کچھ نہیں بگاڑ سکتی تمہارا' انسانیت کے نام پر' اخلاق کے نام پر تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے میرا بھائی واپس دلواؤ ورنہ اس کے قاتلوں کو موت کی سزا دو۔ بتاؤ میں کیسے جیوں گی۔ بتاؤ کیسے جی سکتی ہوں میں؟

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ احمر کو مرنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ ٹھیک ہو رہا تھا اور شاید وہ صحت مند ہو جاتا۔ ویسے کیا آپ ایک بات بتانا پسند کریں گی مس فوزیہ۔"

"کیا؟"

"آپ کو احسان کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں۔" فوزیہ نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولی۔

"کیسی تفصیلات۔؟"

"آپ کو اس بات کا علم ہے کہ احسان کبھی شازیہ کو چاہتا تھا' وہ اس سے شادی کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اس نے شازیہ سے شادی کرنے کے لئے جدوجہد کی تھی' اور اس کے بعد وہ یہ شادی نا کر سکا۔ کیونکہ وہ دولت مند نہیں تھا۔"

"ہاں یہ بات میں جانتی ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں' میں تمہیں یہ بات کہہ کر پریشان نہیں کرنا چاہتی کہ میرے باپ کی موت بھی طبعی نہیں تھی' میں ایک بات تمہیں بتانا چاہتی ہوں اگر تم یقین کر لو۔؟"

"ہاں۔"

"احسان سے میں صرف اس لئے نفرت کرتی ہوں کہ وہ شازیہ کا کزن ہے۔ لیکن بعض اوقات مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ میں اس پر ظلم کر رہی ہوں۔ شازیہ اسے زبردستی اپنے ساتھ لائی ہے۔ جانتے ہو کس لئے؟ صرف اس لئے کہ اپنے جرم کا ہار اس کے گلے میں ڈال سکے' وہ اس کا دست راست بنا رہے۔ شازیہ دولت کی خواہش مند تھی' احسان کو وہ صرف اس جال میں پھانسنا چاہتی ہے' میں یہ بات کبھی نہیں کہنا چاہتی تھی لیکن آج

اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میرا بھائی اس دنیا سے جا چکا ہے' میں نہیں چاہتی کہ کوئی بے گناہ اس جال میں پھنسے۔"

ہم لوگ خاموشی سے اس کی شکل دیکھتے رہے اور پھر فوزیہ نے کہا:

"دیکھئے میں آپ لوگوں کے ساتھ سخت کلامی کر رہی ہوں' لیکن خدا کے لئے۔ خدا کے لئے اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ میں انتہائی منتشر ہوں' اب میں یہ سوچ رہی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بھائی تو اس دنیا سے چلا گیا' آنے والے وقت میں میرا جینا بھی اتنا ضروری نہیں' بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں اپنے بارے میں خود فیصلے کرنا چاہتی ہوں۔ اب مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اٹھی اور ہمارے روکنے کے باوجود نہ رکی۔

قاضی صاحب نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا اور بولے -----

"مجھے احسان سے ملنا چاہیے۔" میں اور قاضی صاحب نکل کھڑے ہوئے۔

احسان کوٹھی میں تھا۔ جس وقت میں اس کے کمرے میں داخل ہوا وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔

"آپ ---"

"کیسے ہیں احسان صاحب ---"

"کیا کہوں اس بات کے جواب میں۔"

"کیوں۔"

"بس' زندگی کی دوڑ بری طرح الجھ گئی ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔"

"کاش میں آپ کی مدد کر سکتا۔"

"آپ ---" اس نے کہا اور عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا' میں اس کا تجزیہ کر رہا تھا' پھر وہ خود ہی بولا" میرے سینے میں بہت تکلیف ہے۔ بڑا اکیلے پن کا احساس ہے میں اپنا دل کھولنا چاہتا ہوں ورنہ میرا سینہ پھٹ جائے گا۔"

"میں کیا کہوں اس بات کے جواب میں۔"

"کیا میں آپ سے باتیں کر سکتا ہوں۔"

"اگر مناسب سمجھیں۔"

"میں میں آپ کو۔ اف اس نے آنکھیں بھینچ کر کہا اور میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ فوزیہ اور شازیہ کے اور میرے رشتے کے بارے میں آپ کو معلوم ہے۔"

"معمولی حد تک۔"

"میں میں اس سے محبت کرتا تھا۔ اس کے بغیر جینے کا تصور ختم کر چکا تھا میں۔ لیکن میرا تصور مجھ سے چھن گیا۔ اس نے دولت سے رشتہ جوڑ لیا اور جب وہ پھر بے سہارا ہو گئی تو اس نے مجھے اپنے پاس بلایا میں جانتا تھا کہ وہ خود غرض ہے' اگر وہ چاہتی تو دولت ٹھکرا کر مجھے اپنا سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ اور جب اسے دوبارہ میری ضرورت پیش آئی تو اس نے بڑی ڈھٹائی سے مجھ سے رجوع کر لیا۔ لیکن میں اس کے رویے کو نظر انداز نہ کر سکا۔ آہ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔

"آپ کے خیال میں' شازیہ صاحبہ نے ایسا کیا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ سب لوگ جو باتیں کہہ رہے ہیں میں بھی انہیں کے انداز میں سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"فوزیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میرا ذاتی خیال کیا حیثیت رکھتا ہے۔"

"پھر بھی۔"

"وہ مظلوم ہے۔ بھائی کا سہارا بھی اس سے چھن گیا ہے۔ حالانکہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ لیکن سچ تو سچ ہی ہوتا ہے۔ اسے تو نہیں جھٹلایا جا سکتا۔"

"میں خاموش ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے قاضی صاحب کی ہدایت پر عمل کیا تھا اور بات خاصی آگے بڑھی۔ پولیس بڑی باریک بینی سے اس کیس کی تفتیش کر رہی تھی۔ کچھ دن کے بعد فوزیہ دوبارہ ہمارے پاس آئی۔ قسمت میں یہی تھا۔ کہنے لگی:

"میں پہلے بھی آپ سے کہہ کر گئی تھی کہ اب کیس کے سلسلے میں آپ سے کوئی مدد نہیں لینا چاہتی۔ لیکن آپ زبردستی اس میں ٹانگ پھنسائے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنا کیس آپ سے واپس لے لیا ہے عدالت میں پیش ہوگا تو میں اس بات کی نشاندہی کروں گی کہ آپ اپنا کام کرنے کے بجائے میرے گھر میں آگھسے تھے اور آپ ہی احمر کو لے کر ہسپتال گئے تھے:

”لیکن کیوں فوزیہ صاحبہ۔“

”اس لئے کہ آپ کچھ بھی نہیں کرپائے۔ اور میرا بھائی مجھ سے دور ہوگیا اور اب ---اب آپ ----“ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”ہم نے آپ سے کچھ لیا تو نہیں ہے فوزیہ صاحبہ۔“

”کون جانے کس سے کیا لیا ہے آپ نے۔ ہوسکتا ہو آپ بھی ان دونوں کے ساتھ مل گئے ہوں۔“

”خود کو سنبھالئے فوزیہ ---- آپ ---“

شٹ اپ۔ میں یہی بتانے آئی تھی آپ کو کہ اب آپ میرے لئے کوئی زحمت نہ کریں۔ ہمارے درمیان اب کوئی رابطہ نہیں ہوگا ----“ وہ واپس پلٹی اور دروازہ کے قریب پہنچ کر بولی ”اس کے علاوہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہ کرنا میری مجبوری ہے۔“ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

قاضی صاحب نے میری طرف۔ دیکھا تو میں نے گہری سانس لے کر کہا:

”میرے خیال میں یہ ہمارے لئے بہتر ہے۔ قاضی صاحب کچھ نہ بولے تو میں نے پھر کہا ”اب آپ زیادہ سکون سے اپنا کام کرسکتے ہیں۔ قاضی صاحب گردن ہلانے لگے۔ ہم نے ایک دلچسپ کھیل کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اس کھیل کی تکمیل آخر کار شروع ہوگئی۔ پولیس نے شازیہ کے خلاف تحقیقات مکمل کرلی تھیں اور پھر اس کا چالان پیش کردیا گیا۔ فوزیہ کی طرف سے ایک بہت ہی قابل وکیل نعمان صدیقی پیش ہوئے تھے نعمان صدیقی بڑی اچھی شہرت کے حامل تھے' ویسے بھی نفیس انسان تھے انہوں نے عدالت کے سامنے کیس پیش کردیا' شازیہ کو ملزموں کے کٹہرے میں پہنچا دیا گیا تھا وہ ایک سادہ لباس میں ملبوس تھی اور اس کا چہرہ سفید اور اترا ہوا تھا' آنکھوں میں حلقے پڑگئے تھے خاصی بری حالت نظر آرہی تھی اس کی' نعمان صدیقی نے کیس پیش کرتے ہوئے کہا ----

”جناب والا ایک معزز شخصیت ہونے کے باوجود محترمہ شازیہ سلطان ایک بھیانک جرم کی مرتکب ہوئی ہیں' جناب والا ایسی عورتیں معاشرے کا ایک ایسا گھناؤنا کردار ہوتی ہیں جن کی مذمت کے لئے صحیح الفاظ بھی نہیں مل سکتے اس قاتلہ کو مرحوم رحمان صاحب نے اپنی شریک زندگی اس لئے بنایا تھا کہ اپنے گھر کی مشکلات دور کرسکیں۔ اپنے بچوں کی

صحیح دیکھ بھال کرسکیں لیکن صورت حال کچھ اور ہی ہوگئی اور رحمان صاحب اپنی صداقت کا شکار ہوگئے ان کی موت غیر متوقع تھی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ طبعی موت تھی یا نہیں' شازیہ سلطان نے شوہر کا کانٹا نکل جانے کے بعد رحمان کے دونوں بچوں پر نگاہ کی اور انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ ان بچوں کو راستے سے ہٹائے بغیر دولت پر مکمل طور پر ان کا تصرف ممکن نہیں ہے چنانچہ پہلے انہوں نے احمر رحمان کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا اور آہستہ آہستہ اسے ہیروین جیسی لعنتی چیز کا عادی بنا دیا' احمر رحمان اس کا شکار ہوگیا تو شازیہ سلطان نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے ایک ایسے زہر کا استعمال اس پر شروع کردیا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے وہ کارروائی شازیہ کے لئے مشکل نہیں تھی' احمر رحمان کو اس کا قطعی علم نہیں ہوسکا اور وہ اپنی سوتیلی ماں کی سازشوں کا شکار ہوتا رہا' یہاں تک کہ اس کی حالت بہت خراب ہوگئی اس کی بہن فوزیہ نے پہلے تو انتظار کیا کہ شاید اس کی حالت بہتر ہوجائے لیکن جب اس نے احمر رحمان کو ہسپتال تک پہنچایا تو اس پر یہ بات آشکار ہوئی کہ اسے زہر دیا جارہا ہے۔ بہرحال حالات سنگین سے سنگین شکل اختیار کرتے چلے گئے لیکن فوزیہ رحمان کی کوششوں سے احمر رحمان کی حالت بہتر ہونے لگی' جس کا علم شازیہ سلطان کو ہوا تو اس نے انتہائی اقدام کرنے کا فیصلہ کیا اور کلینک میں داخل ہو کر احمر کو زہریلا انجکشن دے کر اس کی زندگی ختم کردی' یہاں تک کے پولیس آفیسروں نے حقیقتوں کا سراغ لگاتے ہوئے اہم ثبوت فراہم کرلیے ہیں' جن میں زہر کی شیشی شازیہ سلطان کے کمرے سے حاصل ہوچکی ہے اس کے علاوہ جب انہوں نے احمر کو زبردستی زہر کا انجکشن لگانے کی کوشش کی تو تھوڑی سی جدوجہد بھی ہوئی جس کے نتیجے میں شازیہ رحمان کا لاکٹ ٹوٹ کر احمر کے ہاتھ میں رہ گیا اور اسے اس کا احساس نہیں ہوسکا یہ دونوں چیزیں اس بات کا مکمل ثبوت ہیں کہ شازیہ رحمان نے اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لئے احمر رحمان کو قتل کردیا اس کے بعد لازمی طور پر فوزیہ رحمان کی باری تھی اور اس کے لئے یہ خوفناک قاتلہ کوئی گہری سازش کرسکتی تھی لیکن جسے اللہ رکھے کون چکھے وہ اپنے ہی جال میں پھنس گئی' جناب والا ایسی خوفناک قاتلہ کو ان ثبوتوں کے بعد سزائے موت ملنی چاہیے تاکہ معاشرے میں دوبارہ ایسے گھناؤنے جرائم کا آغاز نہ ہو۔“ نعمان صاحب کیس پیش کرنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو جج صاحب کی آواز ابھری ----

"ملزمہ کی طرف سے وکیل کون ہے؟" اور میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"میں ملزمہ کا وکیل ہوں جناب والا میں نے وکالت نامہ عدالت کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا، جس کی تکمیل قاضی صاحب نے اس طرح کی تھی کہ خود شازیہ سلطان کو بھی حقیقتوں کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میرے ان الفاظ کا رد عمل مختلف لوگوں پر مختلف انداز میں ہوا، شازیہ جس انداز میں گردن لٹکائے کٹہرے میں کھڑی ہوئی تھی، بری طرح چونک کر مجھے گھورنے لگی، پچھلی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی فوزیہ کرسی سے ایک لمحے کے لئے کھڑی ہوئی اور پھر بیٹھ گئی، احسان پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا، نعمان صدیقی نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گردن جھکالی، تب میں نے کہا ----

"جناب والا قانون کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے میرے ذہن میں قانون کے تحفظ اور اپنے مستقبل کے لئے بہت اچھے خیالات تھے لیکن عدالتوں میں وکالتوں کی زبان درحقیقت مختلف ہوتی ہے، وکلا ہر اس شخص پر جس کا جرم عدالت کے سامنے ثابت بھی نہ ہوا ہو، الزامات لگائے ہوئے وہ زبان استعمال کرتے ہیں جو کسی بھی طرح ایک مہذب زبان نہیں کہلائی جا سکتی، دلائل پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس وہ الفاظ بھی ہوتے ہیں جس سے ہم کسی کی توہین کئے بغیر بھی اپنا مقصد معزز عدالت پر واضح کر سکتے ہیں، میری درخواست ہے کہ جب تک شازیہ سلطان پر فرد جرم عائد نہ ہو جائے ان کے لئے تلخ زبان کا استعمال نہ کیا جائے ----"

"وکیل صاحب احتیاط رکھیں" جج صاحب نے ریمارکس دیئے۔

شکریہ جناب عالی شازیہ سلطان کو ملزمہ قرار دینے کے لئے بڑے پھیکے ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ میں چند حقائق پر روشنی ڈال کر ان ثبوتوں پر بحث کروں گا۔ اور اپنے طور پر میں شازیہ سلطان یا شازیہ رحمان کے ماضی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

"کیا اس کا تعلق اس کیس سے ہے۔"

"جی جناب عالی۔"

"بتایا جائے ----"

"محترم جج صاحب! میری موکلہ کے والد سلطان احمد مرحوم ایک نیک فطرت انسان تھے۔ رحمان صاحب مرحوم نے ان پر غبن کا الزام لگا کر ان کی بیٹی شازیہ سلطان سے

شادی کی شرط پیش کی اور اس کے چند ثبوت ان خطوط کی شکل میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ خطوط اس بلیک میلنگ کا ثبوت ہیں۔ اور ایسی تفصیلات کے ساتھ میں عدالت کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنی محنت سے حاصل کئے ہوئے خطوط معزز عدالت کو پیش کئے۔ اور کہا

اس طرح عالی حضور! یہ تصور واضح ہو جاتا ہے کہ شازیہ رحمان اپنے کسی منصوبے کے تحت رحمان صاحب تک پہنچی تھی۔ یہ شادی ایک مجبوری تھی ورنہ شازیہ کا رشتہ اس کے عزیز احسان احمد سے طے تھا۔ جو بیرون ملک تعلیم حاصل کرتا تھا اور آخر کار سلطان صاحب کی موت کے بعد وہ وطن واپس آ گیا۔

"عدالت ان خطوط کی تفصیل جاننے کے بعد اگلے بیانات کے بارے میں اجازت دے گی۔ چنانچہ دوسری پیشی کے لئے عدالت ملتوی کی جاتی ہے۔"

میری پہلی کوشش نے ہی نعمان صدیقی کے بیان کی دیوار میں شگاف ڈال دیا تھا۔ لیکن ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔ اور اس کے بعد ایک بہترین لائحہ عمل میرے ذہن میں تھا۔ اس رات میں اور قاضی صاحب بہت دیر تک سر جوڑ کر بیٹھے رہے تھے اور بہت سے فیصلے کرتے رہے تھے۔ دوسرے دن ایک نئے ہنگامے سے دوچار ہونا پڑا۔ آج کوئی کیس نہیں تھا اور ہمیں دفتر میں ہی وقت گزارنا تھا۔ کوئی گیارہ بجے ایک فون موصول ہوا۔

"پولیس ہیڈ کوارٹر سے انسپکٹر شہزور بول رہا ہوں کیا منصور صاحب یہاں موجود ہیں۔"

"جی میں بول رہا ہوں۔"

"منصور صاحب ایک انتہائی اہم مسئلے میں آپ کی یہاں ضرورت ہے۔ انسپکٹر نادر زماں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیا وہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہیں۔"

"جی۔"

"بات ہو سکتی ہے ان سے۔"

"اس وقت لاک اپ روم میں ہیں اور کچھ ملزموں سے بات کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں آرہا ہوں۔"

"قاضی صاحب کو حقیقت بتا کر میں چل پڑا۔ ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ نادر زماں کو میری کیا ضرورت پیش آئی۔ ایک عجیب سا احساس دل میں تھا۔ بہرحال لاک اپ پہنچ گیا۔ بڑے اپ میں کوئی پندرہ لڑکیاں اور کچھ مرد موجود تھے۔ نادر زماں وردی میں نظر آیا تو اس کے جسم کے مختلف حصوں میں بینڈیج نظر آرہی تھیں۔ وہ جس شخص سے بات کر رہا تھا' شاکر خان تھا جسے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ میں نے عابد حسین کو بھی دیکھا تھا جو اس سے تھوڑے فاصلے پر سر جھکائے کھڑا تھا۔ میں نادر زماں کے پاس پہنچ گیا۔ "ہیلو---" میں نے کہا--- اور نادر زماں نے مسرور نظروں سے مجھے دیکھا۔

"ہیلو وکیل صاحب۔"

کیسے ہیں نادر زماں صاحب"

"ٹھیک ہوں۔ آپ نے میری بائیک کو ٹکر مارنے والے کو دیکھا تھا۔"

"سو فیصدی --- یہ شاکر خان صاحب ہی تھے۔"

"پچھلے دنوں مین ایسے گروہ کی تلاش میں تھا جو غریب اور پریشان حال لڑکیوں کو فلم میں کام دینے کا لالچ دے کر انھیں غلط کاموں کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس سلسلے میں شاکر خان کی نشاندہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس شخص نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں اتنی جلدی بستر سے اٹھ کر اس پر چھاپہ مار سکتا ہوں۔ یہ لڑکیاں اس کے پاس حبس بے جا میں تھیں۔ انہیں ایک خفیہ والے کے ساتھ پکڑا۔ نادر زماں نے کہا۔ میں نے سرسری نگاہ ان بے کس لڑکیوں پر ڈالی۔ لیکن ان میں سے ایک کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی مجھ پر بجلی سی گر پڑی۔ زمین گھومتی محسوس ہوئی اور یہ چہرہ ---- آہ ---- میرے ہاتھ بے یقین سہارے کی تلاش میں پھیل گئے

یہ چہرہ میں کبھی بھول نہیں سکتا تھا.......... لیکن..... لیکن.......... یہ شازیہ تھی۔ یار محمد بھائی کے محلے میں رہنے والی وہی لڑکی جسے میں ٹیکسی میں نہیں بٹھایا تھا اور میری ایک چھوٹی سی لغزش سے اس کا جوان بھائی دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ آہ میں اسے بھلا ہی بیٹھا تھا۔ شازیہ کا نام دوبارہ سامنے آنے کے باوجود میں نے اسے یاد نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ میرے دل میں ایک کسک بن گئی تھی۔ اس وقت وہ جس عالم میں بیٹھی ہوئی تھی

اسے دیکھ میں بری کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ شکر تھا کہ نادر زماں نے میری اس کیفیت پر غور نہیں کیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد میں نے خود کو سنبھال لیا اور خاموش نگاہوں سے نادر زماں کی کارروائی دیکھتا رہا' نادر زماں نے ایک بار پھر مجھ سے کہا:

"یہ شاکر خان تو ہمارا پرانا شناسا ہے جانتے ہیں نا وکیل صاحب۔" میں نے گردن ہلادی۔ نادر زماں نے شاکر خان کو دیکھتے ہوئے کہا:

"شاکر خان یقین کرو' میرے ذہن میں یہ خیال تھا' آیا تھا یہ خیال میرے ذہن میں۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ مجھے کوئی بڑا نقصان تو نہیں پہنچا' لیکن تم نے آخر کار اپنی موت کے پروانے پر میرے ہاتھوں سے دستخط کرواہی دیئے۔ کیوں شاکر خان۔ اب بھی بچ نکلو گے میرے ہاتھ سے۔ دیکھتا ہوں تمہارے پشت پناہ اب تمہارے لئے کیا کرتے ہیں۔" شاکر خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ہم دونوں کو گھورتا رہا۔ نادر زماں نے اپنے معاونوں کو بلایا اور کہا:

"اسے چار نمبر میں پہنچا دو اور ان لڑکیوں کو فی الحال یہیں رہنے دو۔ ان سب کے بیانات جاننے کے بعد ان کے بارے میں سوچیں گے۔ آزاد نہیں کرنا ہے ابھی انہیں' شاکر خان کے خلاف جو مقدمہ بنانا ہے اس میں ان لڑکیوں کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ آیئے وکیل صاحب"

اس وقت نادر زماں جس انداز میں مجھے مخاطب کر رہا تھا اس سے اس کی ناراضگی کا پتہ چلتا تھا۔ بہرحال میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر اس نے کہا:

"چائے پینا پسند کریں گے وکیل صاحب میرے ساتھ۔"

"کیوں نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا:

نادر زماں مجھے لئے ہوئے۔ ایک کمرے میں آگیا' اردلی سے چائے کا کہہ کر اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"بیٹھئے وکیل صاحب۔ ایک سوال کریں آپ سے؟"

"جی۔" میں اپنی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے کہا:

"ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔ وجہ بتانا پسند کریں گے۔" میں ہنس پڑا میں نے

کہا:

"خدا کرے یہ خیال آپ کے ذہن سے خود بخود نکل جائے مجھے بڑی مسرت ہوگی۔"

"مت کرو ایسی باتیں مت کرو۔ مت کرو ایسی باتیں مجھے دورہ پڑ جائے گا۔ تم نے' تم نے میرے دل و دماغ جلا کر کے رکھ دیئے ہیں' کیا ہے میرے بھائی۔ مجھے میرا جرم تو بتا دو۔ ایک بار مجھے یہ بتا دو کہ بات کیا ہے' بات بتا دو مجھے۔ تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"نادر صاحب! میں آپ سے محبت کرتا ہوں' آپ نے مجھے جو مقام دیا میں اس کے قابل نہیں تھا۔"

"پلیز' پلیز' پلیز" نادر زماں کے لہجے میں کرب تھا: "پلیز ایسی باتیں مت کرو' تم نے مجھے جوتوں سے ٹھوکریں ماری ہیں' اب تو تمہارا خون بھی میرے جسم میں شامل ہوگیا ہے۔ اب اگر مجھے اسی طرح جوتوں سے ٹھکراؤ گے تو سمجھ لو کہ تمہیں بھی تکلیف ہوگی' سنا ہے خون کی آواز مختلف ہوتی ہے۔"

"دیکھو نادر زماں' میری ماں مرچکی ہے۔ اس کائنات میں ماں سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ اپنی ماں کی قسم کھا کر میں تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں تم سے محبت بھی کرتا ہوں۔ بہت چاہتا ہوں میں تمہیں' لیکن بس میرے کچھ مسائل ہیں جنہیں میری ذات تک رہنے دو' اگر میں ان مسائل کو تمہارے سامنے بیان کروں گا تو ہمارے تعلقات اسی وقت ختم ہوجائیں گے' نادر زماں میں بہت عزت کرتا ہوں تمہاری اس کے بعد کوئی قسم زندگی بھر نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ اللہ کے بعد میرے لئے اس سے بڑی قسم اور کوئی نہیں ہے اور اب مجھ سے نہ کہنا یہ بات ورنہ میں سمجھوں گا تم میرا دل دکھا رہے ہو۔ کیا سمجھے؟"

"دیوانے ہو' تم دیوانے ہو۔ یکطرفہ محبت کبھی نہیں ہوتی اور پھر تم تو ایک ایسا کردار ہو جسے ہم نیکیوں کا نشان کہتے ہیں۔ دکھ ہے تو اس بات کا کہ تمہارا انداز میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پتہ ہے صوفیہ کتنی دلبرداشتہ ہوئی' کہنے لگی کہ آخر ہم نے کیا کیا ہے' بھائیوں کی طرح چاہا ہے اسے۔ تمہاری بات کررہا ہوں اور اس کا انداز اتنا اجنبی تھا ٹیلی فون پر کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے لہجے میں تلخی تھی آخر کیوں۔ مجھ سے

کہتی ہے کہ نادر زماں ضرور کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر برگشتہ ہے' ورنہ وہ اس طرح کا انسان نہیں ہے' میرے بھائی مجھے پتہ تو چلے آخر۔"

"بس جو میں نے کہہ دیا ہے' نادر زماں آگے کچھ نہ پوچھئے۔"

لیجئے۔ اب پھر تکلف پر اتر آئے۔ یار آدمی اندر سے کتنا خوبصورت ہوتا ہے' جب وہ غصے میں ہوتا ہے تو ہمیشہ سچ بولتا ہے' سچ کہتا ہے۔ اور جب اس پر مصنوعی پن سوار ہوتا ہے تو بس پتہ نہیں کیا کیا انداز اختیار کرتا ہے۔ البتہ میں اتنا کہہ دوں کہ تم اگر مجھ سے اتنے ہی بے تکلف رہو تو زیادہ اچھا ہے' ہم تو شریف آدمی ہیں میرے بھائی۔ تم نے قسم کھالی۔ اب مزید کسی قسم کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔"

"نادر زماں! آپ ہمیشہ سے بڑے انسان ہیں۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو بھی آپ نے یہی عزت یہی مقام دیا تھا۔ میں آپ سے بے تکلفی کی جرات کروں تو میں سمجھتا ہوں میرا چھوٹا پن ہوگا۔"

"یار چھوٹے تو تم ہو مجھ سے۔ میں تم سے بڑا ہوں۔ شادی شدہ ہوں۔ ایک مقام ہے میرا' لیکن خیر چلو۔ اب کیا کہا جائے۔ یہاں سے گھر چلنا ہے تمہیں۔ صوفیہ یقین کرو بہت افسردہ ہوئی تھی اس وقت' تم نے میرے لئے سب کچھ کیا' لیکن اس کے بعد ایسا اجتناب برتا کہ لوگ کسی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے نہیں ہیں۔"

"نہیں' اللہ کے فضل سے آپ ٹھیک ہوگئے تھے نادر بھائی' میں نے اپنی ڈیوٹی پوری کردی تھی۔"

"مگر میں تم سے بہت ناراض ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔ مگر میں تو آپ سے ناراض نہیں تھا۔"

اتنی دیر میں اردلی چائے لے آیا۔ اور ایک ایک پیالی بنا کر ہم دونوں کے سامنے رکھ دی۔ نادر زماں نے چائے کی جانب اشارہ کیا اور ہم دونوں چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگے۔

چائے کے دوران کچھ دیر خاموشی طاری رہی تھی۔ پھر میں نے کہا:

"کہیں گے تو آپ ضرور نادر زماں کہ آدمی اپنی غرض سے کسی کو مکھن بھی لگا لیتا

ہے۔ کچھ بھی کہیں آپ، مکھن لگانا ضروری ہے ایک بہت اہم کام ہے مجھے آپ سے۔"

"نہیں نہیں تم پورے اعتماد سے کہو۔ کیا بات ہے۔"

"وہ لڑکیاں جو آپ گرفتار کرکے لائے ہیں ان میں سے ایک لڑکی فوری طور پر نکال لینا ہے۔ اسے الگ کرلینا ہے اور کسی بھی جگہ اس کا نام نہیں آنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

"ارے کون لڑکی ہے وہ۔؟"

"شازیہ ہے اس کا نام۔ ان لڑکیوں میں شامل ہے۔"

"کوئی جاننے والی ہے۔"

"جی۔"

"ٹھیک ہے۔ ذرا سی معلومات بھی کرلیں گے اس سے، تم ایسا کرو مجھے اس کا حلیہ بتا دو۔ اور میں اسے یہاں سے کہیں پہنچا دیتا ہوں۔ تم خود اسے کہیں لے جانا چاہو گے۔"

"ہاں۔" میں نے کہا:

"کہاں لے جاؤ گے۔؟"

"آپ کے گھر۔" میں نے جواب دیا اور نادر زماں مسکرانے لگا پھر بولا:

"لیکن منصور۔ وہ شاکر خان کے قبضے میں تھیں اور شاکر خان انہیں برے مقاصد کے تحت استعمال کرتا تھا۔ ایک طرح سے اس نے ان پر قبضہ جما رکھا تھا۔ یہ لڑکیاں بھی اسی کے پاس تھیں اور ایک طرح سے حبس بے جا میں تھیں۔ شاکر خان انہیں باہر نکلنے نہیں دیتا تھا۔"

"یہ اور غم کی بات ہے۔"

"وہ تمہیں جانتی ہے۔"

"پتہ نہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، حلیہ بتاؤ۔"

میں نے شازیہ کا مکمل حلیہ دہرایا دیا۔ تو نادر زماں نے کہا:

"ہاں۔ میں نے پہچان لیا اسے۔ خیر ٹھیک ہے۔ یہ بھی نہیں بتاؤ گے نا ابھی کہ

کیوں تم اسے لے جانا چاہتے ہو۔"

"جی۔ نہیں بتاؤں گا۔" میں نے کہا اور نادر زماں مجھے گھورنے لگا۔ پھر منہ بنا کر گرم گرم چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا، اس کے بعد اس نے کہا:

"اور شاکر خان کا کیا کرنا ہے۔؟"

"شاکر خان کو تو میرا خیال ہے ابھی آپ کو بھی بہت کچھ معلومات حاصل کرنا ہوگی۔"

"ہاں۔ اب یہ بتاؤ پہلے گھر چلو گے یا۔"

"نہیں۔ پہلے گھر چلیں گے۔"

"اوکے پھر ٹھیک ہے۔"

"میں قاضی صاحب کو ایک فون کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور نادر زماں نے فون میرے سامنے رکھ دیا۔

قاضی صاحب کو فون کرکے میں نے انہیں یہی بتایا کہ مجھے واپسی میں بہت دیر ہوجائے گی۔ وہ فکر نہ کریں۔ چائے کے بعد نادر زماں نے کہا:

"میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا۔ شاکر خان سے بعد میں معلومات حاصل کریں گے۔ چلو گھر چلتے ہیں۔ میں اسے لے کر آتا ہوں۔"

نادر زماں بہت پاور فل آدمی تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد شازیہ کو کار میں پہنچا دیا گیا۔ اردلی نے مجھے آکر اطلاع دی تو میں بھی چل پڑا۔ اس بات کا تو مجھے یقین تھا کہ شازیہ کے فرشتے بھی مجھے نہیں پہچان سکتے۔ اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا تھا، بلکہ دیکھا بھی نہیں تھا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اسے اس کے ہاتھوں شدید نقصان پہنچ گیا تھا۔ میں نادر زماں کے ساتھ بیٹھ گیا اور شازیہ عقبی سیٹ پر سہمی سہمی سمٹی بیٹھی رہی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نادر زماں کی کار اس کے بنگلے میں داخل ہوگئی۔ نادر زماں نے فوراً ہی کہا:

"صوفیہ اس وقت موجود نہیں ہے، میں پوچھ کر بتاتا ہوں کہ وہ کہاں گئی ہے۔ کیا تم اسے اپنے ساتھ اندر لے جاؤ گے۔؟"

"میں نے گردن ہلادی۔ شازیہ سر جھکائے میرے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ میرا دل رو

رہا تھا۔ خون ٹپک رہا تھا میرے سارے وجود سے۔ یہ لڑکی' یہ لڑکی فاحشہ بن چکی ہے۔ اس کا ذمہ دار میں ہوں صرف میں۔

ہم ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ شازیہ نے مجھے دیکھا اور پھر جو مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اسے مسکراہٹ نہیں' بلکہ اپنی ذات کا مرثیہ کہا جاسکتا تھا۔ اس غم آلود مسکراہٹ کو ہونٹوں پر سجا کر اس نے کہا:

"بابو جی! کیا حکم ہے۔؟" اس کے ان الفاظ کا مفہوم میری سمجھ میں آیا تو میری آنکھیں جھک گئیں۔ میں نے اس سے کہا:

"شازیہ تم کیا سمجھتی ہو۔ ہم تمہیں یہاں کیوں لائے ہیں۔"

"پوچھنا ضروری ہے بابو جی' میرے منہ سے ہی ساری بات کہلوائیں گے۔ میں تو خود پوچھ رہی ہوں آپ سے' حکم دیں جی۔"

"بیٹھو شازیہ۔ بیٹھ جاؤ۔"

"ارے۔ آپ کو ہمارا نام کیسے معلوم ہے۔؟"

"شازیہ' کتنے عرصے سے شاکر خان کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہو۔"

"ایسی کوئی بات ہم سے نہ پوچھیں بابو جی' ہم بتائیں گے بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہیں یہاں رہنا ہوگا۔ کافی دن یہاں رہنا ہوگا۔"

"شاکر خان تو پکڑا گیا ہے۔" "آپ اسے چھوڑو بابو جی تو یہ مت کہنا کہ ہم خوشی سے آپ کے پاس تھے۔ بس یہ کہہ دینا کہ آپ نے ہمیں رکھا ہوا تھا۔ اس گھر میں کوئی اور عورت بھی ہے۔"

اس کے الفاظ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اتر رہے تھے۔ نادر زماں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر آکر بولا:

"صوفیہ آگئی ہے۔ آؤ انہیں یہیں رہنے دو۔"

ہم باہر نکل آئے' نادر زماں نے احتیاطاً" دروازہ باہر سے بند کردیا۔ پھر بولا:

"یہ ضروری ہے' ممکن ہے وہ نکل بھاگنے کی کوشش کرے۔ آؤ پہلے صوفیہ سے ملو' بعد میں باقی باتیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"صوفیہ بھابھی جن سے میں نے ٹیلی فون پر بہت خشک انداز میں گفتگو کی تھی' مجھے دیکھ کر کھڑی ہوگئیں' کہنے لگیں:

پہلے بھی یہ بات ہم کر چلے ہیں کہ ہمارا کوئی رشتہ نہیں' رشتے ان سے کئے جاتے ہیں اگر دونوں فریق راضی ہوں' ہم تو راضی تھے' آپ نے ہمیں قبول نہیں کیا منصور بھائی۔"

"ابھی میں نادر زماں کو یہ بات بتا چکا ہوں' میری فطرت ہے بھابھی ایک دیوانگی ہے۔ ایک وحشت ہے۔ آپ اتنے اچھے لوگ ہیں کہ میں آپ سے کوئی انحراف کرکے ہمیشہ شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔ میرے دل میں اس بات کا غم ہے بھابھی کہ آپ کے سامنے آکر بھی میری دیوانگی میں کمی نہیں ہوتی۔ بھابھی نادر زماں کے لئے میں سو بار اپنی زندگی دے سکتا ہوں۔ خون کی دو بوتلیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن جو بوجھ میری زندگی سے چمٹا ہوا ہے' بھابھی مجھے اس سے چھٹکارا نہیں حاصل ہوسکتا' میں اپنی اس دیوانگی سے نہیں نکل سکتا۔

صوفیہ بھی خاصی جذباتی خاتون تھیں' وہ مجھے دیکھتی رہیں اور اس کے بعد آگے بڑھیں۔ میرا داہنا ہاتھ پکڑا اور اپنے سر پر رکھ لیا پھر بولیں:

"خدا میرے خاندان کو ہرا بھرا رکھے۔ لیکن اگر ایسی ہی بات ہے تو میرے جذبے کے خلوص کو یوں یقین کرو کہ آج میں تمہیں قسم دیتی ہوں کہ اپنے دل کا راز مجھ پر نہ کھول دو کہ سارا خاندان میرے لئے تڑپتا رہ جائے' مرجاؤں میں' سمجھے' میں مرجاؤں۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ میں ایک عجیب جذباتی کشمکش کا شکار ہوگیا تھا۔ صوفیہ بھابھی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بڑی جذباتی فضا ہوگئی تھی۔ میں نے ان کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹایا۔ آنکھوں سے لگایا۔ ایک لمحے میں فیصلہ کرلیا تھا میں نے' اور جو فیصلے لمحوں میں کئے جاتے ہیں میرے خیال میں وہی بہتر ہوتے ہیں۔ میں نے کہا:

معمولی سا انسان ہوں میں صوفیہ بھابھی بہت معمولی سا انسان ہوں۔ تعلیم حاصل کررہا تھا۔ میری ماں ایک یوٹیلیٹی اسٹور میں ملازمت کرتی تھیں۔ وہ میرے لئے زندگی کا ہر سکھ مہیا کرنا چاہتی تھیں۔ گریجویشن کرلیا تھا میں نے۔ کہتی تھیں کہ ایل ایل بی کرو'

وکیل ہو پھر بیرسٹر اور مجھے میرا حق دلواؤ۔ بھابھی یہ آرزو تھی ان کی بارہا میں نے ان سے
پوچھا کہ ان کا یہ حق کیا ہے جو مجھے وکیل بنا کر وہ حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ کہتی تھیں کہ
دنیا مجھے انصاف نہیں دے سکتی میرا بیٹا میرے لئے انصاف حاصل کرے گا' بھابھی وہ کونسا
انصاف تھا وہ مجھے نہیں بتا سکیں۔ ایک دن میں اسکول سے آرہا تھا۔ بھابھی وہ سڑک پار
کررہی تھیں میری آنکھوں کے سامنے ایک کار نے انہیں کچل دیا اور وہ اس دنیا سے چلی
گئیں۔ بھابھی میں نے انہیں ہلاک کرنے والے کو دیکھا' عدالت میں۔ میں نے ایک لمحے
کے اندر اسے پہنچان لیا وہ ایک باعزت آدمی تھا۔ بھابھی میں نے کہا کہ میری ماں کو مارنے
والا یہ ہے لیکن قانون اس کا تھا' انصاف اس کا تھا' سب کچھ اس کا اپنا تھا۔ اس نے
صاف کہہ دیا کہ نہیں میری ماں کا قاتل وہ نہیں ہے' اور میں ایک معصوم بچہ بس چیختا رہ
گیا' کسی نے میری بات پر یقین نہیں کیا میری ماں مجھ سے بچھڑ گئی۔ بھابھی اس کے بعد
میں نے ساری رہنمائی اپنی ماں سے حاصل کی' میں اس کی قبر پر جب بھی جاتا ہوں' صرف
اس سے ایک سوال کرتا ہوں کہ ماں مجھے بتا دے کہ کون سا حق تھا تیرا جو تو وصول کرنا
چاہتی تھی۔ قبروں سے جواب نہیں آتے بس میرا جنون' میرا جنون انتہا کو پہنچا ہوا ہے'
اور اس جنون نے مجھے دیوانہ کردیا ہے' بھابھی یہ ہے میری کہانی یہ ہے وہ داستان جس نے
مجھے انسان سے حیوان بنا رکھا ہے اور میں آپ جیسے محبت کرنے والوں کی محبت تک کھو
چکا ہوں جسے میں کھونا نہیں چاہتا۔

میری آواز بھرا گئی تھی صوفیہ بھابھی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے پھر
انہوں نے کہا:

"آہ کاش میں تمہارے اس جنون کو ختم کرسکتی۔" نادر زماں بھی سکتے کے عالم میں
تھا۔ وہ کہنے لگا:

"اس کے بعد تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا۔؟" "کیا تم نہیں جانتے کہ وہ کون
تھا۔" نادر زماں کے الفاظ کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا بس میں دیوار کو دیکھتا رہا تھا' تب
نادر زماں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے یہ سب کچھ منصور' میں تمہارے درد کا درماں
تلاش کرتا۔ یار انسان ہی انسان کے کام آتا ہے ٹھیک ہے میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں

لیکن منصور ہم سب تمہیں چاہتے ہیں' حیات علی شاہ صاحب' رحمت علی' رضوانہ' اور
ایاز سب ہی کے ساتھ تم نیکیاں کرتے رہے ہو۔ اور اپنے آپ کو برا انسان کہتے ہو۔ اگر
ایسے ہی برے انسان دنیا میں بہت سے پیدا ہوجائیں' تو دنیا میں بہت سی آسانیاں مل
جائیں جینے کے لئے۔ ویسے جانے والے چلے جاتے ہیں' واقعات اور حادثات اپنی ایک
کہانی رکھتے ہیں' لیکن ہمیں یہ کہانیاں بھولنا پڑتی ہیں۔ نئی زندگی کا آغاز کرو' ایک بات
بتاؤں صوفیہ یہ منصور ایک لڑکی کولے کر آئے ہیں' شازیہ نام ہے اس کا کہتے ہیں کہ یہ اس
کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بھائی اللہ کے نیک بندے اب تو بتا دو کہ قصہ کیا ہے وہ لڑکی شازیہ
جہاں سے آئی ہے اس کے بارے میں تمہیں تفصیلات معلوم ہوچکی ہیں۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دو نادر زماں بھابھی سوچنے کا موقع دیجئے۔"

"کون لڑکی ہے' کہاں ہے؟"

"ڈرائنگ روم میں بند کر رکھی ہے۔ بس کیا کہا جائے اس کے بارے میں۔ یار چلو
وہ مسئلہ تو بڑا مختلف تھا اب اس لڑکی کے بارے میں تو بتا ہی دو۔؟" میں نادر زماں اور
صوفیہ کو دیکھتا رہا اچھے لوگ تھے' شازیہ کو تو خیر میں اس جہنم میں زندگی کی قیمت پر بھی
جانے دے سکتا تھا' لیکن کسی نہ کسی کو راز دار بنانا ضروری ہوتا ہے اور نادر زماں اور
صوفیہ بھابھی سے اچھا انسان اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا' میں نے کہا:

"آپ بس یوں سمجھ لیجئے کہ کسی مناسب وقت میں آپ کو اس کے بارے میں
بتاؤں گا۔" اچانک ہی میں نے دل ہی دل میں اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے اب بتاؤ کہ اس کے لئے ہمیں کیا ہدایات ہیں۔؟"

"بھابھی وہ کافی عرصے سے شاکر خان کی قید میں ہے' اس کا مطلب ہے کہ اس کے
اہل خاندان کو اس کی فکر نہیں ہوگی۔ کچھ دن آپ اسے یہاں رکھیے اس کی دل جوئی
کیجئے اور یہ بھابھی آپ کو کرنا ہے کہ اس سے پوچھئے کہ اس کے والدین کہاں ہیں' میرا
مطلب ہے اس کے گھر والے کس جگہ ہیں۔ باپ کہاں ہے ان کا بھائی کہاں ہے یہ ساری
باتیں معلوم کرلیں اور بھابھی پھر مجھے فون پر اس بارے میں اطلاع دیں۔"

"یہ تو بتادو اس کی خاطر مدارات ہمیں کس حیثیت سے کرنی ہے۔؟"

"انسانیت کے ساتھ جو اچھا سلوک کرسکتی ہیں آپ' بس وہ اس کے ساتھ کیجئے

گا۔" میں نے کہا' نادر زماں اور صوفیہ بھابھی مسکرانے لگے تھے پھر بولے:

"کتنا اچھا لگ رہا ہے آج' کم از کم تم نے ہمیں دل کی بات تو بتائی چلو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بہتر کرے انشا اللہ" پھر میں اور نادر زماں وہاں سے چل پڑے' حالانکہ میں نے نادر زماں سے کہا بھی تھا کہ اس کا جسم ابھی بہت کمزور ہے' وہ زیادہ مشقت نہ کرے لیکن نادر زماں نے مجھ سے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور ڈاکٹروں سے بھی پوچھ چکا ہے' زخم ٹھیک ہورہے ہیں' بس مشقت کا کوئی کام کرنے سے منع کرویا گیا باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔

شاکر خان کے ساتھ جو سلوک نادر زماں نے کیا وہ بڑا عبرت ناک تھا۔ وہ خود جسمانی طور پر کمزور تھا' میں نے کوئی ایسی کوشش نہیں کی تھی لیکن نادر زماں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کے ڈرائنگ روم میں ایسے لوگوں کو طلب کرلیا تھا جو زبانیں کھلوانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ شاکر خان نے اپنی رام کہانی سنائی۔ کمبخت ہر کام کرلیتا تھا' چار سو بیسی سے زندگی گزار رہا تھا اور ہر طرح کی سازشیں کرلیتا تھا' جب شاکر خان نے ساری تفصیل بتا دی اور کچھ ناموں کی نشاندہی بھی کردی تو میں نے اس سے کہا:

"موقعے سے فائدہ نہ اٹھانے والے احمق ہوتے ہیں شاکر خان' تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ اس ساری کہانی کے علاوہ ایک کہانی اور بھی ہے' اور چونکہ اس وقت تم اندر سے پگھلے ہوئے ہو' میں چاہتا ہوں وہ کہانی بھی تمہارے پیٹ سے نکلوالی جائے۔" نادر زماں نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولا:

"کونسی کہانی۔؟"

"شاکر خان جانتا ہے۔"

"آہ مجھے بتا دو' میں مررہا ہوں' شاید میں اب زندہ نہ بچ سکوں' میں ہروہ کام کرلینا چاہتا ہوں جو میرے سینے میں داغ کی طرح جلی ہوئی شکل میں موجود ہے۔"

"مجھے پہنچانتے ہو شاکر خان۔" میں نے کہا:

"نحوست اگر کسی شے کا نام ہے تو وہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی' جہاں بھی نظر آتے ہو مصیبتوں کا پیغام لے کر آتے ہو۔ ایک بار میں نے تمہاری شکل کا ٹیکسی ڈرائیور دیکھا تھا' سمجھ لو وہاں سے میری مشکلات کا آغاز ہوا تھا۔ جو آج تک ختم نہیں

ہوا۔ دوسری بار میں نے تمہیں رحمان کی کوٹھی میں دیکھا تھا۔ اور اب میں کسی وہم کا شکار نہیں ہوں۔ رحمان کے گھر میں تم ہی تھے جو وہاں داخل ہوئے تھے۔"

"بالکل ٹھیک' میں تم سے رحمان کے گھر کی کہانی ہی پوچھنا چاہتا ہوں' اور یہ لوگ جو یہاں تمہاری خاطر مدارات کے لئے موجود ہیں' دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہر کہانی کا مرکزی خیال ان سے معلوم کرلیا جائے۔ کوئی دقت نہیں ہوگی۔" میں نے پُرمزاح لہجے میں کہا:

"کوئی کہانی ہے ساری کہانیاں ختم ہوچکی ہیں اب' میں کسی کہانی کو راز رکھنے کی ہمت کھو چکا ہوں۔ اب مجھ میں مار کھانے کی سکت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دنیا اتنی تکلیف دہ ہوگئی ہے میرے لئے کہ میں دو فیصلے کررہا ہوں۔ یا تو اس دنیا سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کرلوں یعنی پھانسی پالوں۔ یا پھر ایسی جگہ رہنے لگوں جہاں میرے لئے جرم کی سیاہی نہ ہو' سکون ہو' چاہے وہ جیل کی دیواروں کے درمیان ہی کیوں نہ ہو۔"

"اس تقریر کے بجائے بہتر ہے کہ تم مجھے حقیقتوں سے آشنا کرو۔"

"فوزیہ۔ شازیہ۔ احسان یہی کروار ہیں نا تمہاری اس داستان کے۔"

"اس داستان میں تم بھی ایک کروار ہو شاکر خان۔"

"وہی کرائے کا قاتل۔ دشمن یا مجرم۔ کچھ بھی کہہ لو حقیقتیں تمہارے سامنے آشکار کررہا ہوں' رحمان نے شازیہ نامی لڑکی سے شادی کی۔ وہ ایک شریف آدمی کی بیٹی تھی۔ رحمان کی بیوی کیونکہ بہت عرصہ قبل مرچکی تھی۔ بے شک وہ عیاش طبع انسان نہیں تھا۔ لیکن اپنے ملازم کی بیٹی شازیہ کو دیکھ اس کے ذہن میں یہ تصور ابھرا کہ شازیہ پر قبضہ جمالیا جائے' غبن کا کیس بنا کر اس نے شازیہ کے باپ کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ نتیجے میں اس کے باپ کو شازیہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینا پڑا اور شازیہ اپنے برابر کی عمر کی لڑکی کی ماں بن گئی۔ لیکن فوزیہ پہلے ہی دن سے شازیہ کے خلاف ہوگئی۔ اور ایک تجربہ ہے میری زندگی کا کہ عورت پر جب دیوانگی سوار ہوتی ہے تو پھر وہ ناگن سے زیادہ زہریلی بن جاتی ہے' ناگن جس کا کام ہر ایک کو ڈسنا ہے' کسی تمیز کے بغیر۔ فوزیہ سے میرا رابطہ عابد حسین کی معرفت ہوا تھا۔ عابد حسین شوبزنس کا آدمی ہے اور فوزیہ کا چہرہ فوٹو جینک۔ لیکن فوزیہ عابد حسین کے جال میں نہ پھنس سکی۔ البتہ میں نے عابد حسین سے کہا کہ میں فوزیہ کو ماڈلنگ میں کام کرنے کے لئے تیار کرلوں گا' اور اس طرح سے میں

نے فوزیہ سے پینگیں بڑھانا شروع کردیں۔ ہم لوگ اتنے بے تکلف ہوگئے کہ فوزیہ مجھے اپنے دل کی باتیں بتانے پر تیار ہوگئی۔ اور اس نے کہا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کو زندگی سے محروم کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے جذبہ انتقام کے تحت اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ اسے ان سب سے دلی نفرت ہوگئی تھی۔ باپ کے قتل کے بعد وہ ایک لمبی سازش پر کام کرنے لگی اور ادھر احسان' شازیہ کے پاس آگیا۔ شازیہ کو اس بات کا کچھ اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کے خلاف سازش ہو رہی ہے' احسان' شازیہ کے پاس آیا اسے اس بات کا صدمہ تھا کہ شازیہ نے دولت کے لئے اسے ٹھکرا دیا - حالانکہ اس میں بیچاری شازیہ کا قصور کوئی نہیں تھا۔ وہ تو خود ٹریپ ہو چکی تھی۔ بہرحال احسان صاف دلی سے یہاں نہیں آیا تھا۔ اس نے یہاں آنے کے بعد ماحول دیکھا۔ فوزیہ کو شازیہ کو بدترین دشمن پایا اور اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ فوزیہ اس کے لئے بہترین مہرہ ثابت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ بات الٹی ہی ہوگئی۔ شازیہ نے احسان کو اپنے تحفظ کے لئے بلایا تھا' لیکن احسان اور فوزیہ مل گئے بظاہران دونوں میں آپس میں بہت نفرت کا برتاؤ رکھا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں گھناؤنے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں' انہوں نے احمر کو قتل کرویا۔ فوزیہ اس سے پہلے کسی کو اپنے لئے گواہ بنا لینا چاہتی تھی اور اس کے ہی ساتھ شازیہ کو مجرم ثابت کرنے کے لئے پورا گراؤنڈ تیار کرلینا چاہتی تھی' اس لئے اس نے ایک قابل وکیل سے بھی رابطہ قائم کرلیا' غرضیکہ یہ سازش اس طرح سے چل رہی ہے' یہاں تک کہ انہوں نے شازیہ کو احمر کا قاتل قرار دے کر جیل پہنچا دیا ہے اور اب ان کا راستہ صاف ہے۔

تمہارا مطلب ہے کہ فوزیہ اپنے بھائی کی قاتل ہے۔

"ہاں۔ وہ زہر میں نے ہی فوزیہ کو فراہم کیا تھا' ہسپتال میں احمر کو زہریلا انجکشن لگانے کا کام ایک نرس نے سرانجام دیا ہے جسے بہترین معاوضہ دیا گیا تھا۔"

"لیکن احمر کی مٹھی میں ایک لاکٹ دبا ہوا پایا گیا ہے اور زہر کی شیشی شازیہ کے بیڈ روم سے برآمد ہوئی ہے۔"

"وہ لاکٹ فوزیہ نے چوری کیا تھا اور وہ شازیہ ہی کا ہے۔ ایک ہی کوٹھی میں رہنے والے لوگ ہیں' زہر کی شیشی بعد میں شازیہ کی خوابگاہ تک پہنچانا کوئی مشکل کام نہیں

تھا۔"

"نرس کے بارے میں بتاؤ؟"

"اسی ہسپتال کی نرس ہے' دردانہ ہے اس کا نام' رات کی ڈیوٹی پر ہوتی ہے۔"

یہ سنسنی خیز انکشافات بڑے سنگین تھے۔ نادر زماں نے بھی یہ تمام تفصیلات سنیں اور اس کے بعد کچھ مشورے بھی دیئے۔ میں نے اسے اس تمام واقعے کی تفصیل بتا دی تھی۔ نادر زماں کہنے لگا:

"یہ تو بڑا ڈبل معاملہ ہوگیا' میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام معلومات بڑی کار آمد رہیں گی' تمہارے لئے' دردانہ پر فوراً ہاتھ ڈال دو' کون ڈیل کررہا ہے اس کیس کو۔؟"

"انسپکٹر آفاق احمد۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اس سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ساری تفصیلات سامنے آجائیں گی۔"

بہرحال میں اپنی اس کامیابی پر پھولا نہیں سما رہا تھا۔ آفاق احمد کے ساتھ شامل ہو کر نرس دردانہ کے گھر پر چھاپہ مارا گیا اور اسے گرفتار کرلیا گیا۔ بہرحال شاکر خان کو لاک اپ کر دیا گیا تھا اور سارا کیس سامنے آگیا تھا۔ ان لوگوں سے رخصت ہو کر قاضی صاحب کے پاس پہنچا اور پھر قاضی صاحب کو اس بارے میں ساری تفصیلات بتا دیں۔ قاضی صاحب بے انتہا خوش ہوئے تھے' انہوں نے کہا:

"خیر یہ بات تو میں جانتا تھا کہ تم بال کی کھال نکال لاؤ گے۔ اب اس سلسلے میں میرا خیال ہے ہمیں ذرا تیز رفتاری سے اقدامات کرنا ہوں گے۔"

"اور ایسا ہی کیا گیا اس سلسلے میں بہت سی ایسی باتیں علم میں آچکی تھیں' میں اپنے آپ کو شازیہ کے وکیل کی حیثیت سے منظرعام پر لا چکا تھا' دوسری طرف بیچارے نعمان صدیقی تھے' جو ایک انتہائی شریف آدمی تھے۔ قاضی صاحب سے ملاقات کرکے انہوں نے کہا:

"بات اصل میں یہ ہے قاضی صاحب کہ میں خود بھی ذرا کسی جھگڑے والے کیس سے بچنا چاہتا ہوں۔ کام تو کررہا ہوں میں۔ اپنی فیس بھی لے چکا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ کا مقابلہ کروں اور وہ بھی ایک غلط سلسلے میں۔ آپ

براہ کرم میری رہنمائی کیجئے۔"

"نعمان صدیقی صاحب۔ آپ اس کیس سے دستبردار ہوجایئے' کیونکہ یہ کیس بہر طور ہارا جائے گا۔ یا پھر سرسری طور پر اپنا کام جاری رکھئے اور اپنے آپ کو سبکدوش کرادیجئے' حالانکہ یہ کاروباری بددیانتی ہوگی' بہتر ہے کہ فوزیہ کو کوئی اور وکیل کرنے دیا جائے' جہاں تک آپ کا معاملہ ہے تو مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ آپ میرے مدمقابل یہ کیس ہاریں۔ معاف کیجئے گا۔ حقائق پر آپ بھی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

نعمان صدیقی صاحب نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا:

نہیں بھائی' میں فوزیہ کو اطلاع دیئے دیتا ہوں کہ اب میں اس کیس پر کام نہیں کرسکتا' کسی اور کو وکیل کرلے۔"

یہ سارے معاملات بہرحال چلتے رہے اور زندگی کے دوسرے لوازمات بھی' میں کئی بار نادر زماں کے گھر جاچکا تھا' یہ اتفاق تھا کہ اس دوران حیات شاہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی' جبکہ اب وہ لوگ کراچی میں ہی تھے اور نادر زماں اور صوفیہ بھابھی بتاتے رہتے تھے کہ ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ شازیہ اب بھی ان لوگوں کے پاس تھی۔ نادر زماں نے کہا:

"شازیہ بے سکون ہے۔ وہ کئی بار درخواست کرچکی ہے کہ اسے اس کی ماں اور بہن بھائیوں سے ملا دیا جائے' باپ مرچکا ہے اس کا ایک جوان بھائی تھا جو بیماری کا شکار ہوگیا' اور وقت پر علاج نہ ہونے کے سبب دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بڑی مظلوم لڑکی ہے وہ اپنے بارے میں اس نے تفصیلات بتائی ہیں۔"

"کیا۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا

"جوان بھائی جو ان لوگوں کی امیدوں کا سہارا تھا۔ اپنی بیماری کا شکار ہوکر مرگیا۔ باپ بستر علالت سے لگ گیا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو وہ محلہ بھی چھوڑنا پڑا۔ ایک اور جگہ جاکر آباد ہوگئے۔ باپ کا سہارا ختم ہونے کے بعد شازیہ ہی پر چھوٹے بہن بھائیوں اور ماں کی ذمہ داری عائد ہوگئی تھی۔ درجنوں جگہ ملازمت کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن ہر جگہ اسے ہوسناک نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا اور آخرکار جب گھر فاقوں اور بے کسی کی انتہا کو پہنچ گیا تو اسے اپنی عزت گنوا دینی پڑی۔ یہاں تک کہ مختلف ہاتھوں سے ہوتی ہوئی وہ

شاکر خان تک پہنچی۔ اور شاکر خان نے باقاعدہ اسے برے راستوں پر لگا دیا۔ اور اسے اپنے قبضے میں کرلیا۔ وہ اس کی ماں اور بہن بھائیوں کے لئے تھوڑی بہت رقم بھیج دیا کرتا تھا اور بس۔ شازیہ مکمل طور پر اس کے قبضے میں تھی۔ میں نے تمہارے مشورے کے بغیر اسے اس کی ماں اور بہن بھائیوں تک پہنچانا مناسب نہیں سمجھا۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔"

اس وقت میں بہت جذباتی ہوگیا تھا صوفیہ بھابھی بھی میری شکل دیکھ رہی تھی۔ شازیہ اس وقت یہاں موجود نہیں تھی وہ اپنے کمرے میں تھی۔ اسے یہ لوگ بڑے سکون کے ساتھ رکھ رہے تھے۔ میں نے آخرکار انہیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

"اصل میں یہ ان دنوں کی بات ہے نادر زماں جب میں ٹیکسی چلاتا تھا' مجھے کچھ ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا جن کی بنا پر میں اس وقت ذہنی دیوانگی کا شکار تھا' شازیہ میرے پاس آئی' رات کا وقت تھا' وہ اپنے بھائی کے لئے لائف سیف انجکشن لے کر آئی تھی' اور یہ انجکشن اسے پہنچانا تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے ہسپتال پہنچادوں' اس کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے۔ میں اپنے جنون کے عالم میں اسے نظر انداز کرکے آگے بڑھ گیا' بلکہ میں نے اسے برا بھلا بھی کہا۔ اسے وہ رات ضرور یاد ہوگی' لیکن اس وقت وہ جس دیوانگی کے عالم میں تھی' میرا چہرہ اسے یاد نہیں تھا اور وہ مجھے نہیں پہچان سکی۔ لیکن اس دن سے نادر زماں میرا دل اس دہشت میں مبتلا ہوگیا اور میں یوں سمجھ لو کہ اپنے آپ کو شازیہ کے بھائی کا قاتل سمجھنے لگا۔ یہ اس حیثیت سے میرے سامنے آئی تو میں خود کو باز نہ رکھ سکا۔ اب اس میں چاہے تم کوئی بھی تصور کرلو۔ بس یہ ہے کہانی۔"

نادر زماں اور صوفیہ اس کہانی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ نادر زماں نے کہا:

"تو اب کیا چاہتے ہو۔؟"

"اس خاندان کی کفالت میرا فرض ہے' کم از کم اس لڑکی کو میں اس راستے پر نہیں جانے دے سکتا' میرا ہے ہی کون اس دنیا میں اس گھر کو پال لوں گا تو کم از کم نیکی کا احساس میرے دل میں رہے گا۔ میں یہ چاہتا ہوں نادر زماں کہ شازیہ کو اس کے گھر بجھوا دیا جائے اس کے ماں باپ کے پاس' اور تم سختی سے اس سے کہہ دو کہ اب وہ گھر سے باہر

نہ نکلے۔"

"یہی نہیں میرے دوست بلکہ میں ان کا گھر ہی بدل دیتا ہوں۔ ایک فلیٹ خالی پڑا ہوا ہے میرے پاس' میں انہیں اس میں شفٹ کئے دیتا ہوں' باقی معاملات کی تم پرواہ مت کرو۔"

"اصل میں نادر زماں میری بھی تھوڑی بہت آمدنی ہے اور کوئی مصرف نہیں ہے اس کا' میں چاہتا ہوں کہ ----"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے تمہاری آمدنی کا مصرف بھی نکال لیں گے اور جہاں تک جو کچھ تم چاہتے ہو وہ بھی پورا ہوتا رہے گا۔"

نادر زماں کی بات سے میں مطمئن ہو گیا تھا۔

بہرحال اس کے بعد وہی سارے معاملات' شاکر خان کو گواہی کے لئے محفوظ کرلیا گیا تھا۔ نرس کو بھی قبضے میں لے لیا گیا تھا اور پھر صورت حال بدلنے میں دیر نہیں لگی۔

تین یا چار پیشیاں ہوئیں اور چوتھی پیشی پر جج صاحب نے احسان اور فوزیہ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور شازیہ کو باعزت رہائی مل گئی۔ وہ روتی ہوئی کمرہ عدالت سے باہر نکلی اور میرے پاس پہنچ گئی تھی۔

"تم نے میرے ساتھ جو احسان کیا ہے اس کا کیا صلہ دے سکتی ہوں میں۔"

"میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا' بس سچ تلاش کیا ہے اور سچائی کو منظر عام پر لانے کے لئے کوششیں کی ہیں' میرا صلہ یہی ہے' زیادہ سے زیادہ آپ یہ کیجئے گا کہ ہمیں ہماری فیس ادا کر دیجئے گا۔ وہ بھی اگر مناسب سمجھیں تو۔"

شازیہ کے انداز میں جو کیفیت تھی۔ میں نے اپنے ان الفاظ سے اس کو ملیامیٹ کردیا تھا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی چلی گئی اور میں نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ ایسا معاوضہ مجھے کسی سے بھی نہیں چاہیے تھا' میری مشکل کا حل تو کچھ اور ہی تھا۔

اس کیس سے فراغت حاصل ہو گئی تھی۔ بعد میں شازیہ نے مجھے ایک بڑی رقم کا لفافہ بھجوایا۔ قاضی صاحب سے مشورے کے بعد میں نے اس رقم میں سے صرف اتنا معاوضہ وصول کرلیا جتنا مناسب ہو سکتا تھا اور باقی شازیہ کو واپس بھجوا دی۔

اس نے ایک دن ہم لوگوں کو رات کے کھانے پر بھی بلایا میں اور قاضی صاحب اور ریحانہ باجی تینوں ہی گئے تھے' شازیہ نے ہم لوگوں سے بہت زیادہ یگانگت کا مظاہرہ کیا تھا اور کہا کہ ہم درحقیقت سچ کے علم بردار ہیں ورنہ ہمیں تو شازیہ کے دشمنوں نے اپنے طور پر حاصل کیا تھا' اور ہمیں اپنا آلہ کار بنانا چاہتے تھے' انہوں نے اپنے طور پر کامیاب اقدامات کئے تھے' ہماری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید اتنی نیک فطرت کا مظاہرہ نہ کرسکتا۔

قاضی صاحب نے کہا:

یہ بات نہیں ہے محترمہ شازیہ سلطان زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمارے جیسے بہت سے اللہ کے بندے ہوں گے جو پہلے اپنے ایمان کی تازگی کا بندوبست کرتے ہیں اور پھر اپنے وجود کا۔ وجود تو کہیں نہ کہیں سے تازگی حاصل کرہی لیتا ہے' جینے کے لئے لاتعداد راستے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مالک دو جہاں ایمان کی تازگی کے لئے موقع عنایت فرمائے تو یہ اس کا احسان عظیم ہوتا ہے۔"

"شازیہ کی آنکھوں میں جو کیفیت چھپی ہوئی تھی میں اسے تحریر کی طرح پڑھ رہا تھا اس کا سارا وجود چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میری طرف دیکھو میں تمہارا سہارا چاہتی ہوں لیکن میں کتنی ہی بار ایسے مرحلوں سے گزر چکا تھا' بھلا اپنی کہانی کو چھوڑ کر دوسروں کی داستانوں میں شامل ہونا میرے لئے کیسے ممکن تھا۔ میں نے ان بے نام تحریروں کو نظرانداز کردیا' اور شازیہ مایوس ہو گئی ظاہر ہے یہ میری منزل نہیں تھی۔

بہرحال زندگی کو ایک کامیاب راستہ مل چکا تھا' نظام احمد قاضی ریحانہ باجی اور بہت سے شناسا اب میری زندگی میں شامل تھے لیکن میرے وجود کی تشنگی برقرار تھی' نادر زماں اور صوفیہ بھابھی دو تین بار مل چکے تھے اس دوران پتہ نہیں کیوں رضوانہ ایاز یا حیات علی شاہ کا خاندان نادر زماں کے حوالے سے میری طرف کیوں نہیں بڑھا تھا' وہ لوگ یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا اور یہ بہتر ہی تھا' کیونکہ میرا ذہن شدت سے الجھا ہوا تھا' اور میں یہ فیصلہ بالکل نہیں کرپایا تھا کہ اپنی ماں کے قاتل سے میں کیسے انتقام لوں۔

زندگی کے شب و روز معمول کے مطابق جاری تھے' ماں سے رابطہ تو میں کبھی ختم ہی نہیں کرسکتا تھا' بس کبھی کبھی دوسری الجھنوں میں وقفہ ہوجایا کرتا تھا' کافی دن سے قبر

پر نہیں گیا تھا' اس دن ایک مجرم کی طرح ماں کے حضور پہنچا تھا' یہ دیکھ کر ذرا سی حیرت ہوئی کہ قبر کی کیفیت ذرا مختلف تھی' اس پر مٹی ڈلوائی گئی تھی۔

قرب وجوار صاف ستھرے کئے گئے تھے۔ درختوں کے پودے بھی لگے ہوئے تھے' پھول بھی پڑے ہوئے تھے' گورکن کو بلایا اور اس سے کہا:

"یعقوب خان یہ قبر کس نے ٹھیک کروائی ہے' کیا میرے علاوہ بھی اور کوئی یہاں آیا تھا۔؟"

"صاحب جی۔ ایک صاحب آتے ہیں' ایک بڑی سی گاڑی میں۔ کوئی دس بارہ دن ہوگئے روزانہ ہی آتے ہیں' انہوں نے یہ پودے اپنے ہاتھوں سے لگائے ہیں' یہاں بیٹھ کر کلام پاک بھی پڑھتے ہیں' صاف ستھرا کرتے ہیں' اس قبر پر پھول چڑھاتے ہیں اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم؟"

میں حیرت سے گورکن کو دیکھنے لگا' پھر میں نے کہا:

"اس سے پہلے تو وہ کبھی نہیں آئے۔"

"نہیں صاحب جی۔"

"آتے کس وقت ہیں۔؟"

"صاحب جی کوئی ٹائم نہیں ہے ان کا کل دوپہر کو آئے تھے دھوپ میں بیٹھے رہے' حالانکہ گرمی بہت زیادہ تھی خوب پانی ڈلوایا اپنے ہاتھوں سے صفائی کی۔ میں نے ان سے کہا کہ صاحب جی آپ چاہو تو قبر کو پکا کرا دو۔ کہنے لگے نہیں بھائی مجھے اس کا حق حاصل نہیں ہے۔"

"آج بھی آئے تھے؟"

"ہاں جی۔ مغرب سے کچھ پہلے چلے گئے۔"

"حلیہ بتا سکتے ہو مجھے ان کا؟"

"صاحب جی لمبے تڑنگے آدمی ہیں۔ خوب اچھے کپڑے پہنے ہوتے ہیں' عمر بھی اچھی خاصی ہے۔" گورکن مجھے صحیح حلیہ نہیں بتا سکا' لیکن میرے دل میں ایک تجسس سا پیدا ہوگیا کون ہو سکتا ہے یہ۔؟ بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی تھی کون ہو سکتا ہے یہ۔ بہرحال میں ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا' میں نے فیصلہ کرلیا کہ دوسرے دن

اس شخص کو دیکھنے کی کوشش کروں کہ وہ کون ہے اور پھر میں اس دن دوپہر کو قبرستان پہنچ گیا' گورکن نے بتایا کہ وہ ابھی تک نہیں آئے۔ پھر میں وہیں پر رک گیا' بہت سے خیالات دل میں تھے میں نے سوچا ممکن ہے کسی کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو' ہو سکتا ہے کوئی بیرون ملک سے آیا ہو اور اسے قبر کی شناخت میں غلط فہمی ہوگئی ہو۔ ایسا ہے تو اس کی غلط فہمی کو دور کردینا زیادہ ضروری تھا' پتہ نہیں کون اس کی عنایتوں کا منتظر ہو۔

شام کے کوئی چار بجے تھے کہ قبرستان کے احاطے میں ایک بڑی سی پجیرو داخل ہوئی' ایک لمحے کے اندر میں نے اسے پہچان لیا' حیات علی شاہ کی پجیرو تھی' خود ڈرائیو کر رہے تھے' بہت سے پھول لے کر نیچے اترے' ماں کی قبر پر گئے' صفائی کی' کلام پاک کھول کر بیٹھ گئے' میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت ابھر آئی تھی' میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا' لیکن پھر میری آنکھوں میں جنون ابھر آیا۔ حیات علی شاہ یہاں کیوں آنے لگا ہے' کیا ذریعہ ہے اس کا۔؟ پھر میں نے دیکھا کہ حیات علی شاہ دیر تک کلام پاک پڑھتا رہا اس دوران یعقوب ان کی ہدایت پر قبر کی صفائی ستھرائی کرتا رہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تو حیات علی شاہ صاحب بیٹھ کر فاتحہ پڑھنے لگے اور میں نے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں پھوٹتی ہوئی دیکھیں لیکن یہ سب کیا تھا' میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا' میں خاموشی سے اپنی جگہ یہ سب کچھ دیکھتا رہا' اور جب حیات علی شاہ چلے گئے تو میں بھی وہاں سے واپس پلٹ گیا۔

کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے۔ ساری رات بے چینی کا شکار رہا تھا' یہ وہ عمل تھا جس کا میں خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا' حیات علی شاہ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوگیا' کیا اب اپنے کئے پر پشیمان ہے' لیکن اسے یہ معلومات کیسے حاصل ہوئیں۔ پھر اس دن ہم کورٹ سے واپس آئے تھے اور میں قاضی صاحب بیٹھے باتیں کررہے تھے' حیات علی شاہ قاضی کے پاس پہنچ گیا' میں نے اسے سلام بھی نہیں کیا تھا' وہ بھی میری جانب متوجہ نہیں ہوا تھا' قاضی صاحب کیوں کہ اسے پہچانتے تھے انہوں نے اس کا استقبال کیا' ہاتھ ملایا' میں پتھرا سا گیا تھا' قاضی صاحب نے کہا:

"خیریت تو ہے شاہ جی کیسے آنا ہوا۔؟"

"قاضی صاحب ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں۔ ہاں کہیں۔"

"سائیں۔ اگر کوئی مجرم اپنے آپ کو قانون سے چھپا لے' اور پھر اس کے دل میں اپنے جرم کا احساس جاگے' چاہے اس جرم کو کیے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا ہو' تو اسے کیا کرنا چاہیے۔؟"

"ضمیر کی آواز کو دبانا بڑا مشکل کام ہے شاہ صاحب لیکن آپ نے بڑا الجھا ہوا سوال کیا ہے پہلے یہ بتایئے کہ وہ مجرم کون ہے۔؟"

"ہم ہے سائیں۔ ہم ہے۔ مگر ہم ایک بات آپ کو بتا دیں جو جرم ہم نے کیا ہے' اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں کہ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ سائیں سڑک سے گذر رہے تھے ہم۔ زمینوں کا ایک بڑا جھگڑا چل رہا تھا۔ ہمارے بڑے بھائی نے ہم پر وار کیا تھا' بہت پریشان تھے ہم' ایک اللہ کی بندی سڑک پار کر رہی تھی' کار کی زد میں آگئی تھی' اور ہلاک ہوگئی ہماری کار کا نمبر دیکھ لیا گیا تھا' کیس ہوا ہم نے عدالت میں انکار کردیا کہ ہم سے یہ حادثہ نہیں ہوا اور رقم کھلا پلا کر ہم نے بات برابر کرادی۔ سائیں یہ گناہ کیا ہے ہم نے۔ مگر ہمارے دل پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک بوجھ آپڑا' سائیں کوئی یقین نہیں کرے گا ہماری بات پر کہ ہم اکثر خوابوں میں جاگتے رہے' سائیں اب ہم اپنے جرم کا اقرار کر کے سزا پانا چاہتے ہیں' کوئی بھی سزا ہو۔"

حیات علی شاہ بڑے درد بھرے انداز میں کہہ رہا تھا اور مجھ پر جنون سوار ہوتا جارہا تھا' میں اپنی جگہ سے اٹھا اور بغیر کچھ کہے سنے باہر نکل گیا نیچے پہنچا ہی تھا کہ حجاب کی کار آکر رکی' میں چونک کر اسے دیکھنے لگا' اس وقت دماغ میں آگ سلگ رہی تھی' حیات علی شاہ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا' کہ ---- کہ ---- میں نے تو کسی کو بھی نہیں بتایا تھا' حجاب مسکرا کر بولی:

"لگن سچی ہو تو راستے آسان ہوجاتے ہیں۔ کورٹ سے معلوم کرکے آئی تھی کہ جناب یہاں موجود ہیں' آیئے آج آپ کو زبردستی میرے ساتھ چائے پینا پڑے گی' بس آپ تو غائب رہتے ہیں' میں یوں سمجھ لیجئے کہ سردھڑ کی بازی لگا کر آئی ہوں آیئے پلیز۔"

میں بے بسی کے انداز میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سوچ سمجھ تو رخصت ہو ہی چکی تھی راستے میں حجاب کیا کہتی رہی' مجھے نہیں معلوم تھا' البتہ ساجد علی شاہ صاحب کے

خوبصورت بنگلے میں داخل ہو کر میں چونک پڑا۔

"یہ کیا آپ کا گھر ہے حجاب۔؟"

"آپ ہی کا ہے جناب' آیئے تو سہی۔" حجاب بولی اور مجھے اپنے اس شاندار مکان کے ڈرائینگ روم میں لے گئی۔ ویسے تو شاید میں یہاں آنے سے گریز کرتا لیکن اس وقت بے خیالی کے عالم میں یہاں پہنچ گیا تھا۔

اور اب جناب سے ساری باتیں بعد میں ہوں گی' ذرا میں کپڑے تبدیل کرلوں۔ کھانا تو کھاچکے ہوں گے آپ کیوں کہ کھانے کا وقت نہیں رہا ہے' یہ بتایئے چائے لیں گے یا!"

"حجاب یہ سب کچھ ---" میں نے کہا لیکن حجاب نے جملہ درمیان سے کاٹ دیا۔"

"چلئے یہ فیصلہ بھی ہم ہی کرلیتے ہیں۔" وہ بولی اور ڈرائینگ روم سے باہر نکل گئی میں نے صوفے سے ٹک کر آنکھیں بند کرلی تھیں تھوڑی دیر تک دماغ جلتا رہا' حیات علی شاہ کے اس اقدام نے مجھے شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا کردیا تھا' پھر میری آنکھیں کھلیں' لیکن اس کے بعد اس طرح کھلیں کہ بند نہ ہوسکیں' ان کھلی آنکھوں سے میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین تھا' زمین و آسمان گھومتے محسوس ہونے لگے' سارا کمرہ گول دائرے کی شکل میں چکر کاٹنے لگا' جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا وہ سچ ہے۔ میرے اندر ایک ہیجان سا برپا ہوگیا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے اس کارنس (Carnas) کی جانب اٹھ گئی جس پر ایک تصویر رکھی ہوئی تھی' ایک ایسی تصویر جسے میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ آہ یہ تصویر۔ کیا ہے یہ - یہ تصویر - یہ تصویر ----؟

ادیب' شاعر لفاظی کرتے ہیں' افسانہ نگاری کرتے ہیں' شعر شاعری میں ذہنی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں' زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں' وجود میں گرج چمک طوفان ہیجان کی باتیں کرتے ہیں' پہلے اگر کبھی یہ خیال ذہن میں آیا بھی' تو یہی احساس ہوا کہ یہ تو ان کا کاروبار ہے' جو کچھ کہہ دیں کم ہے۔ لیکن آج خود پر بیت رہی تھی اور ان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سچ ثابت ہو رہا تھا' درحقیقت الفاظ ہی احساس کے ترجمان ہوتے ہیں' اور اس وقت مجھ پر یہ کیفیت بیت رہی تھی' سامنے جو تصویر نظر آرہی تھی' وہ ایک شادی شدہ جوڑے کی تھی' مرد جو سہرا باندھے ہوئے تھا ایک لمحے میں پہچانا جا سکتا تھا'

ساجد علی شاہ کی جوانی' اور بڑھاپے میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا' اس کے نقوش صاف پہچانے جا سکتے تھے' لیکن اس کے ساتھ جس عورت کی تصویر تھی اس کے نقش تو میرے سینے میں دل بن کر دھڑکتے تھے' یہ ماں تھی میری' ہاں یہ میری ماں تھی۔ جو دلہن بنی' سمٹی لجائی' بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر خوشی کے نقوش چسپاں تھے' وہ ساجد علی شاہ کے ساتھ بہت مطمئن نظر آتی تھی' میں آنکھیں پھاڑے اس تصویر کو دیکھتا رہا۔ حجاب اندر داخل ہو گئی۔ مجھے صوفے پر بیٹھے ہونے کے بجائے کارنس کے پاس کھڑے دیکھ کر چونکی۔ پھر مسکراتے ہوئے میرے پاس آ گئی۔

"ہاں! ڈیڈی کی ہی تصویر ہے اور ان کے ساتھ جو خاتون ہیں جانتے ہو وہ کون ہیں۔ یہی کہو گے نا کہ وہ میری ماں ہیں۔ تمہارا خیال بالکل درست ہے اور ہو بھی کون سکتا ہے۔ لیکن یہ میری اسٹیپ مدر ہیں۔ ڈیڈی کی پہلی شادی انہی سے ہوئی تھی۔ اصل میں ہمارے خاندان میں عموماً دو شادیوں کا رواج ہے۔ یہ شادی غیر خاندان میں ہوئی تھی۔ یہ خاتون ڈیڈی کی پسند تھیں اور ڈیڈی نے ان سے محبت کی تھی۔ لیکن پھر خاندانی رسم و رواج آڑے آئے۔ ڈیڈی انہیں اپنے اہل خاندان کے سامنے نہیں لا سکے تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنے خاندان سے اس شادی کو چھپا کر رکھا تھا۔ خاندان والوں کے سامنے وہ جرات سے کام نہیں لے سکے اور انہیں دوسری شادی کرنا پڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ وہ پہلی شادی سے گریزاں ہو گئے اور یہ خاتون حقیقت معلوم ہونے کے بعد ڈیڈی کے ساتھ نہیں رہیں۔ انہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر اس طرح روپوش ہوئیں کہ ڈیڈی کوشش کے باوجود انہیں تلاش نہیں کر سکے' ڈیڈی کا کہنا ہے کہ یہ بہت سخت مزاج تھیں اور ڈیڈی کی دوسری شادی کو برداشت نہ کر سکی تھیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ڈیڈی کے دل میں ان کے لئے آج بھی پیار ہے۔ رہا معاملہ ہم لوگوں کا تو میں اپنے ڈیڈی کو اتنا چاہتی ہوں کہ ان کی چاہت سے بھی غیر مطمئن نہیں ہوں۔ حالانکہ کبھی کبھی انسانی فطرت کے مطابق میرے دل میں یہ احساس ابھرتا ہے کہ یہاں میری ماں کی تصویر ہونی چاہیے تھی جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں' لیکن بہرحال ڈیڈی کی خوشی مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔"

"وہ کہتی رہی اور میں مختلف کیفیات سے گزرتا رہا۔ ماں کی کہانی آج مکمل ہو گئی

تھی۔ اور میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کس سے اپنا حق وصول کرنا چاہتی ہے۔ ماں! اس کائنات میں دنیا کا ہر کام ہو جاتا ہے۔ تیرے قاتل کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ مجرم ہے اور اب وہ کفارہ ادا کرنے پر مصر ہے۔ دنیا بڑی نقلی ہے ماں۔ پتہ نہیں لوگ حقیقتوں سے گریز کیوں کرتے ہیں۔ انہوں نے جو عمل کیا ہوتا ہے اسے چھپانے کے لئے کیسے کیسے برے عمل کرتے ہیں وہ' لیکن ماں! یوں لگتا ہے جیسے تیری دعاؤں سے زندگی کی کہانی مکمل ہو گئی۔ ہاں میرے سامنے میرے دونوں مقاصد آ گئے۔ وہ جو تیرا قاتل ہے اور وہ جو تیرا قاتل ہے۔ تیرے دو دو قاتل میری نگاہوں کے سامنے آ چکے ہیں۔ اور اب وہ یوم حساب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہاں حساب کا وقت آ گیا ہے۔ وہ شیطان جسے قاضی نظام احمد نے تھپک تھپک کر سلایا دیا تھا کروٹ لے کر بیدار ہو گیا' میرے ذہن میں کوئی مثبت سوچ نہیں جاگی تھی۔ بلکہ ایک شیطانی عمل کا آغاز ہو گیا تھا۔ حجاب نجانے اور کیا کیا کہانی سناتی رہی پھر بولی:

"آؤ بیٹھو۔ پلیز اور میں حجاب کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھا۔ اب چونکہ میں اس شیطان کے زیر اثر تھا جس نے مجھے ایک نئی راہ دکھائی تھی اور لمحوں میں یہ بتا دیا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اندر سے بھی اتنا ہی مضبوط ہو گیا۔

"منصوبے برق رفتاری سے بخارات کی مانند دماغ کی جانب دوڑنے لگے اور دماغ میں ان کا بسیرا ہو گیا۔ حجاب نے کہا:

یقین کریں نجانے کیوں آپ کو یہاں دیکھ کر دل کو ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ بہت خوش ہوں میں اور آپ نے میری درخواست قبول کر کے مجھے جو عزت بخشی ہے منصور۔ میں اس کا اظہار نہیں کر سکتی' جواب نہیں دے سکتی۔"

"نہیں حجاب! میں نے اپنے اوپر جتنی پابندیاں لگا رکھی ہیں آپ رفتہ رفتہ پابندیوں کی یہ زنجیریں توڑتی جا رہی ہیں۔ حجاب کہیں میں بھٹک نہ جاؤں۔"

میرے ان الفاظ سے حجاب کا چہرہ ایک دم عجیب سا ہو گیا۔ چند لمحے تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا:

"آپ جسے بھٹک جانا کہتے ہیں منصور۔ وہی تو منزل کا راستہ ہے۔ منصور میں پہلے بھی آپ سے اپنی ذہنی کیفیت کا اظہار کر چکی ہوں آپ یقین کریں آپ نے مجھے اس قدر

بے باک کردیا ہے کہ بعض اوقات مجھے خود اپنے وجود سے شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ منصور پلیز۔ آپ میری بات کو برے انداز میں محسوس نہ کیجئے گا۔ منصور۔ منصور۔" حجاب کے ہونٹ کپکپانے لگے تو میں نے آہستہ سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے کہا:

"نہیں حجاب! آپ کی نسائیت برقرار رہنی چاہئے۔ بس اس سے آگے کچھ نہ کہیں۔ مجھے کہنے دیں حجاب۔ مجھے اپنے ذہن کے راستے صاف کرنے دیجئے۔ اگر میں آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کروں تو کیا اس فیصلے میں پیش آنے والی دشواریاں دور ہو سکتی ہیں۔"

"کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ میں ہر لمحہ آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے اس دن اندازہ لگا لیا ہو گا۔ ڈیڈی کے ساتھ میرا رویہ جو کچھ تھا وہ میری اپنی کیفیت کا اظہار تھا' ڈیڈی ناسمجھ بن رہے ہیں۔ سب کچھ جان لیا ہے انہوں نے۔ بس ایک گریز ہے جو ہم باپ بیٹی کے درمیان چل رہا ہے اور جس دن بھی ڈیڈی نے اس سلسلے میں زبان کھولی میں انتہائی عاجزی اور شرافت سے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کر دوں گی۔ شاید میں ایسا کر بھی چکی ہوتی منصور۔ لیکن۔ لیکن میں آپ کے ذہن کو پڑھنا چاہتی تھی۔ یہ جاننا چاہتی تھی میں کہ اگر میں ڈیڈی سے اپنی اس کیفیت کا اظہار کر دوں تو آپ کی طرف سے پذیرائی مل سکے گی مجھے۔ بتایئے منصور۔ اب جب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے تو اس کو صاف ہو جانا چاہئے۔ منصور کیا آپ مجھے اپنے قدموں میں قبول کرلیں گے۔"

"ہاں حجاب! اگر کوئی بہت بڑی رکاوٹ درپیش نہ ہوئی تو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔" میں نے کہا اور حجاب کے چہرے پر پھول سج اٹھے۔ گلستان سج گیا اس کی آنکھوں پر۔ اور وہ دیر تک سحرزدہ رہی۔ پھر ملازمہ کی آمد نے یہ سحر توڑا۔ وہ چائے لے آئی تھی۔

شیطان کی رہنمائی نے میرے لئے راستے منتخب کر دیئے تھے۔ رات کو نظام احمد قاضی سے ملاقات ہوئی۔ ریحانہ باجی اور قاضی صاحب بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ ان کے انداز میں ایک عجیب سی الجھن پائی جاتی تھی۔ دونوں میرے قریب آ گئے۔ قاضی صاحب میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے:

"اتنا ذاتی معاملہ ہے تمہارا۔ کہ میں نے زندگی میں کبھی کسی سے مرعوب نہیں

ہوا۔ جو دل چاہا' کھل کر کہا' کھل کر اظہار کر دیا' لیکن یقین کرو۔ پوچھ لو ریحانہ بیگم سے۔ اتنا پریشان ہوں میں۔ اتنا الجھا ہوا ہوں میں تم سے بات کرتے ہوئے کہ بیان نہیں کر سکتا' اور یہ بھی سن لو وہ ہو گا جو تم چاہو گے۔ ہمارے لئے ہر راستے کا ستون تم ہی ہو۔ تم سے الگ ہٹ کر ہم کچھ نہیں سوچ سکتے۔" میں نے مسکراتے ہوئے قاضی صاحب کو دیکھا اور کہا:

"میں جانتا ہوں قاضی صاحب! آپ اس وقت کس قدر الجھن میں ہوں گے۔ آپ جو یہ الفاظ کہہ رہے ہیں نا' یہ ضروری نہیں ہیں' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے لئے وہی جذبے رکھتے ہیں' لیکن یہ بھی سمجھ لیجئے آپ کہ میں بھی آپ کے لئے دل میں وہی جذبے رکھتا ہوں۔"

"ہمیں یقین ہے بیٹے تم پر نہیں اللہ کی ذات پر کہ تم ہمارے لئے وہی سب کچھ سوچتے ہو جو ہم تمہارے لئے۔ پورا پورا یقین ہے ہمیں' کیا سننا پسند کرو گے کہ اس نے مزید کیا کہا:

"ہاں۔"

"کھانا کھالیا۔؟"

"جی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ہم کھانا نہیں کھا سکے' اس الجھن کی وجہ سے۔"

"آپ لوگ پہلے کھانا کھایئے۔ میں آپ کا تھوڑا بہت ساتھ دوں گا۔"

کھانے سے فراغت کے بعد قاضی صاحب نے کہا:

"حیات علی شاہ کو یہ ساری باتیں نادر زمان نے بتائیں۔ حیات علی شاہ شاید پہلے بھی نادر زماں کے ساتھ تمہاری والدہ کی قبر پر جا چکا تھا۔ اسے یہ بات معلوم تھی کہ یہ تمہاری والدہ کی قبر ہے۔ بعد میں نادر زماں نے اس پر یہ انکشاف کیا کہ وہ قبر ایک ایسی عورت کی ہے جو ایک حادثے میں ہلاک ہوئی تھی اور اس حادثے کا ذمے دار حیات علی ہے تو حیات علی کے وجود میں شدید زلزلہ آ گیا اور اس کے بعد اسے اپنے جرم کا شدید احساس ہوا۔ یہ وڈیرے قسم کے لوگ ہیں اور ظلم ان کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ حیات علی شاہ نے تمہارے سامنے اپنی کہانی بیان

کی تھی۔ وہ قسمیں کھا کھا کر کہتا ہے کہ شدید ذہنی ہیجان کے عالم میں یہ حادثہ ہو گیا تھا۔ لیکن بہرحال وہ انسانی فطرت کے مطابق جان بچانے کا خواہش مند بھی تھا۔ اور اس نے اس کے لئے بھرپور کوشش کی۔ حیات علی شاہ قسمیں کھا کھا کر کہہ رہا تھا کہ اس کے بعد وہ برسوں اذیت کا شکار رہا۔ بارہا اس کا دل چاہا کہ اس بچے کو تلاش کرے اور اسے مالی سپورٹ دے لیکن نہ تو وہ ہمت کر سکا۔ اور نہ ہی کوئی اتفاقی واقعہ اسے اس شکل میں لا سکا۔ اب وہ ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو گیا ہے۔ بہت دلبرداشتہ نظر آ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قاضی صاحب ایک وکیل کی حیثیت سے آپ میری مدد کیجئے اور مجھے بتایئے کہ میں کیا کروں۔"

میں اس وقت ایک عجیب ہی نشے میں سرشار تھا۔ میرے ذہن میں جو شیطان تھا' وہ کچھ عجیب سی کیفیت اختیار کر چکا تھا۔ میں نے کہا:

"قاضی صاحب! کیا فیصلہ کیا آپ نے ایک وکیل کی حیثیت سے۔؟" میرے لہجے پر قاضی صاحب کچھ جھینپ سے گئے کہنے لگے:

"نہیں۔ فیصلہ تو تم ہی کرو گے کیا سمجھے۔ لیکن میں تم سے یہ درخواست ضرور کروں گا کہ فیصلہ کرو! میں تمہارا فیصلہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"میرا فیصلہ ناپسندیدہ بھی ہو سکتا ہے قاضی صاحب۔"

"ہاں ہو سکتا ہے' لیکن اب تم ایک وکیل ہو ہر اچھے برے کو سمجھتے ہو' قانون کو جانتے ہو۔ اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم قانون کا احترام بھی کرتے ہو۔ سچ کو سچ کی کسوٹی پر پرکھتے ہو۔ چنانچہ کم از کم مجھے تمہاری طرف سے یہ اطمینان ضرور حاصل ہے کہ جو فیصلہ کرو گے' قانون کا مذاق اڑانے کے لئے نہیں کرو گے۔ کیونکہ قانون کا طا علم تمہیں تمہاری ماں نے بنایا ہے' اور یقینی طور پر انہوں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہو گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"قاضی صاحب! میں آپ سے رہنما چاہتا ہوں۔ ہمیشہ کی مانند جیسے آپ رہنمائی کرتے رہے ہیں اس وقت اس رہنمائی سے گریز نہ کیجئے گا۔"

"دیکھو مجھے اس حد تک اس کسوٹی پر نہ لاؤ۔ بہت سے معاملات میں تمہارا خود ہی فیصلہ کرنا مناسب ہو گا۔ اور اگر مجھ سے رہنمائی چاہتے ہو تو میں تمہیں قانون کے دائرے

میں رہ کر عمل کرنے کا مشورہ دوں گا۔"

"جی جی۔ میں وہی چاہتا ہوں قاضی صاحب۔"

"اسے معاف کر دو۔" قاضی صاحب نے پراعتماد لہجے میں کہا اور میں قاضی صاحب کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا:

"اسے اس بات کی اطلاع دے دیجئے گا۔"

اس کے بعد میں قاضی صاحب کے پاس سے ہٹ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ میرے ذہن کا شیطان مجھے طرح طرح کے مشورے دے رہا تھا۔ بات حقیقت بھی تھی۔ قانون کے دائرے میں رہ کر میں حیات علی شاہ کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ ہاں لاقانونیت کی بات اور ہے۔ لیکن لاقانونیت کا عمل حیات علی شاہ کے سلسلے میں نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے بعد مجھے اپنا وہ منصب چھوڑنا پڑتا جو ماں کی ہدایت کے مطابق میں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا۔

ساری رات سوچتے رہنے کے بعد صبح کو غسل کرنے کے بعد میں پرسکون ہو گیا تھا۔ قاضی صاحب ناشتے کی میز پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے معمول کے مطابق ناشتہ کیا۔ قاضی صاحب نے کچھ معاملات میرے سپرد کرتے ہوئے کہا:

"تم کورٹ چلے جاؤ اور یہ دو ضمانتیں ہیں یہ کرا دو' میں ذرا مصروف رہوں گا۔ دوپہر کو دفتر میں ملاقات ہو گی۔"

میں نے قاضی صاحب سے ملاقات کا وعدہ کر لیا' لیکن تمام کام کرنے کے بعد میں نیو ٹاؤن پہنچا تھا۔ نادر زماں کی پوسٹنگ اب بھی یہیں تھی۔ نادر زماں مجھے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ پھر اچانک ہی اس کے اندر خوشی کے جذبات بیدار ہوئے۔ بڑا پرجوش مصافحہ کیا تھا اس نے مجھ سے۔ پھر سامنے کرسی پر اطمینان سے بٹھاتے ہوئے کہا:

"تشریف رکھئے وکیل صاحب' آپ یقین کریں ایسا لگ رہا ہے جیسے اچانک ہی مجھے بڑی عزت مل گئی ہو' آپ کسی ایسے شخص کا تجزیہ کر لیں جس کا عزیز ترین دوست اس کے پاس دوبارہ آ گیا ہو۔"

"نادر زمان صاحب! میں نے ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے' اس وقت بھی میں نے آپ سے یہی کہا تھا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں' میں نہیں۔ میرا کیس آپ کے سامنے آ

چکا ہے۔"

"ساری باتیں مجھے معلوم ہو گئی ہیں' میں نے ماں کی قبر پر جا کر اسے مبارک باد بھی دی ہے کہ اس نے جس ننھی سی کونپل کو پروان چڑھایا تھا آج وہ اتنے میٹھے پھلوں کا درخت ہے کہ اس کے سائے میں ماں کے ہر رونگٹے کی خوشبو بسی ہوئی ہے میں نے کہا کہ مبارکباد ہو امی! آپ کا بیٹا میں نہیں ہوں' لیکن جو آپ کا بیٹا ہے۔ وہ میرا بھائی ہو بھی نہیں سکتا' وہ بہت عظیم ہے اور میں بڑی معمولی سی شخصیت کا مالک۔" میں ہنس پڑا' میں نے کہا:

"حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مجھے چت کر دیا ہے نادر زماں صاحب۔ جو گستاخیاں ہو گئی ہیں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ ایک مرحلہ تو طے ہو گیا۔ حیات علی شاہ صاحب کے لئے اب میرے دل سے کدورت نکل چکی ہے' ماں نے شاید تصدیق کر دی ہے اس بات کی کہ حیات علی شاہ صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے' اور حالات بھی اسی کا اظہار کرتے ہیں۔ اب نادر زمان صاحب بس ایک پھانس رہ گئی ہے میرے دل میں۔ ماں کس سے اپنا حق لینا چاہتی تھی۔ کون ہے وہ' اور وہ حق کیا تھا' نادر زماں صاحب آپ کا تعلق سیکورٹی سے ہے۔ میں بھی آپ ہی کی شاخ کا ایک حصہ ہوں۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ کیا ماں کی اس دوسری خواہش کی تکمیل بھی میرا فرض نہیں ہے۔"

"ہے سو فیصدی ہے۔ لیکن تم یہ دیکھو' معاف کرنا اب میں تمہیں وکیل صاحب نہیں کہوں گا۔ تم یہ دیکھو منصور کہ ایک مسئلہ اللہ تعالیٰ نے حل کیا' ہر چیز کا حل ہے اس کے پاس۔ آخر کار ایک دن تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ امی کیا چاہتی تھیں۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔"

"نادر زماں صاحب! ذرا نوٹ کر لیجئے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس شخص سے میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے جنگ کروں اس سے آپ کی شناسائی ہو اور حیات علی شاہ صاحب کے معاملے کی طرح آپ اس معاملے میں بھی مجھ سے گریزاں ہو جائیں۔"

"غلط بات مت کرو منصور۔ میں تم سے گریزاں نہیں ہوا تھا' جو کام آج اتنی طوالت کے بعد ہوا ہے۔ روز اول اگر تم مجھے یہ بات بتا دیتے تو خدا کی قسم تم سے منحرف نہ ہوتا' کوئی نہ کوئی مناسب فیصلہ کر کے ہی دم لیتا اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ حیات علی شاہ

صاحب کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔"

"نہیں' اس کا جواب نظام احمد قاضی صاحب دیں گے' چونکہ جہنم کی سلگتی ہوئی آگ سے نجات دلانے میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ان سے بات کر لوں گا۔"

"شکریہ۔"

"کیا پیو گے۔؟"

"آب حیات۔" میں نے جواب دیا۔

"بھئی معاف کرنا' وہ تو پولیس کے بس میں بھی نہیں ہے۔" نادر زماں نے مسکرا کر کہا:

"تو پھر رہنے دو۔ ہاں آب حیات جیسی ایک چیز مجھے دے دو۔"

"وہ کیا۔؟"

"اس لڑکی شازیہ کا مکمل پتہ' میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔" نادر زماں حیرت سے مجھے دیکھنے لگا تھا۔

جس فلیٹ کے دروازے پر میں نے دستک دی وہ خاصا اچھا تھا۔ دروازہ ایک معمر خاتون نے کھولا' ان کے چہرے میں شازیہ کے نقوش ملتے تھے۔ دروازہ کھول کر انہوں نے مجھے دیکھا۔ انداز سہما سہما سا تھا۔ کہنے لگیں:

"ہاں جی۔ کیا بات ہے۔؟"

"ماں جی! شازیہ موجود ہیں۔؟" میں نے سوال کیا اور عورت کے خوف میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس نے ہچکچائی ہوئی آواز میں کہا:

"ہاں جی ہیں مگر آپ کو کیا کام ہے۔ آپ کو کس نے ادھر بھیجا ہے صاحب۔"

"میں شازیہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں جی نہیں' اب وہ کسی سے نہیں ملتی' صاب جی آپ!۔"

"کون ہے اماں۔؟" اندر سے آواز سنائی دی۔ اور پھر شازیہ دروازے پر آ گئی۔ سفید رنگ کے لباس میں ملبوس عجیب پاکیزہ شکل نظر آ رہی تھی' اس کی آنکھوں میں میرے لئے اجنبیت کے آثار تھے' پتہ نہیں وہ مجھے پہچان نہیں سکی تھی یا جان بوجھ کر

اجتناب کر رہی تھی۔ میں نے کہا:

"شازیہ! میں وکیل ہوں۔ شاید آپ مجھے پہچان نہیں سکیں۔"

"اندر آ جایئے بابو صاحب' معافی چاہتی ہوں۔ میں نے نہیں پہچانا تھا آپ کو۔" وہ بولی اور ماں بیٹی دروازے سے ہٹ گئیں۔ میں فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ نادر زماں کے احسانات ایک خوبصورت فلیٹ کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔ اس نے بہت عمدہ ڈیکوریشن کرائی تھی یہاں کی' اور حیرت کی بات یہ تھی کہ شازیہ کے بہن بھائی تک صاف ستھرے نظر آ رہے تھے۔ خود شازیہ کے چہرے پر بھی ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے کہا:

"بیٹھئے بابو صاحب۔ زمان بھائی نے ہم سے کہا تھا کہ ہمیں یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے اور بابو صاحب ہمیں کسی کے سامنے بھی نہیں جانا پڑے گا۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ منصور احمد وکیل صاحب نے ہمیں یہ جگہ دی ہے آپ منصور صاحب ہیں نا جی۔"

"ہاں شازیہ۔ میں منصور ہوں۔"

"مگر بابو صاحب۔ بات تو وہی ہو جاتی ہے' کسی کو داشتہ بنا کر رکھ لیجئے یا پھر۔ بابو صاحب! کیا زمان بھائی نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ اب انہوں نے ہمیں دھندہ کرنے سے منع کر دیا ہے۔ وکیل صاحب جی! آپ بتاؤ ہمیں جی' کیا خدمت کرنی ہو گی۔"

میرے دل پر گھونسے لگ رہے تھے۔ شازیہ کی شخصیت کس طرح مسخ ہو گئی تھی۔ وہ رات میرے ذہن میں تھی جب میں نے اسے بارش میں بھیگے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر دل و دماغ قابو میں ہوتے اور نگاہوں میں کسی کے حسن سے متاثر ہونے کا خیال آتا تو شازیہ یقینی طور پر اس وقت میری منظور نظر ہوتی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے کوئی شناسائی نہیں تھی۔ وہ رات اس کے دل و دماغ پر تو حاوی ہو گی' لیکن اس ذلیل ٹیکسی ڈرائیور کی شکل وہ بھول چکی ہو گی جس نے اس کے بھائی کی موت کے لئے اہم کردار ادا کیا تھا۔ میں نے شازیہ سے کہا:

"شازیہ! اب مجھے یہاں آ کر افسوس ہو رہا ہے۔ آپ میرے بارے میں غلط سوچ رہی ہیں۔ اگر آپ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کے گاہک کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں تو آپ کو خدا کا واسطہ یہ خیال بالکل دل سے نکال دیجئے گا' میں تو بس آپ کی خیریت معلوم

کرنے چلا آیا تھا۔ یہ پوچھنے آیا تھا کہ جو انتظامات میں نے آپ کے لئے کئے ہیں ان میں کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے آپ کو۔ اگر ضرورت ہے تو میں وہ چیزیں بھی مہیا کر دوں۔ آپ نے میرے بارے میں بہت برے انداز میں سوچا ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجئے آپ نے جوتا مارا ہے میرے منہ پر۔ میں چلتا ہوں۔" اسی وقت شازیہ کی ماں اندر آ گئی اور کہنے لگی:

"معاف کر دیجئے گا بابو صاب! پاؤں پکڑتی ہوں آپ اسے معاف کر دیجئے گا۔ اصل میں اب ہم اتنے بے غیرت ہو چکے ہیں کہ اچھی باتیں سوچ ہی نہیں سکتے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ فرشتے دنیا میں کیسے آ گئے۔ ہمارے اوپر یہ احسان کیوں کیا جا رہا ہے۔ آپ یقین کرو بابو صاب! دن رات حرام ہو گئے ہیں ہم پر۔ دونوں ماں بیٹیاں یہی سوچتے ہیں بیٹھ کر' آگے کیا ہو گا۔ ہم اس احسان کا کیا صلہ ادا کریں گے۔ بڑے ڈرے ہوئے ہیں ہم۔"

"آپ کیا کہہ رہی ہیں ماں جی۔ میری ماں کی جگہ ہیں آپ خدا کے لئے مجھے اتنا ذلیل نہ کیجئے گا' میں اب یہاں کبھی نہیں آؤں گا۔"

"نہیں بیٹے' ماں کہہ رہے تو ناراض نہ ہو ماں سے۔ بس یہ سمجھ لو ماں بیمار ہے' بہت بڑی بیماری لگ گئی ہے بیٹے ہمیں۔ بہت بڑی بیماری لگ گئی ہے اور اب ہم جو کچھ بھی کہتے ہیں اور کرتے ہیں اسی بیماری کے زیر اثر کرتے ہیں۔ دل دکھا ہے تو ہمیں معاف کر دو۔ ہاں اللہ کے نیک بندوں کی کمی تو نہیں ہے اس دنیا میں' بس ملتے نہیں ہیں اس لئے حیرت ہوتی ہے۔ شازیہ بھی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی' میں نے کہا:

"جو غلاظت اس دنیا نے تمہارے ذہن میں بھر دی ہے شازیہ خدا کے لئے اب آپ اسے بھول جایئے' وقت خود ہی کروٹ بدلتا ہے۔ اب آپ کسی کی داشتہ یا بری دنیا کی ایک خاتون نہیں ہیں' بلکہ ایک عزت دار خاتون ہیں' ماحول نے جو دھبے آپ کے دامن میں لگائے ہیں اس دامن کو آپ پھاڑ کر پھینک دیجئے گا' کسی کی مجال نہیں ہے کہ آپ کی طرف میلی نگاہ سے دیکھے' بس اتنا کہنا چاہتا تھا میں آپ سے۔"

اس کے بعد میں وہاں نہیں رکا تھا۔ حالانکہ دونوں ماں بیٹیاں مجھے روکتی رہ گئی تھیں۔ دل سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور میں قاضی صاحب کے پاس جاتے

ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ جب میں نے حیات علی شاہ کو معاف کر دیا ہے تو پھر میرے لئے بھی معافی کے دروازے کھلنے چاہئیں اور ان دروازوں کے کھولنے کا طریقہ کیا ہو گا۔ لیکن بات وہیں آ جاتی ہے کہ جب انسان کی سوچیں مفلوج ہو جاتی ہیں تو اللہ کا عمل اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بات اس وقت تک میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ لیکن بعد میں میرے ایمان نے مجھے یہ سمجھایا۔ البتہ یہ بہت بعد کی بات ہے۔

قاضی صاحب دفتر میں موجود نہیں تھے۔ ویسے بھی مجھے بہت دیر ہو گئی تھی۔ میں گھر پہنچ گیا اور قاضی صاحب مجھے اپنے منتظر ملے۔ ریحانہ باجی معمول کے مطابق مجسم اخلاق تھیں۔ کبھی کبھی ان دونوں کی محبت مجھے بالکل ماں باپ کی محبت محسوس ہوتی تھی۔ بات وہی تھی' دنیا بہرطور اتنی بری نہیں ہوگی کہ اس سے بالکل ہی مایوس ہو جایا جائے۔

قاضی صاحب کے چہرے پر ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے محسوس کر کے مسکراتے ہوئے کہا:

"یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی کھچڑی پک رہی ہے آپ لوگوں کے ذہن میں۔"

میرے ان الفاظ پر بھی وہ دونوں سنجیدہ ہی رہے' مجھے کسی قدر تعجب ہوا۔ میں نے کہا:

"کیا بات ہے۔ آپ مجھے بتائیں گے نہیں۔؟"

"بڑی مشکل پیش آ گئی ہے۔"

"کیا۔ کچھ مجھ سے متعلق ہے۔؟"

"ہربات تم سے متعلق ہے۔ تمہارے علاوہ اور ہے کیا ہمارے پاس۔"

"اور مجھے بتانے سے گریز کر رہے ہیں آپ!"

"نہیں گریز نہیں کر رہے وہ جو کچھ ہمت وغیرہ ہوتی ہے نا۔ تو مسئلہ ہمت کا ہے۔ ہمت نہیں پڑ رہی وہ کہنے کی۔ جو کہنا چاہتے ہیں ہم۔"

"ٹھیک ہے' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ظاہر ہے آپ کے اندر ہمت تو نہیں پیدا کر سکتا میں۔"

"ارے بھائی' کچھ سہارے والی بات تو کرو نا۔"

"اگر آپ مجھ پر اعتماد نہیں کرتے تو پھر میں کیا سہارا دوں آپ کو۔" میں نے کہا:

"وہ اصل میں رحمت علی شاہ آئے تھے میرے پاس' حیات علی شاہ کا پیغام لے کر۔

وہ لوگ رات کا کھانا ہمیں کھلانا چاہتے ہیں۔ میں خود ان سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ وہ ضد کر کے گئے ہیں کہ میں آپ سے بات کر کے انہیں جواب ضرور دوں' بس یہ سمجھ لو میں نے ریحانہ سے یہ بات کہی۔ اور ریحانہ اس وقت سے پریشان بیٹھی ہیں' میں بھی ان کی پریشانی میں شریک ہوں۔" مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا:

"گویا آپ دونوں پریشانی پریشانی کھیل رہے ہیں۔" میرے اس شگفتہ لہجے پر دونوں اچھل پڑے۔ قاضی صاحب نے ریحانہ باجی کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے:

"ریحانہ آپ نے کچھ محسوس کیا ہے۔؟"

"ہاں! لیکن جو محسوس کیا ہے اسے الفاظ کے دائرے میں نہیں لا سکتی۔"

"لائیے لائیے اس وقت ہمیں دائرے کی ضرورت ہے۔" قاضی صاحب بولے۔

"قاضی صاحب شکایت کا موقع دے رہے ہیں آپ مجھے۔ اگر آپ میرا وہاں جانا مناسب سمجھتے ہیں تو آپ کو ہاں کہہ دینا چاہئے تھی؛ اور مجھ سے صرف ایک لفظ کہنا چاہئے تھا کہ میاں چلنا ہے یا نہیں جانا۔" قاضی صاحب مجھے دیکھتے رہے۔ پھر بولے۔

"اصل میں یہ بہت بڑی بات ہوتی اور میرا منہ اتنا بڑا نہیں ہے۔ یعنی چھوٹا منہ ہے۔ اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

"میں نے کہا نا غیریت کی باتیں کر رہے ہیں' کر لیں' ہر انسان کبھی نہ کبھی ایک آدھ بری بات کر لیا کرتا ہے' یہ آپ کی پہلی بری بات ہے۔"

"یعنی مجھے وہ دعوت قبول کر لینی چاہئے تھی۔؟"

"میں نے کہا نا اگر آپ مناسب سمجھتے تو۔"

"اور اگر مناسب سمجھوں تو ٹیلیفون کر دوں انہیں۔"

"میرے خیال میں یہ فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں۔" قاضی صاحب بولے اور پھر ٹیلیفون پر انہوں نے حیات علی شاہ سے بات کی۔

"بھئی کس وقت پہنچنا ہے ہمیں' اور کیا کیا پکوا رہے ہیں آپ لوگ۔ ذرا معدہ ویدہ درست کرنے کے لئے پوچھ لیا ہے۔"

جواب جو کچھ بھی ملا وہ ظاہر ہے ہم نے نہیں سنا تھا میں اور ریحانہ باجی باتیں

کرتے رہے تھے۔

پھر جب ہم لوگ مقررہ وقت پر حیات علی شاہ صاحب کے مکان پر پہنچے تو وہاں ہم نے ایک بڑا مجمع دیکھا۔ نادر زماں تھے۔ بھابھی صوفیہ تھیں۔ رضوانہ اور اس کا شوہر بھی تھے۔ حیات علی شاہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ بھی تھیں اور پھر ان کا بیٹا۔ بڑے پرجوش انداز میں انہوں نے ہمارا خیر مقدم کیا تھا' حیات علی شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ پھیلائے تھے۔ اور اس کے بعد مجھ سے دیر تک لپٹے رہے تھے۔ زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا انہوں نے' لیکن ان کے بدن کی لرزشیں بہت سی داستانیں کہہ رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ماں کا تصور کیا اور یہ پوچھنا چاہا کہ ماں تمہارے قاتل سے لپٹ کر میں غلطی تو نہیں کر رہا۔ آپ لوگ شاید اسے داستان طرازی سمجھیں یا پھر میری اپنی اختراع کہ انسان اپنے آپ کو اگر مطمئن کرنا چاہتا ہے تو ہر برائی اور اچھائی کے لئے مطمئن کر لیتا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر ماں کے ہاتھ کا لمس ہو اور وہ کہہ رہی ہو کہ 'ہاں بیٹا غلطیاں تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے' میری عمر اتنی ہی تھی اور اس شخص پر یہ داغ لگنا تھا' لیکن داغ دھونے والے اللہ کی نگاہ میں زیادہ محترم ہوتے ہیں۔"

میں نے اس وقت ایک خجالت سی محسوس کی تھی' ایک داغ کو میں نے معاف کر دیا تھا۔ لیکن دوسرے داغ کو میری ماں بھی نہیں معاف کر سکتی تھی۔ یعنی ساجد علی شاہ کو۔ جو آرزو ماں نے مجھ سے کی تھی وہ اتنی ناپائیدار نہیں تھی کہ میں اس کا سودا کر لیتا۔ وہ بات میرے ذہن میں اپنی جگہ محفوظ رہی تھی۔ البتہ یہاں انہوں نے جس خوشی کا اظہار کیا تھا اور جس طرح اس پورے قیام کے دوران میری پذیرائی کی تھی اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ درحقیقت حیات علی شاہ یا اس کے اہل خاندان برے لوگ نہیں ہیں' میرے اپنے ذہن میں جو جلن تھی' اس کا مسئلہ بالکل الگ تھا۔ لیکن اگر یہ لوگ اتنے برے ہوتے تو حیات علی شاہ نے جس طرح اپنے آپ کو عدالت سے بری الذمہ کرا لیا تھا اسی طرح وہ مجھ پر بھی توجہ نہ دیتا۔

حیات علی شاہ نے بہت سی باتیں کیں۔ ان احسانات کا تذکرہ بھی کیا جو میں نے ان کی بیٹی اور ان کے داماد پر کئے تھے لیکن میں نے ذرا خاموشی ہی اختیار کئے رکھی تھی۔ بہرحال میری زندگی کے مشکل مرحلوں میں سے ایک ایسی مشکل کا حل نکل آیا تھا۔

جواب تک میرے دل و دماغ کو چاٹتی رہی تھی۔ پھر رات کو ہم سب گاڑیوں میں بیٹھ کر والدہ کی قبر پر گئے۔ حیات علی شاہ صاحب نے پھولوں کے انبار ساتھ لئے تھے۔ اور انہوں نے قبر پر پھولوں کا ایک مینار بنا دیا' اور اس کے بعد حیات علی شاہ جس طرح گڑگڑا کر ماں کے قدموں میں بیٹھ کر رویا اور اس نے معافیاں مانگیں۔ اس نے مجھے بھی تھرا کر رکھ دیا۔ وہ قبر سے آنکھیں رگڑ رگڑ کر کہہ رہا تھا:

"مجھے معاف کر دینا بہن غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دینا۔"

"کچھ نہیں کر سکتا ہوں میں تمہارے لئے بس تم مجھے معاف کر دینا۔" نادر زماں نے بمشکل تمام حیات علی شاہ صاحب کو سہارا دے کر وہاں سے اٹھایا' پھر ہم لوگ اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے۔

قاضی صاحب اور ریحانہ باجی بھی بہت متاثر تھے۔ قاضی صاحب نے کہا:

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں منصور جن کا صلہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ تم اس بات کو ذہن میں رکھنا' کوئی بہت بڑی بہتری تمہاری تقدیر میں آنے والی ہے۔"

میں نہیں جانتا تھا کہ وہ بہتری کیا ہو گی۔ بہرطور زندگی کے شب و روز پھر سے جاری ہو گئے۔ میں اپنا کام کرنے لگا۔ تقریباً دس یا بارہ دن ہو چکے تھے اس واقعے کو کہ ایک دن ساجد علی شاہ صاحب بار روم میں خود اٹھ کر میرے قریب آ گئے اور بولے۔

"کچھ وقت ہے منصور صاحب آپ کے پاس۔؟"

"جی سر حکم دیجئے گا آپ۔"

"تنہائی میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے کہا نا آپ حکم دیجئے۔" میں نرم لہجے میں بولا۔

حالانکہ دل میں ایک درد و غبار کا طوفان سا اٹھا تھا۔ یہ شخص میرا باپ ہے' یہ میرا باپ ہے۔ ساجد علی شاہ مجھے ساتھ لئے ہوئے چل پڑے۔ میرے پاس وہی کار موجود تھی' ساجد علی شاہ نے کہا:

"یا تو اپنی کار میں مجھے لے چلو' یا پھر دونوں کاریں ساتھ لئے چلتے ہیں تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔"

ہم دونوں آگے پیچھے چلتے رہے۔ ایک خوبصورت سے ریستوران کے سامنے ساجد

علی شاہ صاحب نے کار روکی۔ ریستوران بہت خوبصورت تھا۔ لیکن انتہائی پرسکون اور ہمیں ایک گوشہ بیٹھنے کے لئے مل گیا۔

"منصور! میں آپ سے آپ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں' دیکھو پروفیشن اپنی جگہ ہے' جب مقابلے کا کھیل ہوتا ہے تو دونوں کھلاڑی اپنے ہر داؤ پیچ آزماتے ہیں اور ہارنے والا کبھی اپنی ہار سے خوش نہیں ہوتا۔"

"سر' میں اس بات سے قطعی انکار نہیں کروں گا۔"

"ہمارے درمیان کچھ تلخیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ نہ میں نے انہیں دور کرنے کی کوشش کی نہ آپ نے۔ لیکن آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان تلخیوں کو دور کرلوں۔"

میں نے اپنے چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ پیدا کی پھر کہا:

"سر! میں آپ کا جونیئر ہوں' آپ نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے' بہت سے رنگوں میں دیکھا ہوگا آپ نے زندگی کو' میری مجال کہ آپ کی کسی بات سے میں تلخی محسوس کروں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا جب دو وکیل آمنے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو اپنے دلائل کو بہتر سے بہتر بنا کر اپنے کیس پیش کرتے ہیں' میں سمجھتا ہوں میری جرات اس سے کبھی آگے نہیں بڑھی۔"

"گویا آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے دل میں میرے لئے کوئی برائی نہیں ہے۔؟"

بڑا ٹیڑھا سوال کر دیا تھا ساجد علی شاہ صاحب نے۔ اس وقت وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ میرے دل میں ان کے لئے کیا برائی ہے' لیکن وہی شیطانی فطرت جسے میں کوشش کے باوجود اپنے ذہن سے دور نہیں کر پاتا تھا ابھر آئی۔ اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں جیتی ہوئی بازی ہارنے کی کوشش نہ کروں۔ ایک لمحے کے اندر میں نے فیصلہ کیا اور کہا:

"نہیں سر۔ بھلا ایک اتنی سی بات' ایک مقدمے کی بات ذاتی طور پر تلخی کیسے بن سکتی ہے۔ سر تلخی کو دل کی گہرائیوں میں اترنے کے لئے تو کوئی بہت بڑا حادثہ کوئی بہت بڑا عمل درکار ہوتا ہے۔ میں تو آپ کی ----" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور پیشانی کھجانے لگا۔ بہرحال زبان ابھی تک مکاری کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی ساجد علی شاہ نے کہا:

"شکریہ! میں بہت صاف گو انسان ہوں اور روایتوں کو مدنگاہ رکھتے ہوئے کبھی حقائق پر پابندیاں نہیں لگاتا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو حجاب آپ سے متاثر ہے اور شاید آپ بھی۔ میں اس دن کی بات بھی آپ کو یاد دلاؤں گا اور اس کے بعد اپنے اور حجاب کے درمیان ہونے والی گفتگو جسے آپ نہ پوچھیں تو بہتر ہوگا۔ البتہ اس گفتگو کا مفہوم میں آپ کو سمجھائے دیتا ہوں' حجاب نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ آپ کی زندگی میں شامل ہونا چاہتی ہے اور آپ نے اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔ بس ایک شرم مانع ہے۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں مسٹر منصور! کیا یہ بات سچ ہے۔؟" میں نے گردن جھکالی۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا:

"میں اس بے حجابی سے آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کر لوں۔" میرے اس سوال پر وہ کچھ لمحے مجھے دیکھتا رہا' پھر بولا:

"خوبصورت سوال ہے' بہت اچھا لگا ہے مجھے۔ صرف اتنا بتا دو کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا قاضی صاحب سے اس موضوع پر بات کی جائے۔"

"جو طریقے ہوتے ہیں ساجد علی شاہ صاحب انہی کے مطابق عمل ہوگا۔ آپ قاضی صاحب سے گفتگو نہیں کریں گے بلکہ قاضی صاحب خود آپ کے گھر پہنچیں گے کیونکہ یہاں سے کچھ میرے فرائض بھی شروع ہوتے ہیں۔"

"شکریہ بیٹے۔ میں اس عزت افزائی پر آپ کا احسان مند ہوں۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔

لیکن میرے اندر ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت بیدار ہو گئی تھی' وہ ہو رہا تھا جس کا میں خواہش مند تھا کامیابی میرے بالکل قریب آگئی تھی۔ رات کو کھانے پر میں نے قاضی صاحب اور ریحانہ باجی سے بات کی حالانکہ دل چاہتا تھا کہ ان جیسے لوگوں کو دھوکہ نہ دوں جو ہمیشہ میری بہتری کے لئے ہاتھ اٹھائے رہے ہیں لیکن جو عمل میں کرنا چاہتا تھا اس میں بڑی شیطانی کیفیت تھی اور اگر تمام حقیقتوں کو عریاں کر دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ تمام تر محبتوں کے باوجود قاضی صاحب اس عمل میں میرا ساتھ نہ دے سکیں۔ چنانچہ خاموشی اور مکاری ضروری تھی۔ میں نے خود کو سنبھالا اور قاضی صاحب سے کہا:

"قاضی صاحب! آپ سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ سوچتا تھا کہ آپ

خود ہی کبھی اس بارے میں سوچیں گے اور مجھ سے بات کریں گے" دونوں حیرانی سے میری صورت دیکھنے لگے تھے۔ ریحانہ باجی بولیں:

"بھئی کہو نا جلدی سے کیا بات ہے' مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔"

"ریحانہ باجی! میری شادی کر دیجئے۔" میں نے کہا اور دونوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پھر دونوں معصوم انسانوں کے چہروں پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ اور ریحانہ باجی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

"دیکھو' کسی کے جذبات سے کھیلنا اچھی بات نہیں ہے۔ ہماری یہ آرزو نجانے کب سے ہمارے دلوں میں پل رہی ہے اور تم اسے اس طرح مزاحیہ انداز میں کہہ رہے ہو۔"

"ریحانہ باجی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کیجئے نا پلیز اب میں مجبور ہو کر اپنی زبان سے کہہ رہا ہوں کہ میرا گھر بسا دیجئے۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے ایسا بسے گا تمہارا گھر تو کہ خزاں کا کوئی جھونکا بھی کبھی ادھر سے نہیں گزرنے پائے گا۔"

"عزیزم ایک بات بتاؤ۔ کوئی لڑکی نگاہ میں ہے۔؟"

"نہ ہوتی تو دماغ میں کوئی خرابی تھوڑی تھی کہ کسی الجھن کو سر لگا لیا جاتا۔"

"سبحان اللہ' سبحان اللہ۔ چلو آج جب زبان کھولی ہی ہے تو ذرا اپنے اس بیٹے کے لئے رشتے کا انتخاب کر لیا ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے یہ ایک تجویز کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ اور اس کے بعد آپ باقاعدگی سے یہ رشتہ لے کر جائیں گے اور لڑکی والوں سے بات چیت کر کے آئیں گے۔"

"سائیں! یہ تو آپ نے کمال کر دیا۔ واقعی خوشی کی بات ہے' اب ذرا جلدی سے یہ بھی بتا دیں کہ لڑکی کون ہے۔ کس کی بیٹی ہے' کہاں رہتی ہے۔"

"اصل خوشی کی بات تو یہی ہے شاہ جی کہ لڑکی آپ کی دیکھی بھالی ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں' عزت والے ہیں۔"

"ہماری دیکھی بھالی ہے' کون ہے بھائی وہ۔؟" حیات علی شاہ صاحب نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

سب کے چہرے سوچ میں ڈوب گئے اور جب کوئی بھی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکا تو قاضی صاحب نے کہا:

"وہ حجاب ساجد علی شاہ ہے۔" بہت دلچسپ ری ایکشن ہوا تھا ان لوگوں پر اور سبھی حیرت سے منہ کھولے رہ گئے تھے۔ رضوانہ نے کہا:

"تو کیا ساجد علی شاہ صاحب اس رشتے پر تیار ہیں بات ہوئی ہے آپ کی۔؟"

"ہاں بیٹے' بات ہو گئی ہے میری' وہ خوشی سے اس کے لئے تیار ہیں۔" قاضی صاحب نے کہا۔ رضوانہ نے میری جانب مسکرا کر دیکھا اور بولی:

"ہوں تو یہ ڈرامہ چل رہا تھا پردے کے پیچھے پیچھے۔ کیوں بھائی ہم سے پوشیدہ ہی رکھا اس بات کو۔؟" میں نے مسکراتی نگاہوں سے رضوانہ کو دیکھا اور کہا:

"نادر زماں کہتے ہیں کہ میں ڈرامے باز آدمی ہوں۔ میں نے کبھی ان کی بات سے انکار نہیں کیا' وجہ یہ ہے کہ میری زندگی کے ڈرامے کا آغاز ہی عجیب ہوا ہے۔ بچپن میں ماں کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھی اور بس ماں کی خواہش پر ایک کہانی کا آغاز کر دیا۔ کہانی میں مختلف موڑ تو آتے ہی رہتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں رضوانہ کہ اب تک یہ فلم یا ڈرامہ پردے کے پیچھے تھا۔ اب یہ پردے پر آ رہا ہے۔ آپ لوگوں کو اس کے وائنڈ اپ پر بڑی حیرت بھی ہو گی اور پتہ نہیں کیسے کیسے احساسات کا شکار ہو جائیں آپ۔ بہر حال اب یہ پتہ نہیں میری یا آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگ خود بھی اس ڈرامے کے اہم کردار ہیں۔" میں نے یہ الفاظ جس رابطے سے ادا کئے تھے وہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ میں نے پھر کہا:

"بہرحال! آپ میری اس فلم کی کہانی کی تکمیل کا انتظار کیجئے۔"

بات چونکہ کوئی جانتا نہیں تھا اس لئے مذاق میں ٹل گئی' پھر آگے کے معاملات کا آغاز ہو گیا۔

ساجد علی شاہ کے ہاں رشتہ لے جایا گیا۔ انہوں نے مہمانوں کو بہترین ریسپشن دیا۔ قاضی صاحب اور ریحانہ باجی بھی دل کی حسرتیں نکال رہے تھے۔ ان کی خوشی دیکھ کر میرا دل خون ہوتا تھا لیکن ماں مقدم تھی۔ وقت نے مجھے اس کا موقع دیا تھا اور میں جوش انتقام میں سارے رشتے بھول گیا تھا۔ وہی نفرت میرے دل میں پھر ابھر آئی تھی جسے

قاضی صاحب نے نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے میرے دل سے نکالا تھا۔ اس دوران حجاب نے کئی بار مجھ سے ملاقات کی کوشش کی تھی۔ ایک بار میں نے فون پر اس سے کہا:

"حجاب! تمہارے لئے میرے دل میں جو جذبے ہیں انہیں محفوظ رہنے دو۔ ان تمام باتوں کے درمیان ان جذبوں کو کوئی ٹھیس نہیں لگنی چاہئے۔"

"عجیب نہیں ہو تم ----" حجاب محبت سے بولی تھی۔

ساجد علی شاہ معمولی آدمی نہیں تھے۔ بہت بڑی گیدرنگ تھی بڑے معزز لوگ اس شادی میں شریک تھے۔ بارات میں بھی بہت سے لوگ تھے۔ شاندار انتظامات کئے گئے تھے۔ لیکن کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے معزز لوگوں کی محفل میں کوئی ایسا انوکھا ڈرامہ ہو سکتا ہے۔ نکاح خواں آچکے تھے۔ پوری محفل نکاح کے آغاز کے لئے تیار تھی کہ بس اچانک سہرا اتار کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا۔" قاضی صاحب حیرت سے بولے۔

"ٹھہرو ---- یہ شادی نہیں ہو سکتی۔" میں نے گونج دار آواز میں کہا۔ اور لوگ حیرت سے پاگل ہو گئے۔ کس نے کیا کہا' مجھے نہیں معلوم۔ البتہ میں نے یوں کہا:

"اس رشتے کے بارے میں حیات علی شاہ صاحب اور دوسرے لوگوں کو بتاتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ میں ایک فلم یا ڈرامے کی کہانی مرتب کر رہا ہوں۔ میں نے سچ کہا تھا۔ اور اس وقت بھی اپنے ڈرامے کی کہانی آپ کو سنا رہا ہوں۔ میں آپ لوگوں کی سطح سے بہت نیچے کا انسان ہوں۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں میں۔ برسوں آپ کے اس شہر کراچی کی سڑکوں پر ٹیکسی چلاتا رہا ہوں۔ اس کے گواہ' نادر زماں صاحب' حیات علی شاہ' قاضی صاحب۔ اور بھائی یار محمد ہیں۔ میرے واحد مہمان جو اس گوشے میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ اس طرف۔ (میں نے اشارہ کیا) میری آپ بیتی بڑی درد بھری ہے۔ ایک ماں تھی اور میں۔ وہ ایک یوٹیلٹی سٹور میں ملازمت کرتی تھی اور ایک ہی خواب دیکھتی تھی وہ کہتی تھی کہ مجھے قانون پڑھنا ہے' مجھے میرا حق دلانا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ حق کیا ہے۔ لیکن میں نے ماں کے خواب کی تعبیر اور مشن پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا —— پھر ماں ایک حادثے کا شکار ہو کر مجھے تنہا چھوڑ گئی۔ ایک کار کا حادثہ ہوا تھا۔ کمزور اور لاغر بچہ اس حادثے کے ذمہ دار شخص کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ لیکن دل میں بہت سی نفرتیں لئے میں

جواں ہوا' یعنی میں قانون کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے یار محمد بھائی کی ٹیکسی چلاتا تھا۔ پھر مجھ سے بھی ایک گناہ ہوا۔ میری ایک کوتاہی نے ایک زندگی لے لی۔ اپنی فلم کی کہانی میں بہت سے حقائق چھپائے ہیں میں نے اپنے اس گناہ کو میں نہیں بتاؤں گا۔ ہاں اس کے صلے میں' اس شخص کو میں نے معاف کر دیا جو میری ماں کی موت کا ذمہ دار تھا۔ پھر تقدیر نے مجھے ذرا غموں سے روشناس کرا دیا جن میں میری ماں کی خواہش چھپی ہوئی تھی۔

معزز لوگو! ایک گھٹیا سے ٹیکسی ڈرائیور سے کسی اعلیٰ ظرفی کی توقع نہیں رکھنی چاہئے تھیں۔ بات مختصر کر کے بتا رہا ہوں کہ مجھے پتہ چل گیا کہ ساجد علی شاہ صاحب اصل میں میرے باپ ہیں' حجاب میری سوتیلی بہن ہے۔ ساجد علی شاہ نے میری ماں سے شادی کی اور پھر اسے بھول گئے۔ دوسری شادی کر لی۔ اور دو دو بیٹیوں کو دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ حجاب کے گھر میں مجھے ماں کی تصویر دلہن کی شکل میں ساجد علی شاہ کے ساتھ نظر آئی اور حجاب نے اس تصویر کی کہانی سنا دی تب میں نے یہ کھیل کھیلا۔ میں جانتا ہوں کہ میری اس گھناؤنی حرکت کے نتیجے میں آپ سب لوگ مجھ سے رابطہ توڑ لیں گے۔ لیکن میں بزرگوار والد محترم کو اس طرح منظر عام پر لانا چاہتا تھا۔ میرا کام ہو چکا ہے۔ اور میری خوش نصیبی ہے کہ میری اپنی دنیا میں' میرا اپنا ایک یار ہے۔ یعنی یار محمد —— میں ٹیکسی چلاؤں گا اور عیش کروں گا۔ آپ کے قانون میں میرے اس عمل پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اگر ہے تو آپ سب کو مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ آؤ یار محمد۔"

کس پر کیا بیتی۔ اس سنسنی خیز وائنڈ اپ پر کیا ری ایکشن ہوا کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں یار محمد کے گھر گیا تھا۔ اور چند ہی دنوں کے بعد شازیہ اس کی ماں اور بہن بھائیوں کو میں نے ایک دوسرے فلیٹ میں منتقل کر دیا۔ اب میرے وسائل محدود نہیں تھے۔ پھر یار محمد بھائی کے ذریعہ میں نے شازیہ کی والدہ کو رشتہ بھجوایا۔ اور ان کی جو کیفیت ہو سکتی تھی اس کا مجھے اندازہ تھا۔ شازیہ نے مجھ سے ملاقات کی اور بولی:

"مجھے جانتے ہو' بابو صاب۔ کیا مجھے نہیں جانتے ہو۔"

"صرف شازیہ ہو تم۔ اور میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اور میں ہمیشہ تمہارا احترام کروں گا اور ماضی کی کتاب سے وہ سارے صفحے پھاڑ دوں گا جو تمہیں بدنما لگتے ہیں۔

پھر ہم نے سادگی سے سارا پروگرام ترتیب دیا۔ لیکن پس پردہ فنکار بھی کسی سے

کم نہ تھے۔ قاضی صاحب نے جب رجسٹر کی خانہ پری کرتے ہوئے پوچھا کہ دولہا کے باپ کا نام کیا ہے تو آواز آئی:

"ساجد علی شاہ۔" آواز ساجد علی شاہ کی تھی اور میرے عقب سے آئی تھی۔ پھر اصل بارات آئی تھی۔ بڑے لوگوں کی بارات۔ اتنا بڑا بینڈ تھا کہ شازیہ کے فلیٹ کے علاقے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ کاروں کا پورا جلوس تھا۔ ایاز' رضوانہ' حیات علی' قاضی صاحب' ریحانہ باجی۔ اور ساجد علی شاہ' نادر زماں یہاں تک کہ حجاب بھی تھی۔

پھر میرے لئے یہ دنیا اجنبی ہو گئی۔ اتنا کیا تھا ان لوگوں نے کہ میں ششدر رہ گیا۔ بارات رخصت ہو کر ساجد علی شاہ کی کوٹھی میں ہی پہنچی تھی اور ولیمہ ایک عالی شان ہوٹل میں ہوا تھا۔ ایک طرف قاضی صاحب کے احکامات تھے تو دوسری طرف نادر زماں میری ہر مداخلت پر آنکھیں نکالتا تھا۔ حیات علی شاہ نے ایک کوٹھی تحفے میں دی تھی اور ایاز نے شاندار کار۔ شازیہ کا سارا جہیز ان لوگوں نے دیا تھا رضوانہ اور حجاب بہنوں کا کردار سنبھالے ہوئے تھیں۔ اور ریحانہ باجی ماں کا۔ میں گھن چکر بن گیا تھا۔ لیکن۔ ایک احساس میرے دل میں ضرور تھا۔ کاش۔ امی اس دنیا میں ہوتیں۔

ہاں جب شازیہ کو لے کر میں امی کی قبر پر گیا۔ اور اسے آنسوؤں سے بھگو دیا تو ایک سکون سا میرے سینے میں اتر گیا—— یوں لگا جیسے وجود کی ساری جلن ختم ہو گئی ہو۔ جیسے ماں کی پیاسی روح کو بھی سکون مل گیا ہو۔!